یہ لوگ اپنی مجالس میں اسلام کے بارے میں نہایت ہی گھٹیا زبان استعمال کرتے تھے یہ مجالس وہ خانہ کعبہ میں اپنے بتوں کے ارد گرد بیٹھ کر منعقد کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم ان کی مشغولیتوں کی بہت ہی خوبصورت تصویر کشی کرتا ہے جبکہ اب عذاب آنے کے بعد وہ سخت فریاد کرتے ہیں اور مدد طلب کرتے ہیں۔ قرآن ان کو یاد دلاتا ہے کہ ذرا ان مجالس کو تو یاد کرو۔ یہ تصویر کشی اس انداز میں کی جاتی ہے گویا یہ واقعہ ابھی ہو رہا ہے اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں اور وہ ان ہی حالات میں زندہ ہیں۔ قیامت کے مناظر کی ایسی تصویر کشی قرآن کا مخصوص اسلوب ہے۔ (دیکھئے میری کتاب التصویر الفنی فی القرآن)۔

مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر اپنی مجلسوں میں اعتراضات کرتے تھے اور ایام جاہلیت کے اخلاق کے مطابق اپنے اس رویہ پر فخر کرتے تھے وہ اس قابل ہی نہ تھے کہ وہ قرآن کی سچائی کو سمجھتے کیونکہ وہ بصیرت کے اندھے تھے۔ حق قبول کرنا تو کجا وہ تو قرآن کے ساتھ مذاق کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الزامات لگاتے تھے یہی بات ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے۔ ہر جاہلیت میں یہی ہوتا ہے اور یاد رہے کہ عرب جاہلیت بھی دوسری جاہلیتوں میں سے ایک جاہلیت تھی اور نزول قرآن تک کئی جاہلیتیں آتی رہیں اور اس کے بعد بھی آتی رہیں گی۔

قیامت کے اس منظر سے قرآن کریم ان لوگوں کو دنیا کی طرف منتقل کرتا ہے۔ یہ ازسرنو اب دنیا میں ہیں۔ اس منظر میں خود ان سے پوچھا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ عجیب و غریب اور غیر معقول موقف کیوں اختیار کیا اور یہ کہ وہ کیا معقول وجہ ہے کہ یہ لوگ رسول امین پر ایمان نہیں لاتے۔ آخر وہ کیا شبہات ہیں جو ان کے دلوں میں خلجان پیدا کرتے ہیں۔ اور ان کو راہ ہدایت سے روکتے ہیں۔ وہ کیا دلائل ہیں جن کی وجہ سے وہ اعراض کرتے ہیں اور اپنی مجالس میں بواس کرتے ہیں حالانکہ دین اسلام ایک سیدھا سادھا دین حق اور صراط مستقیم ہے۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ
الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ
جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ
أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ
فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ ﴿٧١﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ
خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ
الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ ﴿٧٤﴾

Marfat.com
Marfat.com

"تو کیا ان لوگوں نے کبھی اس کلام پر غور نہیں کیا؟ یا وہ کوئی ایسی بات لایا ہے جو کبھی ان کے اسلاف کے پاس نہ آئی تھی؟ یا یہ اپنے رسول سے کبھی واقف نہ تھے کہ (ان جانا ہونے کے باعث) اس سے بدکتے ہیں؟ یا یہ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ مجنون ہے؟ نہیں بلکہ وہ حق لایا ہے اور حق ہی ان کی اکثریت کو ناگوار ہے۔ اور حق اگر کہیں ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ نہیں بلکہ ہم ان کا اپنا ہی ذکر ان کے پاس لائے ہیں اور وہ اپنے ذکر سے منہ موڑ رہے ہیں۔ کیا تو ان سے کچھ مانگ رہا ہے؟ تیرے لیے تو تیرے رب کا دیا ہی بہتر ہے اور وہ بہترین رازق ہے۔ تو تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلا رہا ہے۔ مگر جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ راہ راست سے ہٹ کر چلنا چاہتے ہیں"۔

جضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیمات پیش کی ہیں اگر ان پر کوئی ذرا بھی غور کرتے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ان سے منہ پھیرے کیونکہ اس کلام میں بہت ہی خوبصورتی بہت ہی کمال بہت ہی جاذبیت ہے۔ اس کی تعلیمات نہایت ہی فطری اور انسانی عقل و وجدان کے مطابق ہیں۔ اس میں دل و دماغ کی غذا موجود ہے۔ ان کا ارتقان بہت ہی تعمیری ہے۔ یہ جو نظام و قانون پیش کرتی ہیں وہ نہایت ہی مستحکم ہے۔ ان پوری تعلیمات کو دیکھ کر انسانی فطرت ان کو تسلیم کرتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ منکرین نے اس کلام پر تدبر ہی نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس سے منہ موڑتے ہیں۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ (۲۳ : ۶۸) "تو کیا انہوں نے کبھی اس کلام پر غور نہیں کیا"۔

أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ (۲۳ : ۶۸) "یا وہ کوئی ایسی بات لایا ہے جو کبھی ان کے اسلاف کے پاس نہ آئی تھی"۔ یا یہ بات کہ پیغمبر کا بھیجنا ان کے اور ان کے آباء کی روایات میں کوئی مانوس بات نہیں ہے۔ ان کی روایات میں یہ بات نہیں ہے کہ کوئی رسول آئے یا ان کے سامنے کوئی کلمہ توحید جیسے افکار و نظریات پیش کرے۔ رسولوں کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ رسول پے در پے آتے رہے ہیں اور تمام رسولوں نے یہی تعلیم دی ہے جو نبی آخر الزمان دے رہے ہیں اور ان رسولوں میں سے کئی کے بارے میں وہ معلومات بھی رکھتے ہیں۔

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ (۲۳ : ۶۹) "یا یہ اپنے رسول سے کبھی واقف نہ تھے اور اب یہ اس سے بدکتے ہیں"۔ یعنی ان کے اعراض کا یہ سبب بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ جو رسول آیا ہے اس سے ان کی جان پہچان نہیں ہے۔ وہ تو اس رسول کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس کی شخصیت کو جانتے ہیں۔ اس کے نسب کو جانتے ہیں، وہ اس کی ذات و صفات سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ وہ یقین سے جانتے ہیں کہ وہ صادق و امین ہیں اور رسالت سے پہلے ہی خود انہوں نے ان کو صادق و امین کے لقب سے نوازا تھا۔

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ (۲۳ : ۷۰) "یا یہ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ مجنوں ہے"۔ ان میں سے بعض بے وقوف آپ پر یہ الزام لگاتے بھی تھے لیکن یہ محض الزام تھا، دل سے تو وہ بھی جانتے تھے کہ وہ عاقل اور کامل ہے کیونکہ پوری زندگی میں انہوں نے اس کے حوالے سے کسی لغزش کا نہ سنا تھا۔

Marfat.com
Marfat.com

مذکورہ بالا شبہات میں سے کسی شبہ کی کوئی گنجائش تو نہ تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہ حق کو تسلیم نہیں کرتے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سچائی کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ جو سچائی آپ لائے تھے وہ ان سے وہ باطل اقدار چھین رہی تھی جن میں وہ زندگی بسر کرتے تھے جن کو وہ مقدس سمجھتے تھے اور یہ سچائی ان کی خواہشات نفس اور ان کی زندگیوں میں رچی بسی اور جمی ہوئی عادات کے خلاف تھی۔

بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ (۲۳: ۷۰) "بلکہ وہ حق لایا ہے اور حق ہی ان کی اکثریت کو ناگوار ہے"۔ سچائی تو سچائی ہوتی ہے۔ وہ ان کی خواہشات کے ساتھ بدل نہیں سکتی۔ سچائی پر تو زمین و آسمان کا قیام ہے۔ اس کائنات پر نافذ ہونے والا ناموس دراصل حق ہے۔ اسی ناموس اور اسی حق کے مطابق یہ کائنات اور اس کے اندر پائے جانے والی تمام موجودات چل رہی ہیں۔

وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ (۲۳: ۷۱) "اور حق اگر ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا"۔ حق ایک ہے اور ثابت ہے۔ خواہشات تو ہر انسان کی جدا جدا ہوتی ہیں' بدلتی رہتی ہیں۔ یہ پوری کائنات حق پر چلتی ہے اور اس کی چال ایک ہے۔ اس کا اصول اور ناموس نہیں بدلتا۔ اور نہ کسی عارضی خواہش کے مطابق اس ناموس میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔ اگر کائنات کا یہ نظام لوگوں کی تمناؤں اور بدلتی ہوئی خواہشات کے تابع ہو جائے اور لوگوں کی عارضی خواہشات کے پیچھے چلنے لگے تو دنیا کا یہ پورا نظام فساد پذیر ہو جائے۔ لوگوں کے حالات اور طریقے بگڑ جائیں۔ اقدار حیات اور حسن و قبح کے پیمانے بدل جائیں۔ اگر کوئی خوش ہوتا ہے تو اقدار و پیمانے اور ہوتے ہیں اور اگر کوئی خفا ہوتا تو اقدار و پیمانے اور ہوتے۔ اسی طرح لوگوں کے پیمانے ان کی پسند و ناپسند' رغبت اور خوف' خوشی اور غم کے مختلف حالات میں بھی بدلتے رہتے ہیں کیونکہ انسانی مزاج ایک حال میں نہیں رہتا۔ اس پر عوارض آتے رہتے ہیں جبکہ حق اپنی جگہ قائم رہتا ہے اور یہ نظام کائنات اور اس کے مقاصد یہ تقاضا کرتے ہیں کہ ان کے نظام میں ثبات' یکجہتی اور تسلسل قائم رہے اور نہایت ہی پختہ اور ناقابل تغیر ضوابط کے مطابق یہ کائنات چلے اور تغیرات اور بے یقینی سے اس کا نظام پاک ہو۔

اس کائنات کا نظام چونکہ حق پر ہے اور اس کو حق کے مطابق ہی چلایا جا رہا ہے۔ چنانچہ انسانی زندگی کو چلانے کے لیے بھی اللہ نے ایک سچائی پر مشتمل ضابطہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ یہ ضابطہ بھی اس ذات نے مقرر کیا ہے جو اس پوری کائنات کو چلا رہی ہے۔ جس طرح کائنات کا ضابطہ اٹل ہے اسی طرح یہ انسانی ضابطہ بھی اٹل ہے کیونکہ انسان بھی کائنات کا ایک جزء ہے تاکہ انسانی طرز عمل اور اس کائنات کی رفتار کے درمیان ہم آہنگی ہو۔ اس لیے حق کا تقاضا یہ ہے کہ اس کائنات کا شارع ہی انسانی ضابطہ حیات کا شارع اور مصنف ہو تاکہ انسان کی چلت کائنات کی چلت کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔ اگر انسانوں کی زندگی کی ضابطہ بندی ان کی خواہشات پر چھوڑ دی جائے تو انسانوں کی زندگی کا نظام فساد پذیر ہو جائے گا اور اس میں خلل واقع ہو جائے گا۔

Marfat.com
Marfat.com

وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآ ءَ هُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ (۲۳: ۷۱) "اور حق کہیں ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین و آسمان اور ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا"۔ لہٰذا یہ نظام کلی طور پر حق کے تابع ہے' حق کا مطیع فرمان ہے اور مدبر کائنات کی مشیت کے مطابق چل رہا ہے۔

یہ امت جس کے پاس یہ حق آیا ہے' اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ وہ اس کی مطیع ہو جائے۔ ایک تو یہ کہ یہ ایک حق بات ہے' دوسرے یہ کہ اس امت کے لیے یہ بہت ہی بڑا اعزاز بھی ہے۔ پھر یہ سچائی اس امت کی شناخت بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلام نہ ہوتا تو اقوام عالم میں عربوں کی اور کیا شناخت ہوتی اور اسلام نہ ہوتا تو مسلمان ہوتے کہاں؟

اسلام سے قبل تاریخ اقوام میں عربوں کا کوئی ذکر نہ تھا اور نہ ان کا کوئی کردار تھا۔ پھر جب تک عرب قرآن کا دامن تھامے رہے ان کی آواز پوری کائنات میں گونج رہی تھی اور جب عربوں نے قرآن کو چھوڑا تو تاریخ امم میں ان کا کردار بھی گھٹتا گیا اور گھٹتا گیا حتیٰ کہ وہ قابل ذکر ہی نہ رہے اور نہ آئندہ کبھی وہ کوئی مقام حاصل کر سکتے ہیں الا یہ کہ وہ اپنے اصل عنوان کو اختیار کر لیں اور اپنی اصل شناخت کو اختیار کر لیں۔

چونکہ ان لوگوں کو دعوت حق دی گئی اور انہوں نے اس کا انکار کیا اور الٹا داعی حق پر الزام لگانا شروع کر دیا اور غلط موقف اختیار کیا تو اس مضمون کی مناسبت سے اب روئے سخن ان کے اس غلط موقف کی طرف پھر جاتا ہے۔ ان کے اس غلط رویے کی مذمت کی جاتی ہے اور وہ رسول امین پر جو الزامات لگاتے تھے ان کی تردید کی جاتی ہے۔

اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا (۲۳: ۷۲) "کیا تو ان سے کچھ مانگ رہا ہے"؟ کیا اس ہدایت و تعلیم کی کوئی بھاری فیس تم مانگ رہے ہو اور وہ اس کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتے اور اس سے بھاگ رہے ہیں۔ تم تو ان سے کچھ بھی طلب نہیں کرتے ہو کیونکہ تمہارا اجر تو اللہ پر ہے۔

فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (۲۳: ۷۲) "تیرے لیے تو رب کا دیا بہتر ہے اور وہ بہترین رازق ہے"۔ کوئی نبی لوگوں سے کسی معاوضے کا طلبگار نہیں ہوتا جبکہ انسان بہت ہی ضعیف' فقیر اور محتاج ہوتے ہیں۔ نبی تو اللہ سے متصل اور مربوط ہوتا ہے جس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ نبی کے متبعین بھی اس دنیا کے مفادات میں سے کسی مفاد کے طلبگار نہیں ہوتے کیونکہ ان کی نظریں بھی اس اجر پر ہوتی ہیں جو اللہ کے ہاں ان کے لیے تیار ہے اور دنیا میں تو قلیل ہو یا کثیر ہو' وہ اس پر راضی ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب انسان کی روح اللہ سے مل جائے تو اس کے لیے پھر یہ پوری کائنات اور مافیہا پر کاہ کے برابر نہیں رہتی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ تو ان لوگوں کی راہنمائی اس نظام زندگی کی طرف کر رہے ہیں جو نہایت ہی مستحکم ہے۔

وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۳: ۷۳) "اور تو' تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلا رہا ہے"۔ آپ ان کو اس ناموس فطرت کی طرف بلا رہے ہیں جو اس کائنات اور خود ان کی فطرت پر حاکم ہے۔ ان کو اس پوری کائنات کی طرف بلا رہے ہیں اور ان کو اس قافلہ وجود کے ساتھ ہم آہنگ کر رہے ہیں اور سیدھا خالق کائنات

Marfat.com

کی طرف لے جا رہے ہیں۔

ان لوگوں کی حالت بھی ایسی ہے جس طرح ان تمام لوگوں کی ہوتی ہے جو ایمان نہیں لاتے اور راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں۔

وَ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ (۲۳:۷۴) "مگر جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ راہ راست سے ہٹ کر چلنا چاہتے ہیں"۔ اگر یہ ہدایت پر ہوتے تو وہ اپنے دل و دماغ سے اس زندگی پر غور کرتے جس کے نتیجے میں انسان حتمی طور پر آخرت پر ایمان لاتا ہے۔ ایک ایسے جہان کا وہ ضرور قائل ہو جاتا ہے جس میں یہ زندگی اپنی نہایت ہی مکمل حالت میں ہوگی اور جس کے اندر لوگوں کے ساتھ مکمل انصاف ہوگا کیونکہ آخرت ناموس کائنات کا ایک آخری حلقہ ہے جس میں اللہ کی تدبیر کائنات اپنے اختتام کو پہنچے گی۔

یہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، جو راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں، اگر ان کو بہت دولت دی جائے اور آزمایا جائے تو بھی وہ راہ راست پر نہیں آتے اور اگر ان کو مشکلات سے دوچار کر کے آزمایا جائے تو بھی راہ راست پر نہیں آتے۔ اگر ان کو نعمت سے نوازا جائے تو کہتے ہیں۔

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ (۵۵) نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ (۲۳:۵۵-۵۶)

"یہ جو ہم نے انہیں مال اور اولاد سے کر لدا دی ہے وہ اس لیے کہ ہم ان کے لیے بھلائی میں جلدی کرنے والے ہیں"۔ اور اگر ان پر عذاب آ جائے تو بھی ان کے دل نرم نہیں ہوتے، ان کے ضمیر نہیں جاگتے اور اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے اللہ کے سامنے عاجزی نہیں کرتے کہ وہ ان کی اس مصیبت کو دور کرے۔ یہ اسی طرح رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کے دن ان کو عذاب الٰہی آ لے اور وہاں مایوس اور حیران رہ جائیں۔

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ مَا یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤی اِذَا فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِیْدٍ اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع ۴ ۲۷

"اگر ہم ان پر رحم کریں اور وہ تکلیف جس میں آج کل یہ مبتلا ہیں، دور کر دیں تو یہ اپنی سرکشی میں بالکل ہی بھٹک جائیں گے۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں تکلیف میں مبتلا کیا، پھر بھی یہ اپنے رب کے آگے نہ جھکے اور نہ عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ البتہ جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو یکایک تم دیکھو گے کہ اس حالت میں وہ ہر خیر سے مایوس ہیں"۔

Marfat.com

Marfat.com

یہ ہے بعض لوگوں کا مستقل رویہ ۔ یہ سخت دل لوگ ہوتے ہیں ۔ اللہ سے غافل ہوتے ہیں ' آخرت کی تکذیب کرتے ہیں ۔ مشرکین مکہ ایسے ہی لوگوں میں سے تھے جن سے حضور اکرم کو سابقہ تھا ۔

اگر کسی پر مصیبت آجائے اور وہ اللہ کے سامنے عاجزی اور تضرع کرنے لگے تو یہ رجوع الی اللہ کی دلیل ہوتا ہے ۔ یہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے دل میں خدا کا شعور ہے اور یہ تصور بھی ہے کہ آخری سہارا اللہ ہے ۔ جو دل اس طرح اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ نرم ہوتا ہے ' بیدار ہوتا ہے اور نصیحت اس کو فائدہ دیتی ہے ۔ یہی احساس انسان کو غفلت اور لغزش سے بچاتا ہے ۔ ایسے ہی لوگ مصائب اور مشکلات سے فائدہ اور نصیحت حاصل کرتے ہیں ۔ لیکن جب کوئی اپنی گمراہی اور سرکشی میں بہت ہی آگے چلا جائے اور اندھا ہو جائے تو اس شخص سے مایوس ہو جانا چاہئے ۔ اس کی اصلاح کی پھر کوئی امید نہیں رہتی ۔ اسے چھوڑ دیا جائے کہ وہ عذاب آخرت کا شکار ہو اور یہ آخرت بہت ہی اچانک ہو گی ۔ اچانک ہر کسی کے سامنے آجائے گی اور تمام لوگ اس وقت حیران و پریشان ہوں گے اور اس بات سے مایوس ہوں گے کہ اب کوئی خلاصی ممکن ہے ۔

ایک بار پھر ان کے شعور اور وجدان کو جگانے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ انفس و آفاق میں دلائل ایمان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے ۔ ایسے امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو پیش پا افتادہ ہیں ۔

وَهُوَ الَّذِيٓ أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٧٨﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٧٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے کو دل دیئے مگر تم لوگ کم ہی شکرگزار ہوتے ہو ۔ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا ' اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے ۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے ۔ گردش لیل و نہار اسی کے قبضہ قدرت میں ہے ۔ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی ؟"

انسان اگر اپنی تخلیق اور اپنی شکل و صورت ہی پر غور کرے ' اور اپنے اعضاء و جوارح پر غور کرے ' اپنے حواس اور اپنی عقل پر غور کرے اور اللہ نے انسان کو جو دوسری بے شمار صلاحیتیں دی ہیں صرف ان پر غور کرے تو اس کے لیے ہدایت تک پہنچنا کوئی مشکل امر نہیں ہے ۔ ان عجیب امور پر غور کر کے وہ خالق کائنات کی معرفت حاصل کر سکتا ہے کیونکہ اللہ کے علاوہ کون ہے جس نے یہ معجزے دکھائے ہیں ۔ اس کائنات میں بے شمار عجوبے ہیں ' چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی ۔

ذرا انسان صرف اپنی قوت سماعت ہی پر غور کرے ۔ یہ قوت کس طرح کام کرتی ہے ۔ کس طرح یہ آوازوں کو وصول کرتی ہے اور آوازوں سے معانی اخذ کرتی ہے ۔ ذرا قوت باصرہ پر غور کرے ۔ انسان کس طرح دیکھتا ہے ۔ کس طرح آنکھ روشنی کو لیتی ہے اور تصاویر دیکھتی ہے ۔ پھر انسان کا دماغ اور اس کا ادراک ' اشیاء اور شکلوں کی قدر و قیمت

Marfat.com
Marfat.com

کا تعین کرتا ہے۔ مفہوم' اقدار اور پیمانوں کا تعین کرتا ہے۔ غرض تمام مشاعر و مدرکات اور محسوسات پر اگر غور کیا جائے تو ہر ایک ایک اعجوبہ ہے۔

صرف حواس خمسہ اور ان کے کام کرنے کے طریقے پر ہی اگر غور کیا جائے تو عالم بشریت کے اندر یہ ایک عظیم معجزہ ہے۔ رہی ان قوتوں کی تخلیق اور پھر موجودہ انداز اور شکل و صورت پر ان کی ساخت اور پھر اس پوری کائنات کے ساتھ ان کی ہم آہنگی' کہ اگر اس کائنات کی قوتوں اور انسانی قوتوں میں جو نسبتیں پائی جاتی ہیں' ان میں سے ایک نسبت بھی اگر غائب ہو جائے تو پورا نظام ہی بگڑ جائے' کان سن نہ سکے' آنکھ دیکھ نہ سکے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت مدبرہ نے ان کو ایسا بنایا ہے کہ یہ قوتیں اس کائنات میں کام کر سکتی ہیں اور کائنات کی قوتوں کو انسانی قوتوں کے ساتھ ہم آہنگ بنایا ہے لیکن انسان ایسا ناشکرا ہے کہ وہ اللہ کے ان انعامات پر غور ہی نہیں کرتے۔

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (۲۳: ۷۸) "تم میں سے کم لوگ ایسے ہیں جو شکر کرتے ہیں"۔ شکر تب ہی ہو سکتا ہے کہ انسان کسی نعمت کے بخشنے والے کے بارے میں جانتا ہو۔ اس کی ذات و صفات کو جانتا ہو۔ پھر وہ اللہ وحدہ کی عبادت اور بندگی بھی کرتا ہو اور پھر وہ یہ بات بھی جانتا ہو کہ یہ قوتیں انسان کو اسی ذات و الاصفات نے دی ہیں جن کے ذریعے وہ اس کرۂ ارض پر عیش و عشرت سے ہمکنار ہے اور ہر چیز سے استفادہ کر رہا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ (۲۳: ۷۹) "وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اس زمین پر اپنی طرف سے خلیفہ اور مختار بنایا۔ اور پھر تمہیں اس نے دیکھنے اور سننے کی قوت دی' سوچنے کی قوت دی اور تمام دوسری صلاحیتیں دیں جو یہاں فریضہ خلافت ارضی کی ادائیگی کے لیے ضروری تھیں۔

وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (۲۳: ۷۹) "اور اسی کی طرف سمیٹے جاؤ گے"۔ پھر وہاں وہ تم سے حساب و کتاب لے گا کہ تم نے زمین پر فریضہ خلافت اللہ کی ہدایات کے مطابق ادا کیا یا نہیں۔ اچھے کام کیے یا برے کام کیے۔ ہدایت پر رہے یا ضلالت کی راہ اختیار کی۔ کیونکہ تم کو عبث پیدا نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی اس زمین پر تمہیں شتر بے مہار پیدا کر کے چھوڑ دیا گیا ہے۔ بلکہ تمہاری تخلیق ایک حکمت اور تدبیر کے تحت ہوئی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (۲۳: ۸۰) "وہی ہے جو زندگی دیتا اور موت دیتا ہے"۔ موت اور حیات ایسے واقعات ہیں جو رات اور دن نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ موت و حیات کا مالک صرف اللہ ہے۔ انسان جو زیادہ ترقی یافتہ حیوان ہے اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ زندگی کا ایک خلیہ پیدا کر سکے اور انسان کسی زندہ مخلوق سے زندگی چھین بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ جو ذات حیات عطا کرتی ہے وہی اس کی حقیقت کو جانتی ہے۔ یہ اسی ذات کی قدرت میں ہے کہ وہ زندگی بخشے اور زندگی واپس لے۔ انسان کبھی اس بات کا سبب بن جاتا ہے کہ کسی سے زندگی چھن جائے لیکن درحقیقت انسان کسی سے اس کی زندگی چھین نہیں سکتا۔ حقیقت میں حیات و ممات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی حیات و ممات کا واکدار "مختار" نہیں ہے۔

وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۲۳: ۸۰) "گردش لیل و نہار اسی کے قبضہ

Marfat.com

قدرت میں ہے"۔ وہی اس کا مالک ہے اور وہی اس میں متصرف ہے' جس طرح موت و حیات کا مالک وہی ہے۔ گردش لیل و نہار بھی ایک کائناتی سنت الہیہ ہے جس طرح موت و حیات کی کارکردگی اللہ کی سنت کے مطابق ہے۔ یہ نفس انسانی اور جسم انسانی' یہ کائنات اور یہ افلاک سب کے سب اسی سنت کے مطابق چل رہے ہیں۔ اگر اللہ کسی کے جسم سے حیات نکال دے تو اس کا جسم ٹھنڈا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ زمین سے روشنی واپس لے لے تو یہ تاریک رہ جائے گی۔ یہاں اللہ نے زندگی پیدا کی اور روشنی پیدا کی اور ان دونوں سے زندگی کی گاڑی رواں دواں ہے۔ اور یہ اس وقت تک چلتی رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۲۳: ۸۰) "کیا تم عقل نہیں رکھتے"۔ کہ تم ان چیزوں کی حقیقت کو سمجھ سکو۔ یہ سب چیزیں تو وجود باری اور صنعت باری کے شواہد ہیں کہ وہ خالق و مدبر ہے اور وہ اس پوری کائنات کو چلا رہا ہے۔

اب ان کے ساتھ سلسلہ کلام ختم کر کے اس پر ایک مثبت تبصرہ کیا جاتا ہے کہ بعث بعد الموت اور حساب و کتاب کے بارے میں ان لوگوں کے جو اقوال ہیں ایسے ہی مقولات سابقہ لوگوں کے بھی رہے ہیں۔

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

"مگر یہ لوگ وہی کچھ کہتے ہیں جو ان کے پیش رو کہہ چکے ہیں۔ یہ کہتے ہیں "کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جائیں گے تو ہم کو پھر زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ ہم نے بھی یہ وعدے بہت سنے ہیں اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی سنتے رہے ہیں۔ یہ محض افسانہائے پارینہ ہیں"۔

بادی النظر میں یہ بات نہایت مکروہ ہے' اس لیے کہ ان آیات بینات اور ان دلائل انفس اور دلائل کائنات کے باوجود لوگ جو ایسی باتیں کرتے ہیں وہ مکروہ باتیں ہیں۔ خود انسانی قوتیں' انسان کی قوت سماعت' اس کی قوت بینائی اور اس کی قوت غور و فکر اسے اس لیے دی گئی ہیں کہ وہ ایک ذمہ دار اور مسئول ہستی ہے۔ وہ اپنے اعمال و افکار کے بارے میں ذمہ دار ہے۔ اگر وہ اچھے کام کرے گا تو اس کی جزاء کا مستحق ہو گا اور اگر برے کام کرے گا تو سزا کا مستحق ہو گا۔ دنیا میں صاف نظر آتا ہے کہ بعض اوقات انسان کو وہ جزاء نہیں ملتی جس کا وہ مستحق ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ سزا نہیں ملتی جس کا وہ سزاوار ہوتا ہے لہٰذا آخرت کا برپا ہونا عقلاً بھی لابدی ہے۔

اللہ ہر وقت مارتا بھی رہتا ہے اور زندگی بھی عطا کرتا رہتا ہے۔ اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے کہ وہ دوبارہ کس طرح اٹھائے گا جبکہ اللہ ہر وقت مختلف چیزوں کو حیات دیتا رہتا ہے اور زندگی کا سیل رواں اس زمین پر جاری ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

رہے اہل کفر تو نہ صرف یہ کہ ان کے قوائے مدرکہ بعث بعد الموت کا ادراک نہیں کر سکے اور اس میں پائے جانے والی اللہ کی حکمت کو سمجھ نہیں سکے بلکہ وہ اس عقیدے کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی قیام قیامت سے ڈرایا جاتا رہا ہے لیکن ابھی تک تو یہ قیامت آئی نہیں ہے۔

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (۲۳:۸۳)

"ہم نے بھی یہ وعدے بہت سنے ہیں اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی سنتے رہے ہیں۔ یہ محض افسانے ہیں پارینہ ہیں"۔ لیکن بعث بعد الموت کے لیے تو ایک وقت مقرر ہے۔ یہ اللہ نے اپنی تدبیر اور اپنی حکمت سے مقرر کیا ہے۔ اس میں کوئی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔ یہ گھڑی وقت سے قبل نہیں آ سکتی الا یہ کہ اللہ چاہے' اگرچہ تمام مخلوق اس کا مطالبہ کر دے یا غافلین کا کوئی گروہ اس نظریہ سے مذاق ہی کرتا رہے۔

مشرکین عرب کے عقائد میں بڑا ہی اضطراب تھا۔ وہ اللہ کے وجود کا انکار نہ کرتے تھے۔ وہ اس بات کا انکار بھی نہ کرتے تھے کہ اللہ مالک سماوات والارض ہے۔ وہ مدبر سماوات ہے اور زمین اور آسمانوں کو تھامنے والا وہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ دوسرے الٰہوں کو اللہ کے ساتھ شریک کرتے تھے۔ اور ان کا نظریہ یہ تھا کہ دوسرے الٰہوں کی بندگی وہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ انہیں اللہ کے قریب کرتے ہیں۔ پھر وہ اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے تھے حالانکہ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ اللہ کی طرف نسبت کرتے تھے۔

یہاں اللہ تعالیٰ ان کے مسلمہ عقائد کا ذکر کر کے ان پر گرفت کرتے ہیں تاکہ ان کے عقائد کے اندر جو اضطراب پایا جاتا ہے' اسے دور کر دیا جائے اور انہیں اس عقیدۂ توحید کی طرف لایا جائے جس کی طرف ان کے مسلمہ عقائد بھی راہنمائی کرتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنی فطرت پر قائم ہوں اور انحراف نہ کریں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

"ان سے کہو' بتاؤ' اگر تم جانتے ہو کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ کی۔ کہو' پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟ ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور کہیں گے

Marfat.com

اللہ ۔ کہو' پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ ان سے کہو' بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کے لیے ہے ۔ کہو' پھر کہاں سے تم کو دھوکہ لگتا ہے"۔

ان کے عقائد کے اندر جو اضطراب تھا وہ کسی عقلی دلیل پر مبنی نہ تھا نہ کسی منطق کا تقاضا تھا ۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جزیرۃ العرب کے اندر مشرکین کے عقائد اور افکار کس قدر بگڑ گئے تھے حالانکہ وہ دین ابراہیم پر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے ۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲۳ : ۸۴) "ان سے کہو' اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟" یعنی زمین کا مالک کون ہے اور زمین کے اندر موجود آبادی کا مالک کون ہے؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ (۲۳ : ۸۵) "یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ مالک ہے"۔ لیکن اپنے عمل میں وہ اس حقیقت کو ملحوظ نہیں رکھتے اور پھر بھی بندگی غیر اللہ کی کرتے ہیں ۔ لہٰذا ان سے کہو ۔

قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (۲۳ : ۸۵) "پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے"۔ اس حقیقت کو اپنے طرز عمل میں کیوں نہیں لاتے ۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (۲۳ : ۸۶) "ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے"۔ یہ سوال اس کائنات کی ربوبیت کے بارے میں ہے کہ آسمانوں اور عرش عظیم کا متصرف کون ہے ۔ سات آسمانوں سے مراد سات افلاک بھی ہو سکتے ہیں یا سات ستاروں کے مجموعے بھی ہو سکتے ہیں ۔ یا سات آسمان بھی ہو سکتے ہیں اور سات جہان بھی ہو سکتے ہیں یا کوئی سات فلکی مخلوق بھی ہو سکتی ہے ۔ غرض دراصل یہ رمز ہے قبضے اور کنٹرول اور اقتدار اعلیٰ کے مفہوم کی طرف ۔ یعنی کون ہے جو سات آسمانوں اور عرش عظیم کا کنٹرولر ہے؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ (۲۳ : ۸۷) "یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ"۔ لیکن اس اقرار کے باوجود یہ لوگ رب عرش عظیم سے ڈرتے نہیں ۔ نہ رب سماوات سے ڈرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ پھر دوسروں کو شریک بھی کرتے ہیں ۔ ایسے بتوں کو جو زمین پر گڑے ہوئے ہیں ۔

قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (۲۳ : ۸۷) "تو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں"۔

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

(۲۳ : ۸۸) "ان سے کہو بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟" یہ سوال قبضے' اقتدار اعلیٰ اور بادشاہت کے بارے میں ہے' کہ کون ہے مقتدر

Marfat.com

اعلیٰ؟ کون ہے جو سب چیزوں کا مالک ہے اور سب پر اس کا قبضہ و اقتدار ہے۔ کون ہے جو ہر کسی کو پناہ دے سکتا ہے اور اس کے خلاف کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ جس کو پناہ دے اس پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا اور جس کو وہ پکڑنا چاہے کوئی نہیں ہے جو اسے اللہ کی پکڑ سے بچا سکے۔

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ (۲۳ : ۸۹) "تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی ہے"۔ اگر تم یہ باتیں تسلیم کرتے ہو تو پھر راہ ہدایت سے کیوں پھرے جا رہے ہو۔ کیا جواز ہے پھر اس گمراہی کا؟

فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ (۲۳ : ۸۹) "پھر کہاں سے تم کو دھوکہ لگتا ہے؟" حالانکہ اگر تم ان مذکورہ حقائق کو جانتے ہو تو تمہیں دھوکہ نہیں لگنا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے عقائد میں اضطراب ہے اور یہ لوگ خبط میں مبتلا ہیں۔

اب مناسب وقت آگیا ہے کہ ان کے شرکیہ عقائد کی تردید کر دی جائے اور اللہ کی ذات سے اولاد کی نفی کر دی جائے اور یہ فیصلہ سنا دیا جائے کہ حقیقی عقائد وہی ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے ہیں۔

بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٩٠﴾ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ
وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ ۚ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ
بَعْضٍ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٩١﴾ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَىٰ عَمَّا
يُشْرِكُونَ ﴿٩٢﴾ ع ۵ ۱۵

۵ "جو امر حق ہے وہ ہم ان کے سامنے لے آئے ہیں' اور کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے' اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی خلق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔ پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔ کھلے اور چھپے کا جاننے والا' وہ بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ تجویز کر رہے ہیں۔

یہ فیصلہ مختلف اسالیب میں آتا ہے۔ ان کے ساتھ اس مباحثے کو ختم کر دیا جاتا ہے اور یہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔

بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (۲۳ : ۹۰) "جو امر حق ہے وہ ہم ان کے سامنے لے آئے ہیں اور کوئی شک نہیں ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں"۔ اس کے بعد ان کے جھوٹ کی تفصیل دی جاتی ہے۔

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ (۲۳ : ۹۰) "اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں"۔ اور اس کے بعد پھر ان کے دعوے کے رد میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ان

Marfat.com

کے عقیدۂ شرک میں کس قدر کمزوری ہے۔

اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ (۲۳: ۹۰) "تو ہر خدا اپنی خلق کو لے کر الگ ہو جاتا"۔ وہ اپنی مخلوقات میں ایک مستقل خدا ہوتا اور وہ اپنی مخلوقات میں اپنے مخصوص قانون قدرت کے مطابق تصرفات کرتا۔ اس طرح مختلف کائناتوں میں مختلف قوانین قدرت نظر آتے اور وہ دوسرے خدا کے قوانین اور نوامیس سے علیحدہ نظر آتے۔ پھر تضاد کی صورت میں

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۲۳: ۹۰) "پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے"۔ تضاد کی صورت میں بعض خدا بعض پر غالب ہوتے۔ یوں آخر کار ایک ہی خدا متصرف اور مقتدر اعلیٰ رہتا اور دنیا میں آخر کار ایک ہی نظام چلتا کیونکہ ایک ملک میں دو مقتدر اعلیٰ تو ہو نہیں سکتے۔

چونکہ کائنات میں اس قسم کا تضاد نہیں ہے' اس کی وحدت ساخت' اور اس کی حرکت کی یگانگت اور اس کے ناموس اور قانون قدرت کی وحدت اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مقتدر اعلیٰ ایک ہے کیونکہ اس کائنات کے اندر اور اس کے اجزاء کے اندر کوئی تصادم نظر نہیں آتا۔ یہ کامل ہم آہنگی کے ساتھ چل رہی ہے اس لیے اس کا رب اور متصرف بھی ایک ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (۲۳: ۹۰) "وہ بالاتر ہے ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں"۔ وہ عالم الغیب ہے اور عالم شہادت ہے۔ اس کے سوا کسی اور کی کوئی مخلوق نہیں ہے اس لیے اللہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ لوگ تجویز کرتے ہیں۔

اب یہاں سے روئے سخن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھر جاتا ہے۔ حکم دیا جاتا ہے کہ اے محمدؐ اس بات سے اللہ کی پناہ طلب کریں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ آپؐ شامل ہو جائیں اگرچہ اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ان لوگوں کو جو سزا ملنے والی ہے وہ اللہ آپ کو دکھائے گا۔ بہرحال آپ شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگیں اور یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں ان پر صبر کریں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

"اے نبیؐ دعا کرو کہ "پروردگار' جس عذاب کی ان کو دھمکی دی جا رہی ہے وہ اگر میری موجودگی میں تو لائے' تو

Marfat.com

لے میرے رب ' مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجیو" ۔اور حقیقت یہ ہے کہ ہم تمہاری آنکھوں کے سامنے ہی وہ چیز لے آنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں جس کی دھمکی ہم انہیں دے رہے ہیں ۔اے نبیؐ برائی کو اس طریقہ سے دفع کرو جو بہترین ہو ۔جو کچھ باتیں وہ تم پر بناتے ہیں وہ ہمیں خوب معلوم ہیں ۔اور دعا کرو کہ "پروردگار' میں شیاطین کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں 'بلکہ اے میرے رب 'میں تو اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں" ۔

جب ان لوگوں کو وہ عذاب دیا جائے گا جس کی دھمکی ان کو دی جا رہی ہے تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے نجات پائیں گے لیکن پھر بھی حکم دیا جاتا ہے کہ اپنے آپ کو مزید محفوظ کرنے کے لیے دعا کرتے رہیں اور بعد کے آنے والے اہل ایمان کو بھی یہ ایک قسم کی تعلیم ہے کہ وہ اللہ کے عذاب اور شیطان کی چالوں سے مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائیں ۔ ہر وقت بیدار رہیں اور اللہ سے پناہ مانگتے رہیں ۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ حیات محمدؐ کے دوران ہی ان پر عذاب لے آئے ۔

وَ اِنَّا عَلٰٓي اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ (۲۳: ۹۵) "اور یہ کہ ہم تمہاری آنکھوں کے سامنے وہ چیز لانے کی قدرت رکھتے ہیں جس کی دھمکی انہیں دے رہے ہیں" ۔اور غزوۂ بدر میں اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ایک جھلکی دکھا بھی دی ۔اس کے بعد فتح مکہ میں بھی ایک رنگ دکھایا گیا ۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ (۲۳: ۹۶) "اے نبیؐ' برائی کو اس طریقے سے دفع کرو جو بہترین ہو' جو کچھ باتیں وہ تم پر بناتے ہیں وہ ہمیں خوب معلوم ہیں" ۔اس سورہ کے نزول کے وقت مکہ مکرمہ میں دعوت اسلامی کے لیے یہ منہاج اختیار کیا گیا تھا کہ برائی کا دفعیہ بھلائی کے ساتھ کیا جائے ۔ اللہ کا حکم آنے تک صبر کیا جائے اور تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیئے جائیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ دعا کہ اے رب میں تجھ سے شیطان کی اکساہٹوں سے پناہ مانگتا ہوں' جب کہ آپ خدا کی طرف سے حفاظت میں تھے اور معصوم تھے 'یہ بات زیادہ احتیاط اور زیادہ تقویٰ کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ التجاء اور امت کو تعلیم دینے کی خاطر ہے کیونکہ حضور ہی اپنی امت کے لیے اسوہ ہیں ۔یہ دراصل امت کو تعلیم ہے کہ شیطان کی اکساہٹوں اور وسوسوں سے اللہ کی پناہ ہر وقت مانگتے رہو ۔بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ آپؐ شیطان کے قرب سے بھی پناہ طلب کریں ۔چنانچہ کہا جاتا ہے ۔

وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (۲۳: ۹۸) "بلکہ میں تو اے رب 'اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے قریب آئیں" ۔یہ بھی احتمال ہے کہ وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے پناہ مانگتے ہوں کہ شیطان اس وقت آموجود ہو ۔اس آیت کے بعد اگلی آیت جو اگلے سبق میں ہے اس طرف اشارہ بھی کرتی ہے ۔

حَتّٰٓي اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ (۲۳: ۹۹) "یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ جائے" ۔یہ قرآن کا انداز کلام ہے کہ ایک مفہوم سے دوسرا مفہوم بڑی ہم آہنگی سے اگلتا چلا جاتا ہے ۔

Marfat.com

درس نمبر ۱۵۱ تشریح آیات

۹۹--- تا--- ۱۱۸

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

"(یہ لوگ اپنی کرنی سے باز نہ آئیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ جائے گی تو کہنا شروع کرے گا کہ "اے میرے رب' مجھے اسی دنیا میں واپس بھیج دیجئے جسے میں چھوڑ آیا ہوں؟ امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا۔ ہرگز نہیں' یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے۔ اب ان سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے دوسری زندگی کے دن تک"۔

اس آخری سبق میں بھی مشرکین کے برے انجام کی بات آگے بڑھ رہی ہے۔ اب یہ لوگ قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر میں ہیں۔ اس میں آغاز دنیا میں روح قبض کرنے کے وقت سے ہوتا ہے اور نفخ صور پر ختم ہوتا ہے۔ آخر میں سورہ کے اختتام پر اصل مضمون کی طرف آتے ہوئے اس بات سے ڈرایا جاتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو کیونکہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ سورہ کا خاتمہ اس ہدایت پر ہوتا ہے کہ خود حضورؐ اللہ کی مغفرت طلب فرمائیں۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنَ (۲۳: ۹۹) لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ (۲۳: ۱۰۰) "(یہ لوگ اپنی کرنی سے باز نہ آئیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ جائے گی تو کہنا شروع کرے گا کہ "اے میرے رب' مجھے اسی دنیا میں واپس بھیج دیجئے جسے میں چھوڑ آیا ہوں؟ امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا"۔

یہ منظر حالت نزع کا ہے۔ جب موت آتی ہے تو ہر شخص توبہ کرتا ہے۔ رجوع الی اللہ کرتا ہے' یہ درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ ایک موقعہ اور دیجئے۔ ایک بار اور زندگی دیجئے تاکہ ہم ان کوتاہیوں کی تصحیح کر لیں اور جو مال و عیال اور

Marfat.com

Marfat.com

مال و دولت ہم نے چھوڑے ہیں ان میں تیری مرضی کا تصرف کریں۔ یہ ایک منظر ہے جسے سب دیکھ رہے ہیں اور مرنے والا یہ درخواست کر رہا ہے اور جواب بھی اعلانیہ آجاتا ہے۔

كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا (۲۳: ۱۰۰) "ہرگز نہیں' یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے"۔ یہ ایک بات ہے جو وہ کر رہا ہے۔ اس کا کوئی مصداق وجود میں آنے والا نہیں ہے۔ یہ لفظ اور اس کا قائل قابل توجہ نہیں ہیں۔ یہ تو حالت خوف کی ایک چیخ ہے جو منہ سے نکل رہی ہے۔ یہ کسی اخلاص پر مبنی نہیں ہے۔ نہ حقیقی توبہ ہے۔ مشکلات میں ہر کوئی یہ بات کرتا ہے۔ دل میں ایسی کوئی بات نہیں ہوتی نہ ارادہ ہوتا ہے۔

اب حالت نزع کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ بات کہنے والے اور دنیا کے درمیان پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ معاملہ ختم ہو گیا۔ تعلقات ختم ہو گئے۔ دروازے بند ہو گئے اور پردے گر گئے۔

وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (۲۳: ۱۰۰) "اب ان سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے دوسری زندگی کے دن تک"۔ برزخ یعنی پردہ حائل ہے۔ نہ وہ اہل دنیا سے ہوتے ہیں اور نہ اہل آخرت سے ہوتے ہیں۔ یہ اس برزخ کے عالم میں ہیں اور قیام قیامت تک یہ لوگ یہاں رہیں گے۔ اب سیاق کلام قیامت میں داخل ہو جاتا ہے جب کہ صور پھونکا جاتا ہے۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱۰۱﴾

"پھر جونہی کہ صور پھونک دیا گیا' ان کے درمیان پھر کوئی رشتہ نہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے"۔ تمام رابطے کٹ جائیں گے۔ وہ اقدار ختم ہو جائیں گی جن کے مطابق وہ دنیا میں زندگی بسر کرتے تھے۔

فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ (۲۳: ۱۰۱) "اس دن ان کے درمیان کوئی رشتہ نہ رہے گا"۔ اس قدر خوف چھا جائے گا کہ سب خاموش ہوں گے۔ چپ کھڑے ہوں گے' کوئی بات ہی نہ کرے گا۔ اب یہاں نہایت سرعت اور اختصار کے ساتھ حساب و کتاب کا میزان پیش کیا جاتا ہے۔

فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿۱۰۴﴾

"اس وقت جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی لوگ ہوں

Marfat.com

گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال لیا۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ آگ ان کے چہروں کی کھال چاٹ جائے گی اور ان کے جبڑے باہر نکل آئیں گے"۔ یہ کہ تمام اعمال کو ترازو میں تولا جائے گا' یہ بھی قرآن مجید کا ایک مخصوص انداز کلام ہے کہ وہ کسی بھی مفہوم کو حسی انداز میں پیش کرتا ہے تاکہ نہایت ہی مجرد معانی کو ہر شخص سمجھ جائے۔

نیز ان اعمال کے ساتھ ذرا دیکھئے کہ ان کے چہروں پر سے آگ گوشت کو چاٹ جائے گی اور وہ اس طرح نظر آرہے ہونگے جس طرح کسی مردے کے منہ کی ہڈیاں نظر آتی ہیں' دانت نکلے ہوئے۔

یہ لوگ ہیں جن کا میزان اعمال ہلکا ہو گیا ہے۔ یہ ہار گئے ہیں سب کچھ' اپنے نفسوں کو بھی ہار گئے ہیں۔ جب کوئی شخص اپنی جان ہی ہار جائے تو پھر وہ کس چیز کا مالک رہ جاتا ہے۔ اس کی ملکیت میں کیا چیز رہ جاتی ہے۔ وہ اپنے نفس کو ہار گیا۔ اس کی ذلت چلی گئی ہے۔ گویا اس کا وجود ہی باقی نہیں رہا۔

اب حکایتی انداز کلام اچانک بدل جاتا ہے اور خطاب شروع ہو جاتا ہے۔ ان کی سرزنش کی جاتی ہے۔ جسمانی عذاب اس قدر دردناک نہیں جس قدر یہ سرزنش اذیت ناک ہے۔ اب گویا ہم پھر ایک منظر میں دیکھ رہے ہیں کہ ان کی سرزنش کی جارہی ہے اور ان کو ملامت کی جارہی ہے۔

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

"کیا تم وہی لوگ نہیں ہو کہ میری آیات تمہیں سنائی جاتی تھیں تو تم انہیں جھٹلاتے تھے"۔ جب انہوں نے یہ سوال سنا تو ان کو یہ خیال آیا کہ شاید ان کو بات کرنے کی اجازت ہے اور وہ جواب دے سکتے ہیں اور شاید اپنے گناہوں کا اعتراف انہیں کوئی فائدہ دے دے۔

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

"وہ کہیں گے" "اے ہمارے رب' ہماری بدبختی ہم پر چھا گئی تھی۔ ہم واقعی گمراہ لوگ تھے۔ اے پروردگار' اب ہمیں یہاں سے نکال دے۔ پھر ہم ایسا قصور کریں تو ظالم ہوں گے؟" یہ نہایت ہی تلخ اعتراف ہے اور ان کی بدبختی اس میں عیاں نظر آتی ہے۔ انہوں نے حدود سے تجاوز کیا اور سوئے ادب کا ارتکاب کیا کیونکہ ان کو صرف سوال کا جواب دینے کی اجازت تھی۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سوال ہی محض ذلیل کرنے کے لیے ہو۔ جواب مطلوب ہی نہ ہو۔ اس لیے ان کی اس درخواست کا جواب سختی سے دیا جاتا ہے کیونکہ درخواست ان سے طلب ہی نہ کی گئی تھی۔

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

Marfat.com

"اللہ تعالیٰ جواب دے گا" دور ہو میرے سامنے سے' پڑے رہو اسی میں اور مجھ سے بات نہ کرو"۔ خاموش ہو جاؤ' ایک ذلیل شخص کی طرح خاموشی اختیار کرو۔ جس عذاب میں تم لوگ پڑے ہوئے' تم اس کے پوری طرح مستحق ہو۔ یہی توہین آمیز پوزیشن تمہارے لیے بہتر ہے۔

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾

"تم وہی لوگ تو ہو کہ میرے کچھ بندے جب کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار' ہم ایمان لائے' ہمیں معاف کر دے' ہم پر رحم کر' تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے' تو تم نے ان کا مذاق بنا لیا۔ یہاں تک کہ ان کی ضد نے تمہیں یہ بھی بھلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں' اور تم ان پر ہنستے رہے"۔ تمہارا جرم صرف یہی نہیں ہے کہ تم نے کفر کیا اور خود اپنی ذات کو کفر میں رکھا۔ اگرچہ یہ بھی جرم عظیم تھا مگر تم نے اس سے بھی عظیم تر جرم کیا ہے۔ وہ یہ کہ تم نے ایمان لانے والوں کے ساتھ مزاح کیا۔ جو ایمان لائے تھے اور رحمت رب کے طلبگار تھے تم ان کا مذاق اڑاتے تھے اور اس طرح اپنے آپ کو ذکر الٰہی اور نصیحت آموزی سے محروم کرتے تھے حالانکہ اس کائنات میں دلائل ایمان موجود تھے۔ آج دیکھو' تمہارا مقام کیا ہے اور ان لوگوں کا مقام و مرتبہ کیا ہے جن سے تم مذاق کرتے تھے۔

إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾

"آج ان کے اس صبر کا میں نے یہ پھل دیا ہے کہ وہی کامیاب ہیں"۔ اس سخت اور توہین آمیز جواب کے بعد ایک نئے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جبکہ اس سوال و جواب میں ان کے ساتھ نہایت ہی توہین آمیز سلوک کیا گیا اور ان کو لاجواب کر دیا گیا ہے۔ اب نیا سوال یہ آتا ہے۔

قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾

"پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا' بتاؤ زمین میں تم کتنے سال رہے"۔ اللہ کو تو خوب معلوم ہے کہ انہوں نے کتنا عرصہ دنیا میں گزارا ہے لیکن مقصد یہ بتانا ہے کہ دنیا کی یہ زندگی کس قدر مختصر ہے' کس قدر حقیر ہے اور دنیا کے دن کس قدر چھوٹے ہیں۔ انہوں نے دنیا کی اس مختصر زندگی کے لیے آخرت کی دائمی زندگی کو خراب کیا۔ وہ تو آج محسوس کرتے ہیں کہ یہ دنیا کس قدر مختصر ہے۔ کس قدر معتبر ہے لیکن وہ مایوس ہیں اور ان کے سینے تنگ ہیں۔ اب ان کو کیا پڑی ہے

Marfat.com
Marfat.com

کہ حساب کریں۔

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾

"وہ کہیں گے "ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ ہم ٹھہرے' شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے"۔ یہ اس شخص کا جواب ہے جو حد درجہ پریشان' مایوس اور تنگ دل ہو۔

لیکن جواب نہایت ہی حقیقت پسندانہ ہے یہ کہ تم نے بہت ہی کم وقت گزارا ہے بہ نسبت اس کے جواب تم جہنم میں گزارو گے۔ اے کاش کہ دنیا میں تم صحیح اندازہ کر سکتے۔

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

"ارشاد ہو گا تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہوتا' کاش تم نے یہ اس وقت جانا ہوتا"۔ اب دوبارہ ان کی سرزنش کی جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ بعث بعد الموت کی حکمت کیا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے؟" معلوم ہونا چاہئے۔ حکمت تخلیق کا لازمی تقاضا ہے کہ بعث بعد الموت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا قیام مقدر کر دیا ہے۔ اس کے مقاصد تدبیر کائنات کا حصہ ہیں۔ قیامت تخلیق کا منطقی نتیجہ ہے۔ بعث کے ساتھ تخلیق کائنات اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اور مقصد تخلیق پورا ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت سے وہی لوگ غفلت کر سکتے ہیں جن کے دلوں پر پردے آ گئے ہوں اور جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہو' جو حکمت الہیہ پر کبھی غور و فکر کرنے کی تکلیف ہی نہیں کرتے حالانکہ یہ حکمت اس کائنات کے اندر بکھری پڑی ہے۔

سورہ کا خاتمہ عقیدہ توحید کے اعلان پر ہوتا ہے اور اعلان کر دیا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے شرک کیا وہ عظیم خسارے میں پڑ گئے جبکہ اہل توحید فلاح پائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ آپ اللہ سے مغفرت طلب کریں اور اللہ کی رحمت کے طلبگار ہوں۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ

Marfat.com
Marfat.com

ع ۲۶ ۶ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

۶ ”پس بالا و برتر ہے اللہ ‘ بادشاہ حقیقی ‘ کوئی خدا اس کے سوا نہیں ‘ مالک ہے عرش بزرگ کا۔ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے ‘ جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ‘ تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ اے نبیؐ کہو ‘ میرے رب درگزر فرما اور رحم کر ‘ تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے“۔ اس سے پہلے قیامت کا منظر گزر چکا ہے۔ اس پر یہ تبصرہ ہوتا ہے ‘ نیز اس سے قبل کے مناظر میں بحث و مباحثہ اور دلائل و بینات کا مفصل ذکر ہو چکا تھا۔ یہ تبصرہ اس پوری سورہ کا منطقی نتیجہ ہے کہ اللہ شرک سے پاک ہے۔ وہ مالک حق ہے اور وہی مقتدر اعلیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ بادشاہت اس کی ہے اور وہی بلندی کا مستحق ہے۔ وہ رب عرش عظیم ہے۔

اب جو لوگ اللہ کے سوا کسی اور شخصیت کی الوہیت اور حاکمیت کو مانتے ہیں ان کے پاس اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ نہ اس کائنات میں اس کا کوئی ثبوت ہے ‘ نہ انسانی فطرت اس کو مانتی ہے اور نہ انسانی عقل اس پر آمادہ ہوتی ہے۔ جو لوگ ایسا دعویٰ کریں گے ان کو اپنے رب کے سامنے حساب دینا ہو گا اور حساب کا نتیجہ یہی ہے کہ کافر کبھی فلاح نہیں پاتے۔ یہ اللہ کی سنت ہے اور یہ اٹل ہے۔ اس کے بالمقابل لائل ایمان فلاح پائیں گے اور یہ تقاضائے فطرت و تقاضائے ناموس کائنات ہے۔

اب کافروں کے پاس جو انعامات ہیں ‘ دنیا کا ساز و سامان ہے اور دنیا کا اقتدار ہے جو بعض اوقات قائم ہوتا رہتا ہے تو یہ ان کی کامیابی نہیں ہے۔ یہ ان کے لیے فتنہ اور آزمائش ہے۔ اگر ان میں سے بعض اس دنیا میں بلا حساب چلے جائیں تو آخرت میں حساب ان کے لیے تیار ہے ‘ وہاں ان کو پورا پورا حساب دینا ہو گا۔ آخرت کا حساب اس تخلیق کا آخری منظر ہو گا۔ اللہ کی تخلیق کے نظام میں آخرت اس دنیا سے علیحدہ اور دور نہیں ہے۔ یہ اس دنیا کا آخری صفحہ ہے اور اس کا حصہ ہے۔

---ooo---

سورہ مومنون کی آخری آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ آپؐ اللہ کی مغفرت اور اللہ کی رحمت کی طلب کرتے رہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (۲۳:۱۱۸) ”اور اے نبیؐ کہو ‘ میرے رب درگزر فرما اور رحم کر ‘ تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے“۔ دیکھئے سورہ کا آغاز اور انجام ایک ہی مضمون پر ہوتا ہے۔ آغاز بھی اس مضمون سے ہے کہ مومنین کامیاب ہوئے اور کافرین خسارے میں پڑ گئے۔ آغاز میں بھی یہ مضمون تھا کہ نماز میں خشوع و خضوع اختیار کیا جائے اور یہاں بھی اللہ کے سامنے دعاء اور طلب رحمت ہے۔ یوں سورہ کا آغاز اور انجام یکساں ہو جاتے ہیں۔

---ooo---

Marfat.com

فی ظلال القرآن

پارہ ---- ۱۸

سورۃ النور - ۲۴

۱--- تا--- ۶۴

Marfat.com

Marfat.com

سورۃ النور ایک نظر میں

یہ سورہ نور ہے' اس میں لفظ نور آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۲۴: ۳۵) میں ذکر ہوا ہے۔ پھر اس سورہ میں جو مضامین ہیں وہ قلب و نظر اور ضمیر و اخلاق کے لیے نور ہیں اور ان کے نتیجے میں انسانوں میں نورانی آداب پیدا ہوتے ہیں۔ اس سورہ میں جو نفسیاتی اخلاق' عائلی ضوابط اور اجتماعی قوانین وضع کیے گئے ہیں وہ نور ہی نور ہیں اور یہ نور پھر ایک کائناتی نور سے مربوط ہے اور وہ نور روح کا نور ہے' دلوں کی روشنی ہے اور ضمیر کے لیے صیقل ہے۔ یہ سب کچھ اس عظیم نور کا پرتو ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۲۴: ۳۵) اس سورہ کا آغاز ایک زوردار اعلان شاہی سے ہوتا ہے کہ اس سورہ کو ہم نے فرض قرار دیا ہے۔ اس کے اندر جو فرائض و حدود ہیں اور جو آداب و اخلاق ہیں اور جو احکام و قوانین ہیں وہ قدرتی ہیں۔

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَ فَرَضْنٰھَا وَ اَنْزَلْنَا فِیْھَآ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (۲۴: ۱) "یہ ایک سورہ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اسے ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں ہم نے صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں' شاید کہ تم سبق لو"۔ اس آغاز سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم انسانی زندگی میں اخلاق و آداب کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ نیز اسلامی نظریہ حیات میں اور اسلامی کلچر میں اعلیٰ اخلاق اور اچھے اور صاف طرز عمل کو کس قدر بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔

اس سورہ کا محور مومنین کی اخلاقی تربیت ہے اور ان اخلاقی احکام کو تعزیری قوانین جیسی اہمیت دی گئی ہے۔ پھر یہ اخلاقی تعلیمات محض اخلاق اور قانون سے بلند ہو جاتی ہیں اور روحانی انداز اختیار کر کے اعلیٰ وجدانی طرز عمل اختیار کر لیتی ہیں کہ انسانی زندگی اور یہ پوری کائنات اللہ کے نور سے جا ملتی ہے۔ ان تعلیمات میں شدت بھی ہے اور نرمی بھی ہے۔ مگر شدت اور نرمی دونوں سے نفس انسانی اور شعور انسانی کی تربیت مقصود ہے۔ اخلاقی معیاروں کو اس قدر بلند کرنا مطلوب ہے کہ وہ شفاف بن کر اللہ کے نور کا حصہ بن جائیں۔ انسان کے انفرادی اعمال اور افکار' گھرانوں کے اخلاق و آداب اور معاشرے' سوسائٹی اور قیادت کے اخلاق و آداب سب کے سب ایک ہی سرچشمے یعنی نور ربی سے ماخوذ ہیں جو نور سماوات والارض ہے۔ اور جس کی وجہ سے یہ پوری کائنات روشن ہے۔ آسمان روشن' زمین روشن' انسانی نفس' انسانی روح اور اخلاق روشن۔

اپنے محور اور موضوع کے گرد اس سورہ کے پانچ اور اسباق ہیں:

پہلے دور میں ایک ایسا دو ٹوک اعلان ہے جس سے سورہ کا آغاز ہوتا ہے' مثلاً حد زنا کے قانون کا اعلان ہے اور یہ

Marfat.com

Marfat.com

بتایا گیا ہے کہ چغلی نہایت ہی مکروہ فعل ہے۔ زانی اسلامی معاشرے کا حصہ نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد حد قذف اور اس کے لیے سخت قانون سازی کا بیان ہے۔ اور زوجین کو حد قذف سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ البتہ ان کے لیے لعان کا قانون پاس کر کے ان کے درمیان جدائی کی گئی ہے۔ اس کے بعد افک کی کہانی آتی ہے اور یہ سبق ختم ہوتا ہے۔ پھر بتایا گیا ہے کہ خبیث لوگوں کے ساتھ خبیث ملتے ہیں اور نیک اور پاک لوگوں کے ساتھ نیک اور پاک لوگ ملتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو باہم رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہئے۔

دوسرے سبق میں ان انسدادی ذرائع کا ذکر ہے جو اس جرم سے بچاتے ہیں اور ان تدابیر کا ذکر ہے جن کے ذریعہ اسلام انسان کو ان برائیوں میں پڑنے سے بچاتا ہے۔ مثلاً دوسروں کے گھروں میں بغیر اذن و اجازت داخل نہ ہونا۔ مثلاً غض بصر کے احکام' غیر محارم کے سامنے زیب و زینت کا اظہار نہ کرنا' نوجوان عورتوں کا جلدی سے نکاح کر دینا' عورتوں اور لونڈیوں کو حرام کاری سے منع کرنا۔ غرض وہ تمام ذرائع اختیار کرنا جن سے قلب و نظر اور ضمیر و شعور میں پاکیزگی پیدا ہو اور ان چیزوں سے بچنا جن کی وجہ سے حیوانی خواہشات ان میں پیدا ہوتی ہیں اور جن کا کسی پاکیزہ شخص کے طرز عمل پر اثر ہوتا ہے۔ جبکہ وہ ہر قسم کے دامن گیر موثرات سے دامن بچائے پھرتے ہیں۔

تیسرا دور اللہ کے نور سے متعلق ہے جو ان آداب کے درمیان میں آتا ہے جو اس سورہ کا خاص موضوع ہیں۔ اس طرح ان آداب کو اللہ کے نور سے مربوط کر دیا جاتا ہے۔ اللہ کے پاک گھروں میں ذکر کرنے والے پاک لوگوں کا ذکر اس سبق میں ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ذکر الٰہی کرنے والے یہ لوگ اس نور الٰہی سے ہدایت یافتہ ہیں جبکہ اہل کفر کی مثال یوں ہے کہ وہ سراب کو حقیقت سمجھتے ہیں یا وہ ظلمتوں کے تہ بہ تہ اندھیروں میں ہیں۔ اللہ کے اس نور سے آفاق کائنات بھرے ہوئے ہیں اور تمام مخلوق اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس فضائے کائنات میں اللہ بادلوں کو چلاتا ہے۔ رات اور دن کی گردش کا ذکر' پانی سے تمام قسم کے جانوروں کی تخلیق کا ذکر جن کی شکلیں اور کام مختلف ہیں۔ یہ سب چشم بینا کے لیے بصیرت افروز امور ہیں۔

پانچویں سبق میں یہ بتایا گیا کہ منافقین کے دلوں میں رسول اللہ کا احترام نہیں ہے۔ وہ رسول کی اطاعت نہیں کرتے' اپنے فیصلے رسول کے بجائے اللہ سے نہیں کراتے جبکہ اہل ایمان مطیع فرمان ہیں اور اسی راہ پر چل کر وہ اس کرۂ ارض پر بطور مقتدر اعلیٰ فائز ہوں گے اور دین کو غلبہ اور کافروں کے مقابلے میں ان کو نصرت حاصل ہوگی۔

پانچویں سبق میں کسی دوسرے شخص کے گھر میں داخل ہونے کے آداب' اقارب کے درمیان ضیافت کے آداب اور پھر یہ کہ اہل ایمان ایک ہی خاندان ہیں اور ان کے سربراہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اہل ایمان کی سوسائٹی ایک ہی فیملی ہے۔

خاتمہ کلام اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں کے مقتدر اعلیٰ ہیں۔ وہ لوگوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ خفیہ حالات ہوں یا ظاہری' ایک دن آنے والا ہے کہ لوگ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ وہ ان سے حساب و کتاب لے گا اور اللہ علیم و خبیر ہے۔

---ooo---

Marfat.com

درس نمبر ۵۲ تشریح آیات

۱--- تا --- ۲۶

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝١

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

"یہ ایک سورہ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے' اور اسے ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں ہم نے صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں شاید کہ تم سبق لو"۔

یہ پورے قرآن مجید میں اپنی نوعیت کا واحد مطلع کلام ہے۔اس میں جو نیا لفظ ہے وہ فَرَضْنٰهَا کا ہے' جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سورہ میں جو کچھ ہے اس کا اخذ کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔یعنی اس کے اندر مذکور آداب پر عمل کرنا بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح حدود پر عمل کرنا لازمی ہے۔یہ اخلاق و عادات نہایت ہی فطری ہیں۔ان آداب اور اخلاق کو لوگ بعض ایسے عارضی حالات کی وجہ سے بھول جاتے ہیں جو انسان کو دھوکہ دے کر بدراہ کر دیتے ہیں' یہ آیات ایسے لوگوں کو یاد دہانی کرا کے راہ راست دکھاتی ہیں اور پھر ان کو راہ فطرت پر واپس لاتی ہیں جو بالکل واضح ہے۔

--- ○○○ ---

اس دو ٹوک تمہید کے بعد قانون حد زنا کا بیان شروع ہوتا ہے۔اس فعل کو نہایت ہی قبیح گردانتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ زانی اور اسلامی سوسائٹی کے درمیاں کوئی رابطہ نہیں رہتا۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۚ

Marfat.com

وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

"زانیہ عورت اور زانی مرد' دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔ زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک اور یہ حرام کر دیا گیا ہے اہل ایمان پر"۔

اسلام کے ابتدائی ایام میں حد زنا وہ تھی جو جس کا تذکرہ سورہ نساء کی آیت میں ہوا۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (۴:۱۵)

"اور وہ تمہاری عورتیں جنہوں نے فحاشی کا ارتکاب کر لیا تو ان پر چار گواہ گزارو' اگر چار گواہ شہادت دے دیں تو انہیں گھروں میں روک رکھو' یہاں تک کہ انہیں موت آ لے یا ان کے لیے اللہ کوئی راستہ نکال دے"۔ عورت کے لیے سزا یہ تھی کہ اسے گھر میں بند کر دیا جائے اور ملامت کر کے اذیت دی جائے۔ اور مرد کو بھی لعنت و ملامت کی جاتی تھی۔

اس کے بعد پھر سورہ نور میں حکم آ گیا اور یہ تھا وہ راستہ جو زنا کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے نکال دیا گیا جس کے بارے میں اللہ نے سورہ نساء میں اشارہ فرمایا تھا۔

کوڑوں کی یہ سزا ان مردوں اور عورتوں کے لیے ہے جو شادی شدہ نہ ہوں یعنی شادی کے ذریعے ارتکاب جرم سے محفوظ نہ کر دیئے گئے ہوں۔ اور یہ سزا تب نافذ ہو گی جب مجرم مسلم' بالغ اور آزاد ہو۔ رہا وہ شخص جو محصن ہے یعنی جس نے شادی کر لی ہے اور شادی کے نتیجے میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت کر چکا ہو۔ مسلم ہو بالغ ہو اور آزاد اور نکاح بھی شرعاً نکاح صحیح ہو تو اس کی حد' حد رجم ہے۔

حد رجم سنت سے ثابت ہے جبکہ کوڑوں کی حد قرآن کریم سے ثابت ہے۔ قرآن کی یہ آیت عام تھی اور مجمل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محصن زانیوں کو رجم کی سزا دیتے تھے اس لیے ثابت ہو گیا کہ کوڑوں کی سزا غیر محصنین کے لیے ہے۔

یہاں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا محصن کو رجم سے قبل کوڑوں کی سزا بھی دی جائے گی یا نہیں۔ جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ دونوں سزاؤں کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ جب غیر محصن زانی کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی تو پھر اسے بموجب حدیث جلاوطن بھی کیا جائے گا یا نہیں۔ اسی طرح غلام زانی کی حد میں بھی اختلاف ہے۔ یہ اختلافات بہت طویل مباحث چاہتے ہیں۔ مناسب ہے کہ قارئین ان کے بارے میں معلومات کتب فقہ سے حاصل کریں۔ ہم یہاں صرف اس قانون کی تہ میں موجود فلسفہ اور حکمت سے بات کریں گے۔ آپ نے پڑھا کہ کنواروں کی سزا کوڑوں تک محدود ہے اور شادی شدہ محصنین کی سزا رجم ہے۔ یہ اس لیے کہ جس شخص نے مسلم، بالغ اور حر ہوتے ہوئے نکاح صحیح میں عورت کے ساتھ مجامعت کر لی اس کو تو صحیح پاک اور شریفانہ طریقہ معلوم اور میسر ہو گیا ہے۔

Marfat.com

ایسا شخص اگر جنسی بے راہ روی اختیار کرتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر فطری بگاڑ پیدا ہو گیا ہے - یہ شخص راہ فطرت اور راہ اسلام سے منحرف ہے لہذا اسے سخت سے سخت سزا ملنی چاہئے - رہا غیر شادی شدہ غیر محصن تو ان سے غلطی کے وقوع کا امکان زیادہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ جذبات کی شدت سے مغلوب ہو سکتا ہے جبکہ اس پر ابھی نادانی کا دور ہے - پھر یہاں نفس جرم میں بھی فرق ہے محصن چونکہ اس کام میں سابق تجربہ رکھتا ہے اس لیے وہ اس فعل سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے بہ نسبت کنوارے کنواروں کے جو زیادہ تجربہ کار نہیں ہوتے -

قرآن کریم یہاں صرف غیر محصن یعنی کنواروں کی سزا کا ذکر کرتا ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تصریح کر دی ہے اور یہاں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اس معاملے میں کسی کے ساتھ کوئی نرمی نہ کی جائے -

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۴ : ۲) "زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو - اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے" -

حکم یہ ہے کہ اسلامی حدود کا نفاذ سختی سے کیا جائے اور اس معاملے میں کسی قسم کی رعایت یا نرمی اور رحمدلی کا مظاہرہ نہ کیا جائے - کیونکہ یہ معاملہ اللہ کے دین کے ساتھ متعلق ہے - اور دین کے معاملے میں نرمی ناقابل برداشت ہے - نیز نفاذ سزا کے وقت مومنین کی ایک تعداد کو حاضر ہونا چاہئے تاکہ سزا کا اثر مجرم پر زیادہ ہو - روحانی لحاظ سے بھی امت پہنچے اور دیکھنے والوں کے لیے بھی عبرت انگیز ہو -

اس کے بعد اس فعل کی کراہت اور ناپسندیدگی کو ظاہر کرنے کے لیے اس فعل کے مرتکبین کو اسلامی معاشرت سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے یعنی یہ فعل اس قدر قبیح ہے کہ کوئی شخص ایسے مجرموں کے ساتھ نکاح نہ کرے -

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۴ : ۳) "زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک - اور یہ حرام کر دیا گیا ہے اہل ایمان پر" - تو معلوم ہوا کہ اس فعل بد کا ارتکاب جب کوئی کرتا ہے تو وہ اس وقت نہیں کرتا جب وہ مومن ہو - اس جرم کا ارتکاب کرنے والے ایسی نفسیاتی حالت میں ہوتے ہیں کہ اس وقت ان کے شعور اور دل سے ایمان دور ہو جاتا ہے اور اس فعل کے ارتکاب کے بعد کسی نفس مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرے جو اس فعل قبیح کی وجہ سے دائرہ ایمان سے نکل گیا ہے - ایک مومن ایسے رابطے سے نفرت کرتا ہے اور اس کا ضمیر اس سے ابا کرتا ہے یہاں تک کہ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ زانی اور عفیفہ کے درمیان نکاح کو حرام سمجھتے ہیں - اسی طرح عفیف اور زانیہ کے درمیان بھی وہ نکاح کو حرام

کہتے ہیں - الا یہ کہ دونوں کے درمیان توبہ کے ذریعے صفائی ہو جائے اور یہ گندگی دور ہو جائے - بہرحال ایک پاکباز مومنہ ایک زانی سے نکاح کرنے سے ابا کرتی ہے اور اسی طرح ایک پاکباز مومن بھی ایک زانیہ سے نکاح کو قابل نفرت سمجھتا ہے - اس قسم کے نکاح کے لیے چونکہ حرام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس لیے شریعت اور دینی مزاج اس کو بہرحال مسترد سمجھتا ہے -

وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۴ : ۳) "اور اسے مومنین کے لیے حرام کر دیا گیا ہے" - یوں اسلامی سوسائٹی سے ناپاک اور گندے لوگوں کو علیحدہ کر دیا جاتا ہے -

اس آیت کی شان نزول میں روایت ہے کہ ایک شخص مرثد ابن ابو مرثد مکہ سے ضعیف اسیروں کو اٹھا کر مدینہ لانے کا کام کرتا تھا - "وہ لوگ جن کو اہل مکہ نے مدینہ ہجرت کر کے جانے سے روک دیا تھا" - مکہ میں ایک بدکار عورت تھی جس کا نام عناق تھا' جو مرثد کی دوست تھی - مرثد نے مکہ کے نظربندوں میں سے ایک شخص کے ساتھ وقت مقرر کر رکھا تھا کہ وہ اسے رات کو اٹھا کر لے جائے گا کہتے ہیں کہ چاندنی رات تھی اور میں مکہ کے ایک گھر کی دیوار کے سایہ میں تھا - عناق آئی اور اس نے دیوار کے ساتھ لگا ہوا سایہ دیکھ لیا - جب وہ میرے پاس آئی تو اس نے مجھے پہچان لیا اور بولی "مرثد ہو" - میں نے کہا "مرثد ہوں" - تو اس نے کہا مرحبا اہلا وسہلا - پھر اس نے کہا آؤ اور ہمارے ساتھ آج رات رہو - تو میں نے اس سے کہا عناق! اللہ نے تو زنا کو حرام قرار دے دیا ہے - اس نے علاقے میں شور کر دیا کہ دیکھو مرثد تمہارے نظربندوں کو لے جا رہا ہے - چنانچہ میں باغ میں داخل ہو گیا اور آٹھ افراد میرے پیچھے نکل پڑے - میں ایک غار یا کیف میں پہنچ گیا اور اندر داخل ہو گیا - وہ لوگ آئے اور انہوں نے میرے سر پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا - ان کا پیشاب میرے سر پر گر رہا تھا لیکن اللہ نے ان کو ایسا اندھا کر دیا تھا کہ انہوں نے مجھے نہ دیکھا - مرثد کہتے ہیں کہ یہ لوگ واپس ہو گئے اور میں نے بھی واپس آ کر اپنے آدمی کو لیا - یہ بہت عیار شخص تھا - "اذخر" تک میں پہنچا - میں نے اس شخص کی رسیاں کھولیں - میں اس کو اٹھاتا اور وہ بھی میری مدد کرتا - یہاں تک کہ ہم مدینہ پہنچ گئے - میں رسول اللہ کے پاس آیا اور میں نے آپ سے درخواست کی حضور میں عناق کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں - میں نے دو بار حضور سے یہ سوال کیا اور حضور نے مجھے کوئی جواب نہ دیا - اس پر یہ آیت نازل ہوئی -

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۴ : ۳) "زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک - اور یہ حرام کر دیا گیا ہے اہل ایمان پر" -

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے مرثد زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ اس کے ساتھ نکاح نہ کرو" - (ابوداؤد' نسائی' ترمذی) -

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زانیہ کے ساتھ مومن کا نکاح اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک توبہ نہ کرے - اس طرح کوئی مومنہ بھی زانی سے نکاح نہیں کر سکتی الا یہ کہ وہ توبہ کرے - یہ امام احمد کی رائے ہے - دوسرے

Marfat.com
Marfat.com

فقہاء نے دوسری آراء کو لیا ہے۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے تفصیلات کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ بہرحال زنا ایک ایسا فعل ہے کہ اس کا مرتکب اسلامی سوسائٹی میں رہنے کا اہل نہیں رہتا۔ اسلامی سوسائٹی سے اسے دور ہونا چاہئے اور دور کر دیا جانا چاہئے۔ یہ بھی ایسے مجرموں کے لیے ایک قسم کی سزا ہے جس طرح کوڑوں کی سزا ایک سزا ہے۔

اسلام نے اس مکروہ اور شنیع فعل پر اس قدر سخت اور دو ٹوک سزا تجویز کی ہے' یہ اس لیے نہیں ہے کہ اسلام انسان کے فطری تقاضوں کے خلاف کوئی جنگ لڑنا چاہتا ہے۔ اسلام تو اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ انسان کے لیے اس کے فطری میلانات اور فطری تقاضوں کو پورا کرنے کا انتظام ہونا چاہئے۔ اسلام اس امر میں انسانیت کی بھلائی نہیں دیکھتا کہ انسان کے فطری میلانات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ نہ اسلام انسان کے ان فطری دواعی کے خلاف ہے جو خالق کائنات نے انسان کی فطرت کے اندر ودیعت کر رکھے ہیں اور یہ اس کائنات کی عظیم زندگی کے قواعد کا ایک حصہ ہیں۔ انہی فطری میلانات کے نتیجے میں سلسلہ حیات کا تسلسل قائم ہے اور زمین کی تعمیر و ترقی کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔ جو فریضہ خلافت ارضی کا ایک حصہ ہے بلکہ اسلامی نظام حیات کی جنگ دراصل حیوانیت کے خلاف جنگ ہے۔ ایک حیوان کے نزدیک ایک جسم اور دوسرے جسم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ نہ حیوانات کی کوئی فیملی ہوتی ہے۔ نہ ان کے درمیان مشترکہ جائے رہائش ہوتی ہے اور نہ مشترکہ زندگی ہوتی ہے۔ بس چند لمحوں کا جسمانی ملاپ ہوتا ہے فقط۔ اسلام انسانی زندگی کو اس قدر عارضی میلانات پر استوار کرنا نہیں چاہتا بلکہ اسلام جنسی تعلق کو ترقی یافتہ انسانی شعور کی بنیاد پر استوار کرتا ہے کہ دو پاک اور نفیس جسم ایک دوسرے کے ساتھ ملیں۔ دو دل اور دو روحیں اکٹھی ہو جائیں۔ دو انسان مل جائیں۔ ان کے درمیان ایک مشترکہ زندگی کی تعمیر ہو۔ ان کے درمیان مشترکہ امیدیں ہوں' ان کا دکھ درد مشترک ہو۔ ان کا مستقبل مشترک ہو۔ اور دونوں کی آنے والی اولاد ہو۔ ان کی خوشیوں اور ان کی ذمہ داریوں میں وہ شریک ہوں اور یہ جدید آنے والی نسل ایک ہی مشترکہ جائے رہائش میں پروان چڑھے اور دونوں والدین اس نرسری کی حفاظت اور نشوونما کے لیے کھڑے ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے زنا کی سزا میں اس قدر شدت اختیار کی ہے کیونکہ جنسی تعلقات میں زنا حیوانیت کی سطح تک گرنے کے مترادف ہے۔ اس سے ان تمام اعلیٰ قدروں کی نفی ہو جاتی ہے جو اسلام کے پیش نظر ہیں اور وہ تمام معاشرتی مقاصد فوت ہو جاتے ہیں جن کو اسلام بروئے کار لانا چاہتا ہے۔ اس سے انسان محض حیوانیت کے مقام تک گر جاتا ہے۔ کیونکہ اگر عورت اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہ ہو اور مرد اور مرد کے درمیان فرق نہ کیا جائے تو یہ حیوانی سطح ہے۔ آزاد شہوت رانی کے نظام میں انسانیت اس قدر مسخ ہو جاتی ہے کہ لوگ گوشت اور خون کی ایک لحاتی بھوک پر سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ اور اس وقتی اور حیوانی جنسی ملاپ کے نتیجے میں' زندگی کی تعمیر کا جذبہ نہیں ہوتا' اس کرۂ ارض کی تعمیر کا کوئی منصوبہ نہیں ہوتا۔ نہ اس ملاپ سے اولاد کے حصول کا کوئی جذبہ ہوتا ہے بلکہ اس کی پشت پر کوئی حقیقی اور بلند جذبہ ہوتا ہی نہیں۔ کیونکہ محبت اور میلان کے اندر بھی ایک قسم کا دوام ہونا چاہئے جبکہ زنا کے پیچھے جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب کا سب وقتی ہوتا ہے۔ بعض معاشروں میں اگرچہ دوستی اور محبت کے طویل تعلقات ہوتے ہیں لیکن ان کی پشت پر اعلیٰ انسانی اقدار نہیں ہوتیں۔ ان کی پشت پر محض حیوانیت ہی ہوتی ہے۔

جہاں تک اسلام کا تعلق وہ نہ فطری میلانات اور خواہشات کو دباتا ہے اور نہ ان کو کوئی ناپاک چیز سمجھتا ہے۔ اسلام

ان کو منظم اور منضبط کر کے پاکیزگی عطا کرتا ہے اور حیوانی مقام سے بلند کر کے اسے ایک ادارہ اور محور بنا دیتا ہے جس کے اردگرد بے شمار نفسیاتی اور اجتماعی آداب جمع ہو جاتے ہیں۔ رہا زنا اور خصوصاً عصمت فروشی تو اس سے یہ فطری جذبات پاکیزگی اور روحانیت اور اعلیٰ خواہشات سے عاری ہو جاتے ہیں۔ نیز نسل انسانی کی تاریخ میں اس ادارے سے ہمیشہ جو آداب و اقدار وابستہ رہی ہیں' وہ اس ادارے سے چھن جاتی ہیں اور یہ محض حیوانی لذت تک گر جاتا ہے بلکہ حیوان سے بھی زیادہ غلیظ گندا اور گرا ہوا ہوتا ہے اس لیے کہ بے شمار حیوانات اور پرندے ایسے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں اور ان کی منظم ازدواجی زندگی ہوتی ہے۔ اور اس زندگی میں جنسی تعلق میں طوائف الملوکی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ دو انسان زناکاروں کے درمیان ہوتی ہے خصوصاً جسم فروش عورتوں کے معاملے میں تو فریقین حیوانوں سے بھی نیچے ہوتے ہیں۔

اسلام چونکہ انسانی معاشرے سے اس گراوٹ کو دور کرنا چاہتا ہے اس لیے اس نے زنا کی سزا میں اس قدر سختی برتی ہے۔ زنا کے جرم کے خلاف علماء نے بعض دوسرے اسباب بھی گنوائے ہیں اور ان میں سے ہر ایک سبب بھی ایک پورا جواز فراہم کرتا ہے کہ زنا کے جرم پر اس قسم کی سخت سزا دی جائے' مثلاً یہ کہ اس سے نسب میں اختلاط پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں کے درمیان بغض اور کینہ اور دشمنی پیدا ہوتی ہے اور یہ کہ مطمئن گھرانوں کے اطمینان کے اندر فرق پڑتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن میرے خیال میں اس سزا کا اصل اور جامع سبب یہی ہے کہ انسان کو حیوانی جنسی ملاپ کی گراوٹ سے بلند کیا جائے اور ان اقدار و آداب کو محفوظ کیا جائے جو جنسی ملاپ کے انسانی ادارے سے ہمیشہ وابستہ رہے ہیں۔ نیز یہ کہ اس ادارے کو دوام بخشا جائے اور زوجین اعلیٰ اقدار اور اعلیٰ مقاصد کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مشترکہ زندگی بسر کریں۔ یہ سب سے اہم اور جامع وجہ ہے جو جامع الوجوہ والاسباب ہے۔

پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ اسلام اس جرم کی سزا میں تشدد اس وقت کرتا جب اس جرم کے وقوع کے خلاف تمام احتیاطی اور امتناعی تدابیر اختیار کر لی جائیں۔ اسلام زندگی کا ایک مکمل نظام ہے اور جب قائم ہوتا ہے تو اس میں سوسائٹی ایسے خطوط پر منظم ہو چکی ہوتی ہے کہ پاکیزہ زندگی گزارنے کے مواقع عام ہوتے ہیں اور گندی اور غلیظ زندگی گزارنے کے مواقع محدود ہوتے ہیں۔ تب اسلام ان لوگوں پر یہ سزا نافذ کرتا ہے جو پاکیزہ طریقوں کو چھوڑ کر گندے طریقے اپناتے ہیں۔ اور اس صورت میں کئی ایسے نمونے اور مثالیں موجود ہیں جن سے ہماری اس بات کی تصدیق ہوگی۔

نیز اگر یہ جرم واقع بھی ہو جائے تو بھی اسلام نے اس کے ثبوت کے لیے اس قدر مشکل طریق کار رکھا ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں شبہ پیدا ہو ہی جاتا ہے اور اسلام کے قانون جرائم کے سلسلے میں یہ اہم اصول وضع کیا گیا ہے کہ شبہات کے ذریعہ الزام جرم ساقط کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں پر سے حدود کو ساقط کر دو جہاں تک تم سے ہو سکتا ہے۔ اگر ملزم کے چھوٹ جانے کی کوئی سبیل اور راستہ ہو تو اسے نکلنے دو کیونکہ قاضی اگر معاف کرنے میں غلطی کر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا دہی میں غلطی کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام چار گواہ طلب کرتا ہے جو عادل بھی ہوں اور جو یہ شہادت دیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے فعل ہوتے دیکھا ہے یا یہ کہ ملزم کی طرف سے ایسا اعتراف ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔

بعض اوقات یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ پھر اسلام نے چار آدمیوں کی شہادت کی جو شرط لگائی ہے تو یہ سزا پھر خیالی سزا ہو گی اور اس سزا کے نفاذ کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا اسلام اسلامی سوسائٹی سے جرم زنا کو

Marfat.com
Marfat.com

صرف سزا کے ذریعے نہیں مناتا بلکہ اسلامی نظام دوسرے امتناعی اسباب بھی اختیار کرتا ہے جن کی وجہ سے یہ جرم واقع ہی کم ہوتا ہے۔ اسلام انسان کی تہذیب و تربیت پر زور دیتا ہے۔ انسانوں کے ضمیر کو پاک کرتا ہے۔ اسلام لوگوں کے اندر یہ ڈر پیدا کرتا ہے کہ جو شخص اس جرم کا ارتکاب کرے اگر اس کا یہ جرم افشا ہو گیا تو وہ اس سوسائٹی کا ایک بدکردار شخص مشہور ہو گا' کوئی اسے اپنی بیٹی ۔۔۔ نہ دے گا یا کوئی اس کی بیٹی کو بیوی نہ بنائیگا۔ اسلامی سوسائٹی سے وہ کٹ جائے گا۔ اسلام سزا صرف ان لوگوں کو دیتا ہے جو اس جرم کا ارتکاب اس قدر دلیری سے کریں کہ انہیں چار افراد دیکھ لیں یا ایسے لوگوں پر یہ سزا نافذ کرتا ہے جو خدا سے ڈرنے والے ہوں اور جو اپنے آپ کو سزا کے ذریعے سے پاک کرنا چاہتے ہوں اور وہ اقرار جرم کر لیں جیسا کہ حضرت ماعز اور غامدیہ کے ساتھ ہوا۔ یہ دونوں خود حضورؐ کے پاس آئے اور کہا کہ حضورؐ ہمیں پاک کر دیں۔ انہوں نے اس بات پر اصرار کیا حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں چار مرتبہ اعراض فرمایا اور چار مرتبہ اقرار و اصرار کرنے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ اب حد قائم کر دی جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "آپس میں حدود کو معاف کر دیا کرو' اگر حدود کا کوئی معاملہ مجھ تک پہنچ گیا تو پھر اس کا نفاذ واجب ہو جائے گا" (ابو داؤد)۔

لیکن جب ارتکاب جرم کا یقین ہو گیا اور معاملہ حکام مجاز تک پہنچ گیا تو پھر اس میں کسی نرمی کی اجازت نہیں ہے۔ پھر حدود کا نفاذ واجب ہو جاتا ہے اور پھر یہ دین کا معاملہ بن جاتا ہے اور اس میں رحم کرنا جائز نہیں ہے۔ ثبوت جرم کے بعد رحمدلی کے معنی یہ ہیں کہ مجرم پر رحمدلی کی جائے اور سوسائٹی کے ساتھ سنگدلی کی جائے اور انسانی آداب اور انسانی ضمیر پر ظلم کیا جائے۔ یہ دراصل ایک مصنوعی رحمدلی ہو گی۔ ہمارے مقابلے میں اللہ اپنے بندوں پر زیادہ رحمدل ہے اور اللہ نے یہ سزا تجویز کی ہے اور کسی مومن اور مومنہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے میں کوئی فیصلہ کر دیں تو انہیں ان کے لیے اس میں کوئی اپنا اختیار ہو۔ اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے۔ نیز اللہ بندوں کے مزاجوں سے بھی ہم سے زیادہ واقف ہے اس لیے کسی بکنے والے کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی سزا کے بارے میں یہ کہے کہ یہ سخت ہے۔ ہم کہتے ہیں سوسائٹی میں اس گھناؤنے جرم کے پھیلانے کے مقابلے میں یہ بہت ہی نرم سزا ہے۔ کیونکہ اس جرم کے پھیلنے سے سوسائٹی زوال' پسماندگی اور فساد فطرت اور بے غیرتی جیسے مصائب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

صرف زنا کی سزا میں تشدد سے ہی اسلامی سوسائٹی کو بچانا مقصود نہیں ہے۔ نہ اسلامی نظام اسلامی معاشرے کو پاک و صاف رکھنے میں صرف سزاؤں پر اعتماد کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے اسلام سوسائٹی کو اس جرم سے بچانے کے لیے دوسرے اقدامات بھی کرتا ہے۔ اسلام ان تمام کاموں سے منع کرتا ہے جن سے اس جرم کی بو بھی آتی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ زانیوں کو امت مسلمہ کے جسم سے دور کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا قدم یہ اٹھایا جاتا ہے کہ پاک دامن عورتوں پر زنا کے الزام لگانے کو بھی جرم قرار دیا گیا ہے الا یہ کہ کوئی چار گواہ پیش کر دے۔ یہ اس لیے کہ اس گھناؤنے جرم کا الزام لگانے میں لوگ بے باک نہ ہوں۔

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

Marfat.com
Marfat.com

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ﴿۴﴾

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں' پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں' ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو' اور وہ خود ہی فاسق ہیں''۔

زبانوں کو کھلا چھوڑ دینا کہ وہ پاک دامن عورتوں (محصنات) پر تہمتیں لگاتے پھریں۔ محصنات وہ کنواری اور شادی شدہ عورتیں ہوتی ہیں جن پر زنا کے جرم کے ارتکاب کا الزام لگایا جائے لیکن اس الزام کی پشت پر کوئی دلیل قاطع نہ ہو۔ اس طرح کہ بغیر کسی ثبوت کے کوئی کسی بے گناہ مرد یا عورت پر اس گھناؤنے جرم کا الزام لگاتا پھرے اور اس پر اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ یوں صبح و شام معاشرے میں لوگوں کی عزتوں پر حملہ ہوتا رہے' معاشرہ بدنام ہوتا رہے اور ہر شخص پر الزام لگنے کے مواقع عام ہوں۔ یا مرد اپنی بیوی پر شک کرے۔ ہر شخص کو اپنے اصل و نسل کے بارے میں شک ہو جائے۔ ہر خاندان کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہو۔ تہمت' الزام اور شک کے یہ وہ حالات ہوں گے جن میں کسی شخص کو کوئی اطمینان نہ ہو گا۔

پھر اگر زنا کاری کے الزامات اس طرح لگائے جاتے رہیں تو عام لوگوں کو اس جرم کے ارتکاب کی جرأت ہو گی۔ لوگ کہیں گے کہ سوسائٹی میں ہر طرف اس جرم کا چرچا ہے۔ اس طرح جو شخص اس سے بچنا بھی چاہتا ہو گا' وہ بھی اس میں ملوث ہو جائے گا۔ کم از کم بار بار کے الزامات کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں اس کا ارتکاب اس قدر گھناؤنا نہ رہے گا۔ ایک عام آدمی کا تاثر بھی یہ نہ ہو گا کہ عام لوگ اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اگر الزام زنا بلا ثبوت کو جرم نہ قرار دیا جائے تو پھر زنا کی اس شدید سزا کا بھی کوئی فائدہ نہ ہو گا اور پوری سوسائٹی کی فضا اس جرم میں ملوث ہو گی اور فحاشی کے ارتکاب میں اضافہ ہو گا۔

ان وجوہات کی بناء پر' لوگوں کو ناجائز تہمتوں سے بچانے کی خاطر' اور اس الزام کی وجہ سے لوگوں کی عزت کو بچانے کی خاطر قرآن کریم نے حد قذف کی سزا میں سختی کی ہے۔ اس قدر سختی کہ اس کی سزا کو ارتکاب جرم کی سزا کے قریب قریب قرار دیا ہے۔ یعنی ۸۰ کوڑے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ ایسا شخص فاسق قرار پائے گا اور آئندہ کبھی بھی اس کی شہادت قبول نہ ہو گی۔ پہلی سزا یعنی ۸۰ کوڑے تو جسمانی سزا ہے اور دوسری سزا تادیبی سزا ہے کہ سوسائٹی کے اندر زنا کا الزام لگانے والے کی بات بے وقعت ہو جائے کہ آئندہ اس کی کسی بات پر کوئی اعتبار نہ ہو گا۔ تیسری سزا تادیبی سزا بھی ہے کہ وہ اسلام کی سیدھی راہ سے پھر گیا ہے الا یہ کہ وہ چار گواہ لائے یا تین گواہ اپنے ساتھ لائے اگر اس نے خود دیکھا ہو۔ اس وقت اس کی بات درست سمجھی جائے گی اور ملزم پر پھر حد زنا نافذ ہو گی۔

جہاں تک اسلامی سوسائٹی کی ترجیحات کا تعلق ہے اگر اس میں ایسے الزام کو دبا دیا جائے جس کی پشت پر کوئی ثبوت نہ ہو' تو اس صورت میں کوئی نقصان نہ ہو گا جس طرح کا نقصان اس صورت میں ہو گا کہ فحاشی کا چرچا ہو جائے اور اس پر کوئی ثبوت نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں کئی لوگ اس گندے جرم کے ارتکاب پر آمادہ ہو سکتے ہیں' جبکہ عام طور پر

Marfat.com

وہ اس سے بچتے تھے' اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ نہایت ہی ممنوع فعل ہے اور اس کا ارتکاب نادرست ہے رہی یہ بات کہ پاک دامن عورتوں پر اس الزام کی وجہ سے کیا گزرتی ہے اور اس سے معاشرے کے اندر جو بے اطمینانی پھیلتی ہے اور جس طرح گھرانے تباہ ہوتے ہیں یہ ایک عام بات ہے اور اسے ہر شریف آدمی اچھی طرح سمجھتا ہے۔ غرض الزام لگانے والے (قاذف) کے سر پر سزاؤں کی تلوار ہر وقت سونتی رہتی ہے۔ الا یہ کہ :

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾

"سوائے ان لوگوں کے جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاح کر لیں تو اللہ ضرور (ان کے حق میں) غفور و رحیم ہے"۔

فقہاء کے درمیان اس استثناء کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس کا تعلق صرف آخرت کی سزا سے ہے یعنی اس شخص سے صفت فسق دور ہو جائے گی اور شہادت کے لیے وہ بدستور نااہل رہے گا یا یہ کہ اس کی شہادت بھی توبہ کے بعد قبول ہو گی۔ امام احمد' امام شافعی اس طرف گئے ہیں کہ اگر تائب ہو جائے تو اس کی شہادت قبول ہو گی کیونکہ فسق کا حکم اٹھ چکا ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ استثناء صرف آخری جملے میں ہے یعنی فسق اٹھ جائے گا لیکن یہ شخص بدستور شہادت کے لیے نااہل ہو گا۔ شعبی اور ضحاک نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے کہ اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی اگرچہ توبہ کرے' اس وقت تک جب تک وہ اپنے خلاف یہ اعتراف نہ کر لے کہ اس نے جھوٹ بولا تھا۔ اس کے بعد اس کی شہادت قبول ہو گی۔

میرے خیال میں ضحاک اور شعبی کا مذہب زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں جس شخص پر الزام لگایا گیا تھا وہ معاشرتی طور پر اس الزام سے براہ راست بری الذمہ قرار پائے گا۔ اس طرح قذف کے تمام آثار ختم ہو جائیں گے۔ پھر کوئی یہ نہ کہے گا کہ قاذف پر حد اس وجہ سے لگ گئی کہ اس نے شہادت پیش نہ کی اور نہ کسی کے دل میں یہ برا خیال آئے گا کہ ہو سکتا ہے الزام درست ہو لیکن قاذف کو شہادت دستیاب نہ ہو سکی۔ اس طرح مقذوف کی عزت بھی بحال ہو جائے گی اور قاذف کا معاشرتی اعتبار بھی بوجہ توبہ بحال ہو جائے گا۔ یوں اس سابقہ مقدمہ کے تمام آثار ختم ہو جائیں گے۔ اب اس بات کا کوئی جواز باقی نہ رہے گا کہ توبہ کے بعد بھی قاذف کی شہادت مقبول نہ ہو جبکہ اس نے بہتان طرازی کا اعتراف بھی کر لیا ہو اور توبہ کے ذریعہ اصلاح بھی کر لی ہو۔

یہ تو تھا عام الزام زنا کا معاملہ۔ رہا الزام مابین زوجین یعنی کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگا دے تو یہ الگ صورت ہو گی۔ اس مرد سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ چار گواہ لائے یہ بہت بڑی سختی ہو گی لہٰذا شریعت میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی پر جھوٹا الزام نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ اس میں خود اس کی اپنی عزت اور اپنی شرافت خطرے میں ہوتی ہے۔ لہٰذا شریعت میں اس قسم کے الزام کے لیے ایک خاص قانون لعان تجویز کیا گیا ہے۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ

Marfat.com
Marfat.com

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦ وَ
الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٧ وَيَدْرَؤُا
عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٨ وَ
الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٩ وَلَوْلَا
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ ع ۱۰

”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت (یہ ہے کہ وہ) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (اپنے الزام) میں سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ (اپنے الزام میں) جھوٹا ہو اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس بندے پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر وہ (اپنے الزام میں) سچا ہو۔ تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور اس کا رحم نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا التفات فرمانے والا اور حکیم ہے تو (بیویوں پر الزام کا معاملہ تمہیں بڑی پیچیدگی میں ڈال دیتا)“۔

ان آیات میں حد قذف کے قانون میں میاں بیوی کے لیے قدرے سہولت پیدا کی گئی ہے اور یہ سہولت میاں بیوی کے نازک تعلقات کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اگر خاوند کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی بیوی نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اور اس بات پر گواہ صرف وہ خود ہو تو اس صورت میں طریق کار یہ ہو گا کہ وہ چار بار قسم اٹھا کر یہ کہے گا کہ اس کا دعویٰ درست ہے یعنی الزام زنا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گا کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ اور اس شہادت کو شہادات اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ ایک ہی گواہ کی زیادہ شہادتیں ہیں۔ اگر خاوند نے ایسا کیا تو وہ سزا کرے گا اور عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اور اس پر حد زنا یعنی رجم جاری ہو گی۔ ہاں اگر عورت اپنے اوپر سے اس سزا کو معاف کرانا چاہتی ہے تو وہ سابقہ شہادت کے بالمقابل چار مرتبہ حلف اٹھا کر کہے کہ الزام لگانے والا کاذب ہے اور پانچویں مرتبہ وہ حلف اٹھا کر کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر میں جھوٹ بولوں۔ اس طرح اس پر سے حد ساقط ہو جائے گی۔ اور لعان کے ذریعے وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ اس کے بیٹے کا نسب والد کے ساتھ لاحق نہ ہو گا اگر وہ حاملہ ہو بلکہ بیٹے کی نسبت ماں کی طرف ہو گی اور اس قسم کے بیٹے پر ولد الزنا کا الزام موجب حد قذف ہو گا۔

اس پر یہ تعقیب اور تبصرہ آتا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ (۲۴: ۱۰) ”تم پر اللہ کا فضل اور رحم نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا التفات فرمانے والا اور حکیم ہے تو (بیویوں پر الزام کا معاملہ تمہیں بڑی پیچیدگی میں ڈال دیتا)۔ یہاں اللہ نے بیان نہیں فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ اللہ نے مجمل اس لیے

Marfat.com

چھوڑ دیا کہ لوگ اس سے ڈرتے رہیں۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑا ہی شر ہوتا لیکن اللہ نے اسے دفع کر دیا۔

اس سلسلے میں بعض صحیح احادیث میں اس قانون سازی کا شان نزول وارد ہے۔ امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا (۲۴ : ٤) "اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں' پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں' ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔

تو سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ جو انصار کے سردار تھے' نے کہا کیا یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے گروہ انصار' تم نہیں سنتے تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے؟ تو انہوں نے کہا' اے رسول خدا اس شخص کو ملامت نہ کریں۔ یہ نہایت ہی غیور آدمی ہے۔ اس نے کبھی بھی کنواری عورت کے سوا کسی عورت سے نکاح نہیں کیا۔ اور اس نے جب کسی عورت کو طلاق دی تو کسی شخص کو جرأت نہیں ہوئی کہ اس کے ساتھ نکاح کر لے کیونکہ وہ اس کی غیرت سے ڈرتا۔ اس پر سعدؓ نے کہا اے رسول خدا واقعہ یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ حق ہے اور یہ اللہ کی جانب سے ہے لیکن مجھے تعجب اس پر ہے کہ میری بیوی کی ران پر ایک شخص ران رکھ دے اور مجھے اجازت نہ ہو کہ میں اسے چھیڑوں اور نہ میں اسے اپنی جگہ سے ہلاؤں یہاں تک کہ جب تک کہ میں چار گواہ تلاش کر کے نہ لاؤں۔ خدا کی قسم جب تک میں چار گواہ لاؤں گا تو وہ اپنا کام کر کے چلا گیا ہو گا۔ کہتے ہیں کہ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ ہلال ابن امیہ آ گیا۔ یہ اپنی اراضی سے کام کر کے عشاء کے وقت لوٹا۔ اس نے اپنی اہلیہ کے پاس ایک شخص کو دیکھا۔ اپنی آنکھوں سے اس نے دیکھا اور اپنے کانوں سے اس نے سنا تو اس نے اس شخص کو نہ چھیڑا۔ صبح ہوتے ہی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا حضور میں رات کو عشاء کے وقت اپنے گھر آیا۔ میں نے اپنی اہلیہ کے پاس ایک شخص کو دیکھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں کے ساتھ سنا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی اس اطلاع کو بہت ہی ناپسند فرمایا۔ آپؐ پر یہ بات بہت ناگوار گزری لیکن انصار اس پر جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا: سعد ابن عبادہ نے جو کچھ کہا ہے وہ ہمارے لیے بڑی آزمائش تھی۔ اب نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہلال ابن امیہ کو کوڑے لگائیں اور لوگوں کے اندر ان کی شہادت ہمیشہ کے لیے غیر مقبول ہو جائے۔ اس پر ہلال ابن امیہ نے کہا: خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ اس سے نکلنے کی کوئی راہ ضرور نکالے گا۔ ہلال نے حضور اکرمؐ سے کہا کہ رسول خدا میں جانتا ہوں کہ میری اس بات سے آپؐ پر کس قدر ناگواری کی حالت آ گئی ہے لیکن اللہ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ خدا کی قسم رسول خدا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ ہلال ابن امیہ پر حد قذف نافذ کرنے کا حکم دیں کہ اچانک وحی آ گئی۔ اور جب آپؐ پر وحی آتی تھی تو صحابہ کرام فوراً سمجھ لیتے تھے کہ نزول وحی شروع ہے۔ تمام صحابہؓ آپؐ سے علیحدہ ہو جاتے تھے یہاں تک کہ نزول وحی کا عمل مکمل ہو جاتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ

Marfat.com
Marfat.com

رَبِعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ (۲۴ : ۶) "اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت (یہ ہے کہ وہ) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (اپنے الزام) میں سچا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے حالت وحی دور ہو گئی تو آپؐ نے فرمایا بلال! مبارک ہو۔ اللہ نے تیرے لیے آسانی پیدا کر دی ہے اور اس مشکل سے نکلنے کی راہ نکالی ہے۔ تو ہلال نے کہا میں امید کر رہا تھا کہ اللہ میرے لیے کوئی راہ نکالے گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس عورت کو بلایا جائے۔ وہ آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات دونوں کو پڑھ کر سنائیں۔ ان کو نصیحت کی اور ان کو بتایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کی سزا سے بہت ہی تھوڑا ہے تو ہلال نے کہا رسول خدا اللہ کی قسم میں نے اس کے بارے میں سچ کہا ہے اور اس عورت نے جواب میں کہا۔ یہ جھوٹ کہتا ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا ان دونوں کے درمیان لعان کرا دو۔ تو ہلال کو کہا گیا تم چار بار شہادت دو کہ تم سچ کہتے ہو۔ جب پانچویں بار شہادت دینے لگا تو اسے کہا گیا: اللہ سے ڈرو' دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔ اور یہ شہادت جو فریق مخالف پر سزا واجب کرنے والی ہے' تیرے لیے موجب عذاب ہو گی۔ تو ہلال نے کہا خدا کی قسم اس کے بارے میں مجھے اللہ ہرگز عذاب نہیں دے گا۔ جس طرح اس نے مجھے کوڑوں کی سزا نہیں دی تو پانچویں مرتبہ ہلال نے شہادت دی کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس کے بعد عورت سے کہا گیا کہ تم چار شہادتیں دو کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ اس سے کہا گیا خدا سے ڈرو اور دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہی ہلکا ہے اور یہ پانچویں بار عذاب کو واجب کرنے والی ہے اور یہ تم پر عذاب کو واجب کر دے گی۔ وہ کچھ دیر کے لیے ہچکچائی اور ارادہ کر لیا کہ اعتراف کر لے۔ اس کے بعد اس نے کہا میں اپنی قوم کو شرمندہ نہیں کروں گی۔ چنانچہ اس نے پانچویں مرتبہ شہادت دی کہ اس پر اللہ کا غضب ہو گا۔ اگر وہ سچا ہو۔ رسول اللہ نے دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور یہ فیصلہ کیا کہ اس کے بچے کو باپ کی طرف منسوب نہ کیا جائے گا۔ نہ اس کے بچے پر تہمت لگائی جائے گی۔ جس نے اس کے بچے کو ولد الزنا کہا' اس پر حد جاری ہو گی۔ یہ بھی حکم دیا کہ اس عورت کے لیے خاوند کے ذمہ رہائش کی جگہ فراہم کرنا لازم نہ ہو گا نہ خوراک لازم ہو گی۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے تفریق کر دی گئی ہے۔ اور حضورؐ نے فرمایا کہ اگر اس کا بچہ قدرے سرخ بالوں والا' دبلے چوتڑ والا اور پتلی ٹانگوں والا ہوا تو وہ ہلال کا بچہ ہو گا اور اگر گندم گوں رنگ' پیچدار بالوں والا' موٹے اعضا والا' موٹی پنڈلیوں والا ہوا' بھرے ہوئے چوتڑ والا ہوا تو پھر یہ اس شخص کا بیٹا ہو گا جس کے ساتھ وہ بدنام ہوئی۔ تو جب اس کا بچہ پیدا ہوا تو وہ گدرے' پیچدار بالوں والا' موٹے اعضا والا اور موٹی ٹانگوں والا اور بھرے ہوئے چوتڑ والا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایمان نہ ہوتا تو میں اس عورت کے ساتھ دیکھ لیتا"۔

یہ قانون لعان تھا اور یہ ایک عملی ضرورت کے تحت نازل ہوا۔ اس نے مسلمانوں کے لیے درپیش ایک مشکل مسئلے کو حل کر دیا۔ یہ مسئلہ اس قدر مشکل تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا کوئی حل نظر نہ آتا تھا۔ جیسا کہ روایت بخاری میں آتا ہے۔ آپؐ نے ہلال ابن امیہ سے کہا کہ یا تو گواہ لاؤ اور یا تمہاری پیٹھ پر حد جاری ہو گی۔ اور ہلال یہی کہتے رہے کہ حضورؐ ایک شخص دیکھے کہ اس کی بیوی پر ایک شخص چڑھا ہوا ہے کیا وہ جائے گا کہ گواہ تلاش کرے۔

یہاں سوال کرنے والا یہ سوال کر سکتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو علم نہ تھا کہ حد قذف کے عام قانون کے بعد اس قسم کا

Marfat.com

مسئلہ پیدا ہو گا تو یہ استثناء اللہ نے پہلے کیوں نہ نازل کر دی اور کیوں اللہ تعالیٰ نے ایسی مشکل پیدا ہونے دی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے تشریح کے لیے یہ حکمت وضع کی تھی کہ قانون اس وقت نازل ہو جب لوگوں کے اندر اس کی ضرورت کا احساس پیدا ہو جائے تاکہ لوگ اسے نہایت ہی بے تابی کے ساتھ قبول کریں۔ اور ان کو اس قانون کے اندر پائے جانے والی حکمت کا اچھی طرح علم ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد یہ تبصرہ آیا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ (۲۴: ۱۰) "اگر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بہت ہی التفات کرنے والا اور رحیم ہے تو...." اب ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے۔ دیکھئے کہ اسلام کس طرح کام کر رہا تھا اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کس طرح کام کر رہی تھی اور کس قدر مؤثر تھی اور اس قرآن کے ذریعے کس طرح ایک بالکل نئی سوسائٹی کو تعمیر کیا جا رہا تھا۔ اسلام نے عربوں جیسی غیور قوم کی کس طرح تربیت کر دی تھی۔ کس طرح ان کو بدل کر رکھ دیا۔ یہ لوگ اس قدر غیور اور جذباتی تھے کہ قانون حد قذف نازل ہو گیا۔ ان جذباتی لوگوں کے لیے یہ نہایت ہی مشکل قانون ہے وہ تو مشتعل ہوتے ہی عظیم سے عظیم کام کر گزرنے والے تھے۔ ان پر یہ نہایت ہی شاق گزرتا ہے۔ اس قدر شاق کہ حضرت سعد ابن عبادہ رسول اللہ سے پوچھتے ہیں کہ آیا فی الواقع یہ قانون اسی طرح نازل ہوا ہے۔ وہ سوال کرتے ہیں لیکن ان کو معلوم ہے کہ قانون تو نازل ہو گیا ہے۔ اس سوال سے دراصل وہ اس مشکل کا احساس کرتے ہیں کہ اگر یہ صورت حالات ان کے اپنے گھر میں پیش آ جائے تو وہ اسے کس طرح برداشت کریں گے۔ وہ اس تلخ حقیقت کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ رسول خدا میں جانتا ہوں کہ یہ حق ہے اور یہ اللہ کی جانب سے ہے لیکن مجھے اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ اگر میں ایک شخص کو دیکھوں کہ اس نے (مکاع) کی ران کے ساتھ ران ملا دی ہے اور مجھے یہ اجازت نہ ہو کہ اسے پریشان کروں یا اسے اپنی جگہ سے ہٹاؤں جب تک میں چار گواہ نہ لاؤں۔ خدا کی قسم میں چار گواہ لاؤں گا مگر اس نے اپنا کام پورا کر لیا ہو گا۔

یہ تو تھا سعد ابن عبادہ کا نظریاتی خیال اور سوچ۔ لیکن ایک متعین شخص اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہا ہے کہ اس کی بیوی کے ساتھ یہ بدکاری ہو رہی ہے اور وہ رک گیا ہے بلکہ قرآن نے اسے روک دیا ہے۔ یہ شخص اپنے جذبات، جذبہ انتقام، سخت عربی غیرت اور خون کے اندر پیدا ہونے والے فوری جوش اور اعصاب کی ناقابل کنٹرول حرکت کو قابو میں لاتا ہے۔ اپنے اوپر ناقابل شکست کنٹرول کرتا ہے جس کا کوئی عربی معاشرے میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ بے بس ہو کر آتا ہے اور رسول اللہ کے حکم کا انتظار کرتا ہے۔ اگرچہ اس کے لیے یہ مسئلہ نہایت ہی شاق گزر رہا ہے لیکن قرآن کریم نے ان لوگوں کی ایسی تربیت کر دی ہے کہ یہ شخص جذبات کے اس طوفان کو پوری طرح کنٹرول کرتا ہے تاکہ حکم وہی ہو جو اللہ کی طرف سے آئے۔ اس کے نفس میں اور اس کی ذات کے تمام معاملات میں۔

یہ تربیت کیسے ممکن ہوئی؟ یہ اس طرح ہوئی کہ ان کو یہ پورا یقین تھا کہ اللہ ان کے ساتھ ہے اور یہ کہ وہ لوگ اللہ کی نگرانی اور حفاظت میں ہیں۔ اللہ ان کی رعایت کرتا ہے اور ان کو ایسی مصیبت میں نہیں ڈالتا جسے وہ برداشت نہ کر سکیں اور یہ کہ اللہ ان کو ایسی مشکلات میں نہیں چھوڑتا کہ وہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہوں۔ اللہ کبھی بھی انسانوں پر ظلم

Marfat.com

نہیں کرتا۔ یہ لوگ ہمیشہ اللہ کے زیر سایہ رہتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کی فضا میں سانس لے رہے تھے۔ وہ ہر وقت اللہ کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جس طرح ایک بچہ اپنے رحیم و کریم باپ کی طرف دیکھتا ہے۔ ہلال ابن امیہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور کانوں سے سن رہا ہے۔ یہ اکیلا ہے وہ رسول اللہؐ سے شکایت کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانون میں کوئی صورت ماسوائے نفاذ حد قذف کے اور نہیں پاتے۔ حضورؐ اعلان بھی کر دیتے ہیں کہ شہادت یا حد ہے اور تمہاری پیٹھ پر ہے لیکن ہلال ابن امیہ کو یقین ہے کہ اللہ اسے ایسے حالات میں بے سہارا نہیں چھوڑے گا جبکہ وہ ہے بھی سچا۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے یہ استثناء آجاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال ابن امیہ کو خوشخبری دیتے ہیں اور وہ اپنے اس اطمینان کو پھر دہراتے ہیں کہ مجھے رب عزوجل سے یہی امید تھی۔ ان لوگوں کو پورا پورا اطمینان تھا کہ وہ اللہ کی نگرانی میں ہیں اور اللہ دیکھ رہا ہے اور یہ کہ وہ خود اپنے اختیار میں چھوڑ نہیں دیئے گئے کہ معاملات کو خود طے کریں۔ وہ تو اللہ کے سامنے اس کے دربار میں ہیں۔ یہ ہے حقیقی ایمان' اطاعت اور تسلیم و رضا۔ جو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی۔ ---()()()---

اب سیاق کلام حد قذف کے قانون کے درمیان سے آگے بڑھتا ہے اور جرم قذف کے گھناؤنے پن کی ایک اور جھلک دکھائی جاتی ہے۔ اس کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے سے ہے۔ خود حضور اکرم صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی عزت اس میں داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ حضور اکرمؐ اللہ کے مکرم ترین بندے ہیں۔ پھر اس واقعہ میں حضرت صدیقؓ کی عزت بھی داؤ پر لگی ہوئی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے مکرم ترین انسان ہیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دوسرے ساتھی صفوان ابن المعطلؓ کی عزت کا بھی مسئلہ ہے۔ حضور اکرمؐ خود شہادت دیتے ہیں کہ صفوان کے بارے میں آپؐ بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ یہ واقعہ ایسا ہے جس میں مدینہ کے اہل اسلام ایک ماہ تک بے حد پریشانی میں مبتلا رہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا

Marfat.com
Marfat.com

لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ
عَظِيْمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ
فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ ۲
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾ ع ۱۰
۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ
يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ
مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا
يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ
وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ
الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ
عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَىِٕذٍ
يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾
اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ ۳
لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰۗىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾ ع ۶

۹ ”جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔ اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے تو عذاب عظیم ہے۔ جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے؟ وہ لوگ (اپنے الزام کے

Marfat.com
Marfat.com

ثبوت میں) چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اب کہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں' اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم وکرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آلیتا۔ (ذرا غور تو کرو' اس وقت تم کیسی سخت غلطی کر رہے تھے) جبکہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جارہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جارہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے' حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی۔

کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ "ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا' سبحان اللہ' یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ اللہ تمہیں صاف صاف ہدایات دیتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں' اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم وکرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق و رحیم ہے' (تو یہ چیز جو ابھی تمہارے اندر پھیلائی گئی تھی' بدترین نتائج دکھا دیتی)۔

اے لوگو' جو ایمان لائے ہو' شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ تو اسے فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہو سکتا مگر اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار' مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔ انہیں معاف کر دینا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔

جو لوگ پاک دامن' بے خبر' مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے اس دن اللہ وہ بدلہ انہیں بھرپور دے دے گا جس کے وہ مستحق ہیں اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا۔ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے۔ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے۔ ان کا دامن پاک ہے ان باتوں سے جو بنانے والے بناتے ہیں' ان کے لیے مغفرت ہے اور رزق کریم۔

یہ افک کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ نے تاریخ انسانی کے پاکیزہ ترین لوگوں کو انتہائی درجہ کی تکلیف دہ اور اذیت دہ صورت حال سے دوچار کیا بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو سخت ترین امتحان میں ڈال دیا۔ پورے ایک ماہ تک حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کی محبوب ترین اہلیہ حضرت عائشہؓ' ان کے والد حضرت ابوصدیقؓ جیسے ایک مومن مخلص کے دلوں کو ہوا میں معلق رکھا۔ یہ پاکیزہ دل ایک مہینے تک درد و رنج میں مبتلا رہے۔

مناسب یہ ہے کہ ہم اس پورے قصے کو خود حضرت عائشہؓ کی زبانی سنیں۔ حضرت عروہ ابن زبیر ان سے یوں روایت کرتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب آپ سفر پر جانے لگتے تو قرعہ ڈال کر فیصلہ فرماتے کہ آپ کی بیویوں میں سے کون آپ کے ساتھ جائے۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقعہ پر قرعہ میرے نام نکلا اور میں آپ کے

Marfat.com

Marfat.com

ساتھ گئی - واپسی پر جب مدینے کے قریب تھے تو ایک منزل پر رات کے وقت رسول اللہؐ نے پڑاؤ کیا اور ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ کوچ کی تیاری شروع ہو گئی - میں اٹھ کر رفع حاجت کے لیے گئی اور جب پلٹنے لگی تو قیام گاہ کے قریب پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ میرے گلے کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے - میں اسے تلاش کرنے میں لگ گئی اور اتنے میں قافلہ روانہ ہو گیا - قاعدہ یہ تھا کہ میں کوچ کے وقت اپنے ہودج میں بیٹھ جاتی تھی اور چار آدمی اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے - ہم عورتیں اس وقت غذا کی کمی کے سبب بہت ہلکی پھلکی تھیں - میرا ہودہ اٹھاتے وقت لوگوں کو یہ محسوس ہی نہ ہوا کہ میں اس میں نہیں ہوں - وہ بے خبری میں خالی ہودہ اونٹ پر اٹھا کر روانہ ہو گئے - میں جب ہار لے کر پلٹی تو وہاں کوئی نہ تھا - آخر اپنی چادر اوڑھ کر وہاں ہی لیٹ گئی اور دل میں سوچ لیا کہ آگے جا کر جب یہ لوگ مجھے نہ پائیں گے تو خود ہی ڈھونڈتے ہوئے آ جائیں گے - اس حالت میں مجھے نیند آ گئی - صبح کے وقت صفوان ابن معطل سلمی اس جگہ سے گزرے جہاں میں سو رہی تھی - وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے کیونکہ پردے کا حکم آنے سے پہلے وہ مجھے بارہا دیکھ چکے تھے - (یہ شخص بدری صحابیوں میں سے تھے اور انہیں صبح دیر تک سونے کی عادت تھی اس لیے یہ بھی لشکر گاہ میں کہیں پڑے سوئے رہ گئے اور اٹھ کر مدینے چلے جا رہے تھے) مجھے دیکھ کر انہوں نے اونٹ روک لیا اور بے ساختہ زبان سے نکلا انا للہ وانا الیہ راجعون - رسول اللہ کی بیوی یہیں رہ گئیں - اس آواز سے میری آنکھ کھلی - میں نے اٹھ کر فوراً اپنے منہ پر چادر ڈال لی - انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی - لا کر اپنا اونٹ میرے سامنے بٹھا دیا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے - میں اونٹ پر سوار ہو گئی اور وہ نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے - دوپہر کے قریب ہم نے لشکر کو جا لیا کہ جب وہ اپنی جگہ پر جا کر ٹھہرا ہی تھا اور لشکر والوں کو ابھی یہ پتہ نہ چلا تھا کہ میں پیچھے چھوٹ گئی ہوں - اس پر بہتان اٹھانے والوں نے بہتان اٹھا دیئے اور ان سب میں پیش پیش عبداللہ ابن ابی تھا - مگر میں اس سے بے خبر تھی کہ مجھ پر کیا باتیں بن رہی ہیں - مدینہ پہنچ کر میں بیمار ہو گئی اور ایک مہینے کے قریب پلنگ پر پڑی رہی - شہر میں اس بہتان کی خبریں اڑ رہی تھیں - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک یہ بات پہنچ چکی تھی - مجھے کچھ پتہ نہ تھا - البتہ جو چیز مجھے کھٹکتی تھی وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توجہ میری طرف نہ تھی جو بیماری کے زمانے میں ہوا کرتی - آپ گھر میں آتے تو گھر والوں سے یہ پوچھ کر رہ جاتے کہ

كَيْفَ تيكم "کیسی ہیں یہ" - خود مجھ سے کوئی کلام نہ کرتے - اس سے مجھے شبہ ہوتا کہ کوئی بات ہے ضرور - آخر آپ سے اجازت لے کر میں ماں کے گھر چلی گئی تاکہ وہ میری تیمارداری اچھی طرح کر سکیں -

ایک روز رات کے وقت حاجت کے لیے میں مدینے سے باہر گئی - اس وقت تک ہمارے گھروں میں بیت الخلاء نہیں ہوتے تھے - اور ہم لوگ جنگل میں جایا کرتے تھے - میرے ساتھ مسطح ابن اثاثہ کی ماں تھیں جو میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں - راستے میں اسے ٹھوکر لگی - بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا غارت ہو مسطح - میں نے کہا اچھی ماں ہو جو بیٹے کو کوستی ہو اور بینا بھی وہ، جس نے بدر میں حصہ لیا ہو - انہوں نے کہا "بیٹی تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا باتیں کرتا ہے - پھر انہوں نے سارا واقعہ سنایا کہ افتراء پرداز لوگ میرے متعلق کیا باتیں اڑا رہے ہیں - میں گھر گئی اور رات بھر رو کر کاٹی - میرے پیچھے رسول اللہؐ نے حضرت علی اور اسامہ ابن زید کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا - اسامہ نے میرے حق میں کلمہ خیر کہا اور عرض کیا، یا رسول اللہؐ بھلائی کے سوا آپؐ کی بیوی میں کوئی چیز ہم نے نہیں دیکھی - یہ سب کچھ کذب اور باطل ہے

جو اڑایا جارہا ہے۔ رہے حضرت علیؓ تو انہوں نے کہا یارسول اللہؐ عورتوں کی کمی نہیں ہے۔ آپؐ اس کی جگہ دوسری بیوی کر سکتے ہیں اور تحقیق کرنا چاہیں تو خدمت گزار لونڈی کو بلاکر حالات دریافت کرلیں۔ چنانچہ خدمتگار کو بلایا گیا اور پوچھ گچھ کی گئی۔ اس نے کہا اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' میں نے ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی جس پر حرف رکھا جاسکے۔ بس اتنا عیب ہے کہ میں آٹا گوندکر کسی کام کو جاتی ہوں اور کہہ جاتی ہوں کہ بی بی ذرا آٹے کا خیال رکھنا مگر وہ سو جاتی ہیں اور بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے۔ اسی روز رسول اللہؐ نے خطبہ فرمایا "مسلمانو! کون ہے جو اس شخص کے حملوں سے میری عزت بچائے جس نے میرے گھر والوں پر الزام لگاکر مجھے اذیت پہنچانے کی حد کر دی ہے۔ بخدا نہ تو میں نے اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھی ہے اور نہ اس شخص میں جس کے متعلق تہمت لگائی جارہی ہے۔ وہ تو کبھی میری غیر موجودگی میں میرے گھر آیا بھی نہیں۔ اس پر اسید ابن حضیر (بعض روایات میں سعد ابن معاذ) نے اٹھ کر کہا "یارسول اللہؐ اگر وہ ہمارے قبیلے کا آدمی ہے تو ہم اس کی گردن مار دیں گے اور اگر ہمارے بھائی خزرجیوں میں سے ہے تو بھی آپ حکم دیں ہم تعمیل کے لیے حاضر ہیں"۔ یہ سنتے ہی سعد ابن عبادہ رئیس خزرج اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "جھوٹ کہتے ہو تم ہرگز اسے نہیں مار سکتے۔ تم اس کی گردن مارنے کا نام اس لیے لے رہے ہو کہ وہ خزرج میں سے ہے۔ اگر وہ تمہارے قبیلے کا آدمی ہوتا تو تم کبھی نہ کہتے "کہ ہم اس کی گردن مار دیں گے"۔ اسید ابن حضیر نے جواباً میں کہا "تم منافق ہو اس لیے منافقوں کی حمایت کرتے ہو"۔ اس پر مسجد نبویؐ میں ہنگامہ برپا ہوگیا حالانکہ رسول اللہؐ ممبر پر تشریف رکھتے تھے۔ قریب تھا کہ اوس اور خزرج مسجد میں ہی لڑ پڑیں مگر رسول اللہؐ نے ان کو ٹھنڈا کیا اور پھر ممبر سے اتر آئے۔

اس بہتان کی افواہیں کم و بیش ایک مہینے تک شہر میں اڑتی رہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت اذیت میں مبتلا تھے۔ میں روتی رہتی۔ میرے والدین انتہائی پریشان اور رنج و غم میں مبتلا تھے۔ آخر کار ایک روز حضورؐ تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھے۔ اس پوری مدت میں وہ کبھی میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر اور ام رومان نے محسوس کیا کہ آج کوئی فیصلہ کن بات ہونے والی ہے اس لیے وہ دونوں بھی میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا عائشہؓ مجھے تمہارے متعلق یہ خبر پہنچی ہے۔ اگر تم بے گناہ ہو تو امید ہے کہ اللہ تمہاری برات ظاہر کر دے گا اور اگر واقعی تم گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ سے توبہ کرو اور معافی مانگو۔ بندہ جب اپنے گناہ کا معترف ہوکر توبہ کرتا ہے تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ باتیں سن کر میرے آنسو خشک ہوگئے۔ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہؐ کو جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا بیٹی میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ ہی کچھ کہیں۔ انہوں نے بھی کہا میں حیران ہوں کہ کیا کہوں۔ اس پر میں بولی کہ آپ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑ گئی ہے اور دلوں میں بیٹھ چکی ہے۔ اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ نہ مانیں گے۔ اور اگر خواہ مخواہ ایسی بات کا اعتراف کروں جو میں نے نہیں کی اور اللہ جانتا ہے کہ نہیں کی تو آپ لوگ مان لیں گے۔ میں نے اس وقت حضرت یعقوب کا نام یاد کرنے کی کوشش کی مگر یاد نہ آیا۔ آخر میں نے کہا' اس حالت میں میرے لیے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ میں وہی بات کہوں جو حضرت یوسف کے والد نے کہی تھی فَصَبْرٌ جَمِيلٌ یہ کہہ کر میں لیٹ گئی اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔ میں اس وقت اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اللہ میری بے گناہی سے واقف ہے وہ ضرور حقیقت کھول دے گا۔ اگرچہ یہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ میرے حق میں وحی نازل ہوگی جو قیامت تک پڑھی جائے

Marfat.com

میں اپنی ہستی کو اس سے کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ خود میری طرف سے بولے مگر میرا یہ گمان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب دیکھیں گے کہ جس میں اللہ میری براءت ظاہر کر دے گا۔ اتنے میں یکایک حضورؐ پر وہ کیفیت طاری ہو گئی جو وحی نازل ہوتے وقت ہوا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ سخت جاڑے کے زمانے میں موتی کی طرح آپؐ کے چہرے سے پسینے کے قطرے ٹپکتے تھے۔ ہم سب خاموش ہو گئے۔ میں تو بالکل بے خوف تھی مگر میرے والدین کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ ڈر رہے تھے کہ دیکھیں اللہ کیا حقیقت کھولتا ہے۔ جب وہ کیفیت دور ہوئی تو حضور بے حد خوش تھے۔ آپؐ نے ہنستے ہوئے جو پہلی بات فرمائی وہ یہ تھی۔ مبارک ہو عائشہؓ۔ اللہ نے تمہاری براءت نازل فرما دی۔ اس کے بعد حضورؐ نے دس آیتیں سنائیں۔ میری والدہ نے کہا اٹھو اور رسول اللہؐ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا نہ ان کا شکریہ ادا کروں گی نہ آپ دونوں کا' بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے میری براءت نازل فرمائی۔ آپ لوگوں نے تو بہتان کا انکار تک نہ کیا۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قسم اٹھائی کہ وہ اب کبھی مسطح پر کچھ خرچ نہ کریں گے۔ یہ غریب آدمی تھا اور حضرت صدیقؓ کا رشتہ دار تھا' آپ ان کی کفالت کرتے تھے۔ اس نے بھی حضرت عائشہ پر الزام لگانے میں حصہ لیا تھا۔ اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۲۴:۲۲) تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار' مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔ انہیں معاف کر دینا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔

تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا' ہاں میں چاہتا ہوں اور پسند کرتا ہوں کہ اللہ میرے گناہ بخش دے۔ پھر انہوں نے مسطح کا وہ وظیفہ جاری کر دیا جو وہ انہیں دیا کرتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں اس امداد کو کبھی بھی بند نہ کروں گا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بن جحش سے بھی میرے بارے میں پوچھا۔ حضورؐ نے فرمایا "زینب تم کیا جانتی ہو اور تم نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے کہا' یا رسول اللہ میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو بچاتی ہوں۔ خدا کی قسم' میں نے اس کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانا۔ یہ زینب بن جحش ہی تھی جو ازواج مطہرات میں سے میرے مدمقابل تھی۔ اللہ نے اس کو اس کی خدا خوفی کی وجہ سے بچایا۔ لیکن اس کی بہن حمنہ بنت جحش اس کے لیے لڑ رہی تھی' تو وہ ہلاک ہوئی ان لوگوں کے ساتھ' جو افک کے معاملے میں ہلاک ہوئے۔

آپ نے دیکھا کہ یہ دن رسول اللہؐ نے کس طرح گزارے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے خاندان نے یہ دن کس طرح گزارے۔ اور حضرت صفوان ابن معطل بیچارے پر کیا گزری ہو گی اور تمام مسلمانوں پر یہ دن ایسے گزرے کہ ان کی سانس گھٹ رہی تھی اور ہر شخص شدید مصیبت میں تھا۔ یہ حالات تھے جن میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

Marfat.com
Marfat.com

اس پریشان کن صورت حالات کے سامنے انسان نڈھال ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک المناک واقعہ تھا۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ آپ کی زوجہ محترمہ کے لیے یہ صورت حالات کاٹ کھانے والی ہے جبکہ وہ نہایت ہی جواں سال اور کم عمر ہے۔ ان کی عمر کا غالباً سولہواں سال تھا۔ یہ نہایت ہی حساس عمر ہوتی ہے اور زوجین کے درمیان نہایت ہی گہری محبت کا دور ہوتا ہے۔

یہ کم عمر لڑکی بے گناہ ہے۔ اس کا ضمیر صاف ہے۔ اس کے خیالات پاکیزہ ہیں لیکن اس پر یہ الزام نازک ترین اور حساس ترین معاملے میں لگایا جا رہا ہے۔ اس کی شرافت داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ یہ صدیق کی بیٹی ہے اور وہ نہایت ہی پاکیزہ اور ارفع مقام پر زندگی بسر کر رہی ہے۔ اس کی امانت کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ وہ حضرت محمد ابن عبداللہ سردار بنی ہاشم کی بیوی ہے اور اس کی وفاداری کو مشکوک بنایا جا رہا ہے یہ ایک عظیم پیغمبر کی محبوب ترین بیوی ہے لیکن اس بیچاری کے اس رشتہ محبت کے ٹوٹنے کا خطرہ ہے بلکہ اس کے ایمان کو خطرہ لاحق ہے۔ جبکہ اس نے پرورش ہی ایمان کے مرکز میں پائی ہے۔ جب سے اس کی آنکھ کھلی ہے اس نے ایمان ہی ایمان دیکھا ہے اور پھر وہ نبی آخر الزمانؐ کی زوجہ ہے۔

اس پر الزام لگایا گیا ہے۔ کس قدر عظیم الزام جس سے وہ بری الذمہ اور بے خبر ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کرے اور کیا شہادت لائے کہ وہ پاک دامن ہے۔ بس صرف اللہ سے امید ہے۔ وہ امید کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت کو خواب میں دیکھ لیں گے کہ وہ اس الزام سے بالکل بری الذمہ ہے۔ لیکن خواب ہے کہ نہیں آتا اور وحی ہے کہ بند ہو گئی ہے۔ اس میں بھی اللہ کی حکمت تھی۔ پورا ایک ماہ گزر گیا ہے اور یہ بیچاری اس عذاب عظیم میں غوطے کھا رہی ہے۔

اس کی حالت اس وقت دگرگوں ہو جاتی ہے جب وہ ام مسطح سے پورے حالات سن لیتی ہے۔ وہ بیماری میں مبتلا ہے اور اس کی جان خطرے میں ہے' وہ نہایت ہی کرب سے ماں کو کہتی ہے سبحان اللہ 'کیا لوگ یہ باتیں کر رہے ہیں؟ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ وہ نہایت ہی کرب سے پوچھتی ہیں کہ میرے باپ کو بھی اس کا علم ہو گیا ہے تو ماں کہتی ہیں ہاں؟ تو وہ پوچھتی ہیں کہ کیا رسولؐ اللہ کو بھی اس کا علم ہو گیا ہے؟ تو ماں کہتی ہیں' ہاں۔ اور پھر اس پر وہ وقت آتا ہے کہ اللہ کا نبی جس پر وہ ایمان لائی ہے اور جو آپ کا خاوند ہے 'جس کے ساتھ اسے شدید محبت ہے۔ رسول اللہؐ خود اس سے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔ امابعد 'مجھ تک تمہارے بارے میں یہ یہ باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم پاک دامن ہو تو خود اللہ جلد ہی تمہاری پاکی بیان کر دے گا۔ اور اگر تم سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ سے توبہ کرو اور مغفرت طلب کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے اور پھر توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اسے معاف کر دیتا ہے"۔ اس کلام سے وہ اچھی طرح جان لیتی ہے کہ حضور اکرمؐ بھی اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ ان کو یقین نہیں ہے کہ آپ بے گناہ ہیں۔ آپ پر جو الزام لگ چکا ہے اس کے بارے میں آپ فیصلہ بھی نہیں فرماتے۔ رب کریم کی طرف سے بھی وحی بند ہے۔ اللہ کی طرف سے بھی براءت نہیں آ رہی ہے جس کا اسے خوب یقین ہے کہ وہ بری الذمہ ہے۔ لیکن بیچاری کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ پیش کرے۔ رات اور دن ایسے ہی گزر رہے ہیں اور اس عظیم قلب میں بھی وہ ملزمہ ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے جگری محبت ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے وفادار ساتھی' نہایت ہی حساس اور پاک نفس 'ایسی حالت میں ہیں کہ یہ غم ہر

Marfat.com

وقت انہیں کاٹ کھا رہا ہے ان کی عزت پر حملہ ہو چکا ہے۔ ان کی محبوب بیٹی اور پھر رسول اللہؐ کی بیوی۔ یاد رہے کہ حضرت محمدؐ آپ کے وہ ساتھی ہیں جن پر انہیں پورا یقین و اطمینان ہے۔ دوست کے ساتھ ساتھ وہ اس کے نبی ہیں' جن پر وہ ایمان لائے ہیں۔ وہ آپ کی ہر بات کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ وہ تو آپ کے بارے میں کسی خارجی دلیل کے طلبگار بھی نہیں ہیں۔ ان کی باتوں ہی سے ان کے دل کا درد ظاہر ہے لیکن وہ صبر کرتے ہیں۔ درد پر قابو پاتے ہیں اور اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں خدا کی قسم دور جاہلیت میں بھی ہم پر یہ الزام نہیں لگا۔ کیا اسلام میں ہم اس پر رانسی ہوں گے۔ یہ وہ بات ہے جس میں سخت تلخی چھپی ہوئی ہے یہاں تک کہ ان کی بیٹی جو بیمار بھی ہے سخت عذاب میں گرفتار ہے۔ وہ درخواست کرتی ہے کہ آپ رسول اللہؐ کی بات کا جواب دیں تو صدیق کہتے ہیں خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

ام رومان زوجہ صدیقؓ وہ اپنی زخم خوردہ بیٹی کو ہر قسم کی تسلی دیتی ہے۔ اس کی بیمار بیٹی اس قدر روتی ہے کہ شاید اس کا کلیجہ نکل آئے۔ وہ کہتی ہے بیٹی ذرا اپنے اوپر رحم کرو۔ خدا کی قسم جب بھی کوئی خوبصورت عورت کسی مرد کو محبوب ہوئی ہے اور اس کی سوکنیں ہوتی ہیں تو انہوں نے اس پر طرح طرح کے الزام لگائے ہیں۔ لیکن ان کی یہ تسلیاں اس وقت کافور ہو جاتی ہیں جب عائشہؓ والدہ سے کہتی ہیں کہ تم میری طرف سے رسول اللہؐ کو جواب دو۔ تو وہ بھی یہی کہتی ہیں جو اس کے خاوند نے کہا تھا کہ خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا بات کر سکتی ہوں۔

اور وہ مسلم' پاکباز اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی عجیب پوزیشن میں ہے۔ اس پر اپنے نبی کی بیوی کے ساتھ برائی کا الزام ہے؟ اسلام کے ہوتے ہوئے یہ عظیم الزام۔ اس کی دیانت و امانت' اس کا شرف اور اس کی حمیت داؤ پر لگی ہے۔ بلکہ اس کا اسلام خطرے میں ہے۔ جب وہ اس الزام کے بارے میں سنتا ہے تو بے ساختہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے تو کسی عورت کے کاندھے کو بھی ننگا نہیں کیا۔ وہ تو اس گناہ کے تصور سے بھی پاک ہے۔ پھر وہ سنتا ہے کہ حسان ابن ثابت اس کے بارے میں نازیبا الفاظ کہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر اڑا دے مگر وہ رک جاتا ہے کیونکہ وہ مسلمان اور ایک مومن ہے اور مومن پر تلوار اٹھانا حرام ہے۔ اس پر جو گزر رہی ہے وہ اس کی برداشت سے زیادہ ہے وہ تو بے قابو ہوا چاہتا ہے۔

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم' جو اللہ کے رسول ہیں۔ آپ بنی ہاشم کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے گھرانے پر حملہ ہوا ہے۔ گھرانے میں سے بھی عائشہؓ پر؟ آپ کے گھر پر اور آپ کی محبوب ترین بیوی پر۔ کوئی غیور عرب اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک ماہ گزر گیا ہے۔ مدینہ کے لوگ چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ لیکن آپ برداشت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی سب کچھ دیکھ رہا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ایک ماہ گزر جائے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو انسان ہیں۔ ان کو بھی ایک انسان کی طرح درد اور دکھ محسوس ہوتا ہے۔ ان کا دل بھی دکھا ہوا ہے۔ آپ بھی وحشت محسوس کرتے ہیں کیونکہ اللہ کا نور جو ہر معاملے میں آپ کے دل کو ہمیشہ روشن کر دیتا ہے اور راستہ صاف کر دیتا ہے اس میں دیر ہو رہی ہے۔ اگرچہ آپ کی بیوی کی براءت کے قرائن موجود تھے۔ مگر انسان کا دل بہرحال شک کا محل ہوتا ہے۔ صرف قرائن سے مکمل اطمینان نصیب نہیں ہوتا جبکہ مدینہ کی پوری بستی اس آگ میں جل رہی ہے۔ آپ کے دل میں بھی اپنی محبوب بیوی کے بارے میں شک گزرتا ہے۔ آپ اس شک کو دل سے دور نہیں کر سکتے۔ بہرحال آپ بھی انسان

Marfat.com
Marfat.com

اور بشر ہیں۔ انسانوں کی طرح آپ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ آپ خاوند ہیں لیکن بیوی کے پاس نہیں جا سکتے اور جب کسی انسان کے دل میں شک کا بیج بو دیا جاتا ہے اور وہ مستقلاً دل میں بیٹھ جاتا ہے تو یہ شک پھر دلیل قطعی اور فیصلہ کن واقعہ ہی سے نکل سکتا ہے۔

آپؐ کے دل پر یہ بوجھ طاری ہو جاتا ہے۔ آپؐ اپنے محبوب اسامہ ابن زید جو آپؐ کو بہت محبوب اور آپؐ کے دل کے قریب تھے۔ آپ اپنے داماد اور چچازاد علیؓ ابن ابی طالب کو بھی بلاتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی آپؐ مشورہ کرتے ہیں۔ جہاں تک حضرت علیؓ کا تعلق ہے آپ تو حضورؐ کے عصبات میں سے ہیں۔ اس وجہ سے بھی ان کے جذبات بہت تیز ہیں۔ پھر حضور اکرمؐ جس کرب اور رنج اور اذیت کو جھیل رہے ہیں وہ بھی حضرت علیؓ پر بارگراں ہے۔ کیونکہ آپ چچازاد ہیں۔ آپ مشورہ دیتے ہیں کہ اللہ نے آپؐ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے لیکن حضورؐ کے دلی اطمینان کے لیے یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ حضرت عائشہؓ کے بارے میں لڑکی سے پوچھیں' خدمتگار لڑکی سے۔

جہاں تک اسامہ کا تعلق ہے وہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی بیوی کی کس قدر محبت ہے اور آپ ایک عرصہ سے اپنی اہلیہ سے جدا ہیں تو وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ ام المومنین پاک و صاف ہیں اور جو لوگ الزام لگاتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس انسانی پریشانی اور اس انسانی قلق میں حضرت اسامہ اور لڑکی کی باتوں اور شہادت سے حوصلہ پاتے ہیں۔ اور آپ لوگوں کو مسجد میں بلا کر ان کے سامنے یہ معاملہ رکھ دیتے ہیں۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا: ''کون ہے جو ان لوگوں سے پوچھے جنہوں نے ان کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ ان کی بیوی پر الزام لگایا ہے اور مسلمین میں سے ایک فاضل اور شریف شخص پر الزام لگایا ہے۔ ایسا شخص جس کے بارے میں کوئی بری بات نہیں جانتا''۔ اس موقعہ پر اوس اور خزرج کے درمیان کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے حالانکہ وہ مسجد رسولؐ میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود موجود تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عجیب و غریب وقت میں مسلمانوں پر کیسے خوفناک سائے منڈلا رہے تھے اور مدینہ کی فضا کیسی تھی۔ خود قیادت کا تقدس داؤ پر لگا ہوا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بھی چبھن تھی اور جو روشنی (وحی) ایسے حالات میں راستہ دکھاتی رہتی تھی وہ بھی بند تھی۔ ایسے حالات میں حضورؐ عائشہؓ کے پاس جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ لوگ کیا کہتے ہیں اور آپ سے بیان لیتے ہیں۔ مفصل بیان۔

جب یہ مصائب اس طرح اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رسول اللہؐ پر اور مسلمانوں پر رحم فرماتے ہیں۔ قرآن مجید نازل ہوتا ہے اور عائشہ صدیقہ کی براءت کا اعلان ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی صفائی میں کلام الٰہی آ جاتا ہے اور ان منافقین کا پول کھل جاتا ہے جنہوں نے اس فتنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پھر اسلامی سوسائٹی کو ایسے حالات میں مستقلاً ہدایات دے دی گئیں اور قانون سازی اور اخلاقی ضابطہ بندی کر دی گئی۔

قرآن کریم کی ان آیات کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ میں تو جانتی تھی کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ میری بے گناہی کی شہادت دے دے گا۔ لیکن میرا خیال یہ نہ تھا کہ میرے اور میری بے گناہی کے بارے میں قرآن کریم نازل ہو گا اور پھر یہ قرآن قیامت تک پڑھا جائے گا۔ میرے خیال میں' میں اس قابل نہ تھی کہ میرے بارے میں اللہ تعالیٰ کلام کرے گا اور وہ کلام پڑھا جائے گا۔ ہاں یہ بات میں جانتی تھی اور امید کرتی تھی کہ شاید رسول اللہؐ کوئی

Marfat.com

خواب دیکھ لیں اور اس میں میری براءت ہو جائے"۔

اس تفصیلی بیان سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ معاملہ صرف حضرت عائشہؓ کی ذات کا معاملہ نہ تھا۔ بلکہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی متعلق تھا۔ اس واقعہ نے امت مسلمہ کی قیادت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا بلکہ اس کی زد رسول اللہؐ اور ذات باری کے تعلق پر پڑ رہی تھی۔ یہ صرف حضرت عائشہؓ کی ذات پر الزام نہ تھا بلکہ یہ اسلامی نظریہ حیات' اسلام کے نبی اور اسلام کے بانی پر الزام تھا اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں خود اپنا فیصلہ نازل کیا تاکہ اس سازش کے تار و پود بکھیر دیئے جائیں۔ اور اسلام اور رسولؐ اسلام کے خلاف جو سازش منافقین نے تیار کی تھی اسے ختم کر دیا جائے اور اس کے پیچھے جو راز اور حکمت تھی' اللہ اسے ظاہر کر دے کیونکہ اس کا علم صرف اللہ کو تھا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُ وْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

(۲۴: ۱۱) "جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔ اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے تو عذاب عظیم ہے"۔

یہ چند لوگ نہ تھے بلکہ ایک ٹولہ تھا۔ یہ لوگ آپس میں ملے ہوئے تھے اور ان سب کا ایک ہی ہدف تھا۔ صرف عبداللہ ابن ابی ابن السلول واحد شخص نہ تھا جس نے یہ جھوٹ پھیلایا۔ ہاں یہ شخص اس کے بڑے حصے کا ذمہ دار تھا۔ یہ گروہ کون تھا۔ یہ یہودیوں اور منافقین کا گروہ تھا۔ یہ لوگ میدان جنگ میں اسلام کے مقابلے پر شکست کھا گئے تھے اور اب پس پردہ رہ کر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ افک کا یہ واقعہ ان کی سازشوں میں سے ایک سازش تھی اس معاملہ میں بعض مومنین بھی شامل ہو گئے تھے۔ مثلاً حمنہ بنت جحش' حضرت حسان ابن ثابت' مسطح ابن اثاثہ۔ لیکن اصل سازش اس گروہ نے تیار کی تھی۔ اور اس گروہ کا سرغنہ عبداللہ ابن ابی ابن السلول تھا۔ یہ اس قدر مکار تھا کہ وہ اس مہم میں خود ظاہر ہو کر نہ آیا تھا۔ بظاہر اس نے کوئی بات نہ کی تھی کہ اسے پکڑا جا سکے اور اس پر حد جاری کی جا سکے۔ یہ ان لوگوں کے ساتھ کانا پھوسی کرتا تھا جو اس کے معتمد علیہ تھے اور اس کے خلاف شہادت دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ یہ مہم اس قدر مہارت سے چلا رہا تھا کہ پورا مدینہ ایک ماہ تک آتش فشاں اور زلزلہ خیز فضا میں جلتا رہا۔ لوگ اس دنیا کے پاکیزہ ترین گھر کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ یہاں آیات میں آغاز کلام ہی میں اس اصل موضوع کے بارے میں کہا جاتا ہے تاکہ اس کی اہمیت واضح ہو۔ اور لوگوں کو معلوم ہو کہ اس کی پشت پر ایک گروہ ہے جو اسلام کے خلاف اس قدر گہری سازش تیار کر رہا ہے اور یہ ایک عظیم حملہ تھا اسلام اور اہل ایمان اور ذات نبی کے خلاف۔

اس کے بعد جلدی سے مطمئن کر دیا جاتا ہے۔

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ (۲۴: ۱۱) "اس واقعہ کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو' بلکہ

Marfat.com

Marfat.com

یہ تمہارے لیے خیر ہی ہے"۔ یہ تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے اہل بیت کے عنوان سے یہ دراصل اسلام کے دشمن ہیں جنہوں نے افک کی سازش کو تیار کیا۔ اس واقعہ سے اس بات کی ضرورت کو بھی تسلیم کر لیا گیا کہ حد قذف اسلامی نقطہ نظر سے کس قدر ضروری ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر زبانوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو اس کے نتیجے میں پاک دامن عورتوں پر کس قدر زبانیں اٹھیں گی اور اسلامی جماعت اور نئی اسلامی سوسائٹی کے لیے کس قدر خطرات پیدا ہو جائیں گے۔ یہ الزامات رسول کے گھر تک بھی پہنچ سکتے ہیں اور اعلیٰ گھرانوں کو بھی تباہ کر سکتے ہیں جس کے نتیجے میں سوسائٹی کے اندر شرم و حیا اور احتیاط اور پاکیزگی اور احترام آدمیت ختم ہو سکتے ہیں۔

نیز اس سے اسلامی سوسائٹی کو یہ سبق بھی سکھایا گیا کہ اس نے اس قسم کے جذباتی اور اشتعال انگیز امور سے کس طرح نمٹنا ہے اور جذباتی معاملات میں بھی وقار اور سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا۔

رہے وہ آلام اور اذیتیں جو رسول اللہ' ان کے گھرانے' اور تمام مومنین نے برداشت کیے تو وہ ایسے تجربات کی قیمت ہوتے ہیں جو ان آزمائشوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ آزمائش میں اس قسم کی قربانی دینا پڑتی ہے اور فرائض کی ادائیگی میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں۔

وہ لوگ جو اس افک کے معاملے میں سرگرم رہے ان میں سے ہر ایک نے اپنے جرم کے مطابق اس میں سے حصہ پایا۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ (۲۴: ۱۱) "جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنائی گناہ سمیٹا"۔ اسے اپنے جرم کے مطابق قیامت میں سزا ملے گی۔ انہوں نے جو کچھ کمایا وہ ان کے لیے اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ایسا جرم ہے جس پر ان کو دنیا کی زندگی میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی سزا ملے گی۔

وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۲۴: ۱۱) "اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے عذاب عظیم ہے"۔ وہ شخص جس نے اس گناہ کے بڑے حصے کو اپنے سر لیا' جس نے اس حملے کی قیادت کی' اس مہم کو چلاتا رہا اور اس نے اس مہم کو گرمایا وہ عبداللہ بن ابی ابن السلول تھا۔ یہ رئیس المنافقین کے لقب سے مشہور تھا اور ہے۔ اس نے اس سازش کے جھنڈے اٹھا رکھے تھے۔ یہ شخص خوب جانتا تھا کہ وہ کس جگہ میدان جنگ گرمائے۔ اگر اللہ تمام امور پر محیط نہ ہوتا۔ اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا ہوتا۔ اور اپنے رسول کے لیے بچاؤ کا انتظام نہ کرتا تو یہ شخص کیا کچھ نہ بنا دیتا۔ روایات میں آتا ہے کہ جب صفوان ابن معطل ام المومنین کے کجاوے کو لے کر کیمپ میں پہنچے تو ابن السلول اپنے کچھ لوگوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ تو اس نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے تو لوگوں نے کہا یہ عائشہؓ ہے تو اس نے کہا خدا کی قسم یہ اس سے نہ بچ سکی ہوگی اور نہ وہ اس سے بچ سکا ہوگا۔ اور پھر کہا دیکھو تمہارے نبی کی بیوی' وہ رات ایک مرد کے ساتھ رہی۔ صبح تک اور وہ ہے کہ اب اسے لے کر آ رہا ہے۔

یہ باتیں وہ رات اور دن اپنے اعتمادی لوگوں کے درمیان پھیلاتا رہا اور گہری منافقانہ چالیں چلتا رہا۔ اس کی چالیں اس قدر کامیاب رہیں کہ مدینہ میں یہ ناقابل تصدیق افتراء جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ حالانکہ قرائن سب کے سب اس کے خلاف تھے۔ یہاں تک کہ غیر محتاط دیندار مسلمانوں نے بھی باتیں شروع کر دیں اور پورے ایک ماہ تک

Marfat.com

مدینہ میں یہی بات موضوع سخن رہی حالانکہ یہ اس قدر سطحی قسم کا افتراء تھا کہ اس کو سنتے ہی رد کیا جا سکتا تھا۔

انسان آج بھی اس بات پر یقین نہیں کر سکتا اور حیران رہ جاتا ہے کہ اس قسم کا گھٹیا الزام کس طرح مدینہ کے اندر پھیل گیا اور پھر جماعت مسلمہ کے اندر بھی بعض غیر محتاط لوگوں نے اس میں کلام کرنا شروع کر دیا۔ یوں ان بلند ترین پاکیزہ ہستیوں کو اس افتراء سے اس قدر اذیت جھیلنا پڑی۔ خصوصاً سرور کونین کو۔

یہ ایک عظیم اعصابی جنگ تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بے جگری سے یہ جنگ لڑی۔ جماعت مسلمہ نے یہ جنگ لڑی اور پورے اسلام نے یہ جنگ لڑی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلام اور کفر کے معرکوں میں سے یہ سخت معرکہ تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اس معرکے سے سرخرو ہو کر نکلے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقار کا دامن تھامے رکھا۔ صبر جمیل کا دامن تھامے رکھا اور یہ ثابت کر دیا کہ آپ عظیم انسان ہیں۔ اس پورے عرصے میں کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ نے کسی بھی مرحلے میں بے صبری کا مظاہرہ کیا ہو۔ جس طرح کا درد اور دکھ اور چبھن آپ محسوس کر رہے تھے وہ پوری زندگی میں آپ نے کبھی نہ جھیلے تھے۔ لیکن آپ نے سب کچھ چھپائے رکھا۔ اسلام کبھی بھی اس قسم کے فتنے سے دوچار نہ ہوا تھا۔ اس طرح اس اعصابی جنگ اور پروپیگنڈے کی جنگ کی وجہ سے امت مسلمہ کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

حالانکہ اگر کوئی اپنے دل میں ذرا بھی غور کرتا تو وہ صحیح نتیجے تک پہنچ سکتا تھا۔ اگر کوئی دل سے فتویٰ پوچھتا تو دل اس کو فتویٰ دے دیتا۔ اگر فطری انداز کوئی اختیار کرتا تو فطرت کا استدلال اس کی سمجھ میں آ جاتا۔ قرآن کریم کی تعلیم تو یہی تھی کہ تم لوگ حالات کا تجزیہ کرو، غور و فکر کرو اور قاضی عقل کے سامنے بھی اپنے معاملات کو پیش کرو۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ (۲۴ : ۱۲) ”جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے؟“ ہاں یہ درست ہے کہ اہل ایمان سنتے ہی یہ کہہ دیتے۔ وہ اپنے بھائیوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لیتے تو یہ ان کے لیے اچھا ہوتا۔ اور یہ فرض کر لیتے کہ ایک مسلمان اس قدر گندے کام میں ملوث نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کے نبی کی پاک بیوی اور ان کے بھائی مسلم۔ یہ تو خود ان میں سے تھے۔ نہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حریم اور نہ اس صحابی کے ساتھ یہ بات لائق تھی جو انہوں نے سنی۔ ان کو حسن ظن کا معاملہ رکھنا چاہئے تھا جیسا کہ ابو ایوب خالد ابن زید انصاری اور ان کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔ امام ابن اسحاق نے روایت کی ہے۔ ابو ایوب کو اس کی بیوی ام ایوب نے کہا تم سنتے نہیں ہو کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اس نے کہا ہاں میں بھی سنتا ہوں لیکن یہ جھوٹ ہے۔ ام ایوب کیا تم ایسا کرتیں، ہو؟ تو اس نے کہا نہیں خدا کی قسم میں تو ہرگز ایسا نہ کرتی۔ تو پھر عائشہ تو تم سے بہتر ہیں۔ امام محمود ابن عمر زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں نقل کیا ہے۔ کہ ابو ایوب نے ام ایوب سے یہ کہا کہ تم دیکھتی ہو لوگ کیا کہتے ہیں تو اس نے کہا اگر تم صفوان کی جگہ ہوتے تو کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کے بارے میں سوچ سکتے تھے۔ تو اس نے کہا ہرگز نہیں۔ اگر میں عائشہ کی جگہ ہوتی تو میں رسول اللہ کے ساتھ خیانت نہ کرتی۔ عائشہ مجھ سے اچھی ہیں اور صفوان تم سے اچھے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

یہ دونوں روایات یہ بتاتی ہیں کہ بعض مسلمانوں نے اس مسئلے پر اپنے ہاں غور کیا تھا۔ اپنے دل سے استفتاء کیا تھا اور ان کے عقول نے ان کو یہ باور کرا دیا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اور یہ بات غلط ہے کہ مسلمانوں میں سے کسی کی طرف اس قسم کی کراہت کو منسوب کیا جائے اور وہ بھی محض شبہے کی بناء پر محض بدظنی کی بناء پر۔

یہ تو پہلی راہ ہے جس کی نشاندہی قرآن مجید کرتا ہے کہ کسی بھی معاملے میں ذرا گہرے غور اور قیاس کے بعد کوئی رائے قائم کرو۔ اپنے نفس سے پوچھو' اپنے وجدان سے پوچھو' اور دوسری جگہ قرآن یہ بتاتا ہے کہ کسی بھی معاملے میں تمہارے پاس دلیل ہونا چاہئے۔ بغیر دلیل و برہان کے ایسے نازک معاملات میں فیصلہ نہیں ہونا چاہئے۔

لَوْلَا جَآءُ وْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (۲۴:۱۳) ''یہ افتراء جس نے نہایت ہی بلند مقامات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے' پاک ترین لوگوں کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ اسے تو اس قدر آسان اور سہل نہ سمجھنا چاہئے تھا۔ بغیر ثبوت کے اس کی اشاعت کیوں ہوئی اور کیوں اس قدر چرچا ہوا۔ کیوں یہ نقل در نقل ہوتی رہی بغیر شہادت کے۔ اس الزام کے حق میں تو کوئی شہادت نہ تھی لہٰذا سمجھ لینا چاہئے تھا کہ یہ جھوٹ بکا جا رہا ہے۔ یہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ حقیقت واقعہ کے مطابق جھوٹے ہیں اور اللہ کا فیصلہ اور اللہ کا حکم تو بدلتا نہیں۔ اس لیے یہ ان لوگوں کی اب دائمی صفت ہے جنہوں نے افتراء میں حصہ لیا اور یہ کبھی بھی اس کے نتائج سے بچ کر نکل نہیں سکتے۔

یہ ہیں دو طریقے۔ ایک یہ کہ کسی بھی معاملے کو سب سے پہلے عقل و قیاس کے مفتی کے سامنے پیش کر دو۔ خود اپنے قلب و ضمیر میں اس کا فیصلہ کرو۔ اور دوسرا طریقہ ہے قانون ثبوت کا۔ حادثہ افک میں عام لوگوں نے یہ دونوں طریقے استعمال نہ کیے اور منافقین کی چال میں سب لوگ آ گئے۔ پھر بعض اہل ایمان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف چلائی ہوئی اس مہم میں شریک ہو گئے۔ جبکہ یہ ایک عظیم معاملہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ڈراتے ہیں کہ وہ آئندہ محتاط رہیں۔ دوبارہ یہ حرکت نہ کریں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۲۴:۱۴) ''اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم و کرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آ لیتا''۔ اللہ تعالیٰ نے نئی تشکیل پانے والی جماعت مسلمہ کے لیے یہ واقعہ بطور آزمائش رونما کرایا تو اللہ نے ان کو اپنے فضل اور رحم و کرم کے ذریعہ یوں خوش اسلوبی سے حل کرا دیا۔ اس عظیم غلطی پر کسی کو سزا نہ دی ورنہ یہ فعل تو سخت سزا کا مستحق تھا کیونکہ اس واقعہ کے ذریعہ اہل مدینہ نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت اذیت دی تھی۔ لہٰذا مناسب تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سخت سزا دیتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اس واقعہ میں آپ کے صدیق ساتھی' آپ کی محبوب اہلیہ اور ایک صادق اور پاکباز مسلمان کو اذیت دی گئی۔ پھر اس عظیم شر کی وجہ سے اسلام کے تمام مقدسات کو ہلا کر رکھ دیا گیا۔ منافقین نے یہ سازش اس قدر گہرائی

Marfat.com
Marfat.com

ت تیار کی تھی کہ وہ اسلامی نظریہ حیات کی بنیادوں ہی کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اگر نبی پر اہل ایمان کا اعتماد ہی نہ رہے اور نبی کے خاندان پر نہ رہے اور پھر وحی الٰہی پر نہ رہے تو ظاہر ہے کہ اسلام ختم ہی سمجھا جائے گا اور ایسے حالات کا تقاضا یہ تھا کہ اس فتنے کے حاملین کو سخت سزا دی جاتی اور ان پر اللہ کا عذاب بھی آتا مگر اللہ نے فضل وکرم کیا کہ اس آزمائش میں مسلمان کامیاب رہے۔

اس پورے مہینے میں مدینہ کی جو صورت حالات تھی اس کا اظہار قرآن کریم کے ان الفاظ سے اچھی طرح ہو جاتا ہے کہ مدینہ میں کس قدر فکری انتشار تھا۔ لوگوں کے معیار کس قدر بدل گئے تھے۔ ان کی اقدار اور پیمانے کس طرح بدل گئے تھے۔ اس وقت وہ کیسی غلطی کر رہے تھے۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ (۲۴: ۱۵) "جبکہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جا رہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی"۔ یعنی لوگوں کی حالت یہ تھی کہ وہ نہایت ہی اہم اور حساس موضوع پر نہایت ہی لاابالی پن سے گفتگو کر رہے تھے اور بالکل غیر محتاط ہو گئے تھے۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ (۲۴: ۱۵) "جب تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جا رہی تھی"۔ بغیر کسی تدبر، بغیر کسی غور وفکر، بغیر کسی تحقیق وتفتیش کے ایک بات تھی جو لوگ کہتے چلے جاتے تھے۔ گویا یہ بات کانوں کے ذریعے دل و دماغ تک غور کے لیے پہنچ نہ پاتی تھی کہ اسے دوسری زبان اچک لیتی تھی۔

وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ (۲۴: ۱۵) "اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہتے تھے جس کا تمہیں علم نہ تھا"۔ منہ سے کہتے تھے مگر اس کا تمہیں یقینی علم نہ تھا۔ تمہارے دل و دماغ اسے حقیقت کے طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ الفاظ تھے جو زبانوں پر جاری ہو گئے۔ کسی علم و ادراک سے یہ باتیں ثابت نہ تھیں۔ پھر وَ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ (۲۴: ۱۵) "تم اسے معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی بات تھی"۔ یعنی تم رسول اللہؐ کی حریم پر الزام لگا رہے تھے۔ تم رسول اللہؐ اور ان کی اہلیہ کے لیے وہ درد پیدا کر رہے تھے جس سے ان کا خون خشک ہو رہا تھا۔ پھر تم حضرت صدیق اکبرؓ کے گھر پر الزام لگا رہے تھے جن پر جاہلیت کے دور میں بھی کوئی الزام نہ لگا تھا۔ تم رسول اللہؐ کے ایک مجاہد صحابی پر یہ الزام لگا رہے تھے جبکہ وہ پاک تھا۔ پھر ان الزامات سے رسول اللہؐ کی رسالت کی توہین ہو رہی تھی۔ یہ تمام باتیں اللہ کے نزدیک اس قدر عظیم تھیں کہ قریب تھا کہ پہاڑ ٹل جائیں اور آسمان تم پر ٹوٹ پڑے اور تمہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا جائے۔

مناسب تو یہ تھا کہ یہ بات سنتے ہی مسلمانوں کے دل اس سے بدک جاتے۔ اس بات کو زبان پر نہ لایا جاتا اور اس کو موضوع بحث بنانے سے گریز کیا جاتا۔ اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول پر چھوڑ دیا جاتا اور اس جھوٹی سازش کو

Marfat.com

مدینہ کی پاک اسلامی فضا سے گند کی طرح دور پھینک دیا جاتا۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (۲۴:۱۶) "کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا' سبحان اللہ یہ تو بہتان عظیم ہے۔ جب یہ بات مسلمانوں کے دلوں میں اتار دی جاتی ہے کہ لوگوں سے کس قدر عظیم کوتاہی ہوئی ہے اور دلوں کو اچھی طرح جھنجھوڑ دیا جاتا ہے۔ لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ ان سے کس قدر عظیم کوتاہی ہوئی ہے تو پھر لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے کہ دیکھو آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ یہ تم نے بہت ہی عظیم جرم کیا ہے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ (۲۴:۱۷) "اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو"۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ "اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے"۔ مؤثر تربیتی انداز میں بات ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں کہ غلطی کے بعد لوگوں کو احساس ہو گیا کہ تم نے کس قدر عظیم غلطی کی ہے۔ ایسے حالات میں جبکہ لوگ سمع و اطاعت اور اعتبار کے لیے تیار ہیں۔ ان کو سخت الفاظ میں تنبیہ بھی کر دی جاتی ہے کہ اس حرکت کا اعادہ نہ کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارا ایمان خطرے میں ہو گا کیونکہ مومن نصیحت قبول کرتے ہیں اور جب ان کو کھول کر بتا دیا گیا ہے کہ انہوں نے کس قدر برا کام کیا ہے تو اب ان کا فرض ہے کہ اگر وہ مومن ہیں تو اس کا اعادہ نہ کریں۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۲۴:۱۸) "اللہ تمہیں صاف صاف ہدایات دیتا ہے وہ علیم و حکیم ہے"۔ جیسا کہ افک کے معاملے میں اس نے تمہیں ہدایات دیں' اس کی تہ میں پوشیدہ مقاصد کو واضح کیا اور خود اہل اسلام سے جو کوتاہیاں ہوئیں اور اللہ چونکہ علیم ہے اس لیے وہ تمام لوگوں کی نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ ہر شخص نے اس معاملے میں جو حصہ لیا اور اس کے پیش نظر جو مقصد تھا اس کو اللہ جانتا ہے کیونکہ وہ دلوں کے خفیہ بھیدوں کو جانتا ہے اور اس معاملے میں اللہ نے جو جوابی تدابیر اختیار کیں وہ حکمت پر مبنی ہیں۔ نیز وہ جو قانون وضع کرتا ہے وہ گہری حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور ان میں لوگوں کی اصلاح و فلاح ہوتی ہے۔

---oooo---

اس کے بعد اب واقعہ افک پر ایک تبصرہ آتا ہے۔ اس واقعہ کے جو آثار اور اثرات معاشرے کے اندر رہ گئے تھے ان کو بالکلیہ مٹانے اور نفوس مسلمہ کو اس سے پاک کرنے کے لیے مکرر طور پر مسلمانوں کو ڈرایا جاتا ہے کہ ایسا سانحہ دوبارہ واقع نہ ہونا چاہئے۔ اس بار تو اللہ نے فضل و کرم کر دیا لیکن آئندہ جو لوگ بے خبر پاک دامن عورتوں پر اس قسم کے الزامات عائد کریں گے دنیا و آخرت دونوں میں وہ عذاب الٰہی سے بچ نہ سکیں گے۔ یہ وعید اس لیے لائی گئی کہ دنیاوی تعلقات اور دنیاوی موجوں سے بلند ہو کر ان کی صفوں میں از سر نو تطہیر اور روشنی آ جائے۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ اور ان کے ایک قریبی رشتہ دار مسطح ابن اثاثہ کے درمیان تعلقات کی تطہیر ہوئی۔ یہ شخص بھی ان دنوں اس بحران میں بہت

Marfat.com
Marfat.com

تن سرگرم ہو گیا تھا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۴:۱۹) "جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔ وہ لوگ جنہوں نے پاک دامن عورتوں پر الزامات عائد کیے خصوصاً وہ لوگ جنہوں نے حریم نبوی پر بے بنیاد الزام لگانے کی جرأت کی ان لوگوں کی اصل خواہش یہ ہے کہ یہ جماعت مسلمہ کے اندر سے بھلائی اور عفت اور پاکیزگی کے اعتماد کو متزلزل کر دیں اور فحاشی کا اس قدر جھوٹا ڈھنڈورا کریں کہ لوگ اس کے بارے میں دلیر ہو جائیں۔ لوگ یہ کہیں کہ یہ بے حیائی تو بڑے لوگوں میں عام ہے۔ اس طرح وہ جھوٹے قصوں سے فحاشی کی مجالس گرم کر کے اس کو عام کر دیں۔

یہ ہے ان جھوٹے الزاموں کا اثر۔ قرآن کریم یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ جھوٹے الزامات کی وجہ سے فحاشی پھیلتی ہے اس لیے ایسے لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب الیم تجویز کیا گیا ہے۔

قرآن کے انداز تربیت کا یہ ایک انداز ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ قانون اور سزا انتہائی تدابیر میں سے ایک تدبیر ہے اور یہ تدابیر اللہ ہی اختیار کر سکتا ہے جو انسانی نفسیات کا خالق ہے اور وہی اچھی طرح جانتا ہے کہ انسانی شعور کو ان کیفیات میں رنگا جا سکتا ہے اور اس کے رخ کو کس انداز سے اچھی سمت دی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۴:۱۹) "اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو"۔ انسانی نفسیات کو اس ذات سے زیادہ کون جانتا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے اور انسانی طرز عمل کو اچھے انداز میں کون چلا سکتا ہے ماسوائے اس کے جس نے اس کو وجود بخشا ہے۔ کون ہے جو ظاہر اور باطن سے واقف ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے وہی تو علیم و خبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ دوبارہ مسلمانوں کو اپنے فضل و کرم کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (۲۴:۲۰) "اور اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم و کرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ شفیق و رحیم ہے تو....." تو یہ حادثہ بڑا ہی عظیم تھا اور جو غلطی تم سے ہو گئی وہ کوئی معمولی غلطی نہ تھی۔ اور اس کے اندر جو شرارت پوشیدہ تھی وہ تمہیں خوب نقصان پہنچا دیتی۔ لیکن یہ اللہ کا فضل اور اس کا رحم و کرم تھا اور اس کی مہربانی اور اس کی نگرانی تھی کہ اس نے اس امر عظیم کے برے نتائج کو کنٹرول کر لیا۔ یہ بات اللہ بار بار ذکر فرماتا ہے۔ اس واقعہ کو اللہ ذریعہ تربیت بنا رہا ہے کیونکہ اس کے اثرات مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر پڑ رہے تھے۔

جب یہ باور کرا دیا گیا کہ یہ عظیم فتنہ قریب تھا کہ تحریک اسلامی کے اجتماعی نظام کو تہس نہس کر دے اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو اب بتایا جاتا ہے کہ ذرا سوچو تو سہی کہ تم تو شیطانی نقوش قدم پر چل پڑے تھے جو تمہارا ابدی دشمن ہے۔

Marfat.com

تمہیں شیطان کے قدموں پر نہیں چلنا چاہئے۔ آئندہ کے لیے اس قسم کی شیطانی حرکات سے باز رہو جن کے نتیجے میں پوری سوسائٹی ایسے شر کا شکار ہو جائے جس طرح جنگل میں آگ لگ جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۲۴: ۲۱) ”اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ تو اسے فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہو سکتا۔ مگر اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے“۔

کیا یہ کوئی اچھا منظر ہو گا کہ شیطان قدم رکھتا جائے اور اس کے نقوش قدم پر ایک مومن قدم رکھتا جائے حالانکہ تمام انسانوں کے مقابلے میں مومن اس کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ شیطان سے نفرت کرے اور شیطان کی مقرر کردہ راہ سے دور جا کر سیدھی راہ پر چلے۔ یہ تو ایک مکروہ صورت ہے جس سے ایک مومن نفرت کرتا ہے۔ اس کا وجدان اور شعور ہی اس منظر سے کانپ اٹھتا ہے۔ اس کا خیال کرتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اتباع شیطان کی یہ تصویر کشی ایک مومن کو چوکنا کر دیتی ہے اور وہ شیطان کی راہ پر چلنے سے حساس ہو جاتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (۲۴: ۲۱) ”شیطان کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ اسے فحش اور منکر ہی کا حکم دے گا“۔ اور واقعہ افک اس کا بہت ہی خوبصورت نمونہ ہے کہ اس میں اس نے پورے اہل مدینہ کو ملوث کر دیا۔ شیطان کے کارناموں میں سے یہ ایک مکروہ کارنامہ ہے۔

انسان بہت ہی ضعیف ہے۔ یہ شیطانی اکساہٹ کا شکار ہو سکتا ہے اور پھر گناہ میں ملوث بھی ہو سکتا ہے۔ صرف اللہ کا فضل وکرم ہی اسے بچا سکتا ہے لیکن اللہ کا فضل وکرم بھی اسے تب بچائے گا کہ یہ اللہ کے فضل وکرم کی طرف متوجہ تو ہو اور اللہ کے منہاج پر چلنے کی سعی تو کرے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ (۲۴: ۲۱) ”اگر اللہ کا رحم وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص بھی پاک نہ ہو سکتا“۔ اس لیے کہ یہ نور ربی ہی ہوتا ہے جو قلب میں روشنی پیدا کرتا ہے اور اسے پاک وصاف کر دیتا ہے۔ اگر اللہ کا فضل وکرم اور یہ نور نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی پاک وصاف نہ رہ سکتا۔ اللہ سمیع وعلیم ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے، پاک کر دیتا ہے بشرطیکہ اس کے اندر بھلائی کی استعداد ہو۔

اس تزکیہ اور طہارت کی تلقین کے بعد اب اہل ایمان کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس شر کے نتیجے میں جو تلخیاں پیدا ہو گئی

Marfat.com
Marfat.com

ہیں ان کو دور کر دو' جس طرح تم اللہ سے معافی کے امید وار ہو۔اسی طرح آپس میں بھی ایک دوسرے کو معاف کر دو۔

وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰي وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۲:۲۴) "تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار' مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔انہیں معاف کر دینا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے۔کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے"۔

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اس وقت عائشہ صدیقہؓ کی براءت کا اعلان ہو چکا تھا۔یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ مسطح ابن اثاثہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے افک کے معاملے میں باتیں کیں۔یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قریبی رشتہ دار تھے اور فقرائے مہاجرین میں سے تھے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ ان پر خرچ کیا کرتے تھے۔حضرت نے قسم اٹھالی کہ وہ آئندہ مسطح کو کوئی فائدہ نہ دیں گے۔

یہ آیت نازل ہوئی۔حضرت ابوبکرؓ اور مومنین کو یاد دہانی کرائی گئی کہ وہ خود جب غلطیاں کرتے ہیں تو یہ امید رکھتے ہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دیں گے تو خود بھی ان میں بعض اگر بعض لوگوں کے بارے میں غلطی کریں تو ان کو معاف کرنا چاہئے۔اور وہ جو بھلائی بھی کسی کے ساتھ کرتے تھے اسے نہ روکیں اگرچہ اس معاملے میں اس شخص سے غلطی ہوئی ہو۔

یہاں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ پاک دل لوگ کس قدر اونچی سطح کے لوگ تھے۔ان کے دلوں کو نور ربانی نے پاک کر دیا تھا۔حضرت صدیقؓ کا نفس کس قدر بلند اخلاقی کا نمونہ پیش کرتا ہے کہ اس واقعہ کے متاثرین میں سے وہ نہایت ہی گہرائی کے ساتھ متاثر ہوئے تھے۔انہوں نے اس بہتان کی تلخیوں کو بہت ہی زیادہ جھیلا تھا۔جب وہ اپنے رب کی نصیحت سنتے ہیں۔جب یہ سوال ان کے پردۂ وجدان کے ساتھ ٹکراتا ہے۔

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (۲۲:۲۴) "کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے" تو ان کی تمام رنجشیں ختم ہو جاتی ہیں۔اب قبائلی اور خاندانی سوچ ختم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ان کی روح شفاف اور صاف ہو جاتی ہے۔ان کے دل کی دنیا روشن ہو جاتی ہے۔وہ پکار اٹھتے ہیں ہاں میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ میرے گناہوں کو بخش دے۔وہ مسطح کی امداد بحال کر دیتے ہیں اور قسم اٹھاتے ہیں کہ جب تک وہ زندہ ہے اسے یہ امداد ملتی رہے گی۔یہ فیصلہ اس قسم کے بدلے میں ہے کہ میں کبھی اسے کوئی نفع نہ پہنچاؤں گا۔

یوں اللہ تعالیٰ اپنے رحم سے ان رنجیدہ دلوں کو جوڑتے ہیں اور اس معرکے کی وجہ سے ان کے اندر جو کدورتیں پیدا ہو گئی تھیں ان کو دھو ڈالتے ہیں تاکہ یہ معاشرہ جس طرح پاک اور روشن تھا دوبارہ اسی طرح پاک اور روشن ہو جائے۔

---O O O---

یہ مغفرت جس کا ذکر کیا گیا ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے غلطی کی اور پھر توبہ کر لی اور آئندہ کے لیے وہ کسی پر

Marfat.com
Marfat.com

الزام لگانے سے رک گئے۔ فحاشی کے پھیلانے کا کام انہوں نے چھوڑ دیا۔ رہے وہ لوگ جو اپنی خباثت کی وجہ سے پاک دامن عورتوں پر الزام لگاتے ہیں۔ پھر اس پر اصرار کرتے ہیں مثلاً عبداللہ بن ابی ابن السلول اور اس جیسے دوسرے منافق تو ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ ہوگی اور نہ انہیں معاف کیا جائے گا۔ اگر وہ اس دنیا میں قانون حد قذف سے بچ نکلے۔ اس وجہ سے کہ ان کے خلاف اسلامی حکومت کے پاس گواہی نہیں ہے۔ آخرت کا عذاب تو ان کے انتظار میں ہے۔ وہاں تو گواہیوں کی ضرورت نہ ہوگی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۲۳) یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۲۴) یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ (۲۴:۲۵) "جو لوگ پاک دامن' بے خبر' مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ وہ بدلہ انہیں بھرپور دے دے گا جس کے وہ مستحق ہیں اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا"۔

اللہ یہاں ان لوگوں کے جرم کو اس طرح پیش کر رہا ہے کہ کوئی عورت بے خبر اپنے کسی کام میں مشغول ہو اور اچانک اس پر تیروں کی بارش شروع کر دی جائے جس کی اسے توقع نہ ہو اور نہ اس نے اس کا کوئی دفاع سوچا ہو۔ اس طرح موجودہ مقدمہ میں ایک مطمئن بے گناہ عورت پر تیروں کی بارش شروع کر دی گئی جبکہ اسے اس طرح کی کسی بات کی توقع ہی نہ تھی۔ یہ اس قسم کا جرم ہے جو نہایت ناپسندیدہ' منکر اور ظالمانہ حملہ تھا۔ اس وجہ سے ایسی پلاننگ کرنے والوں کی سزا کا آغاز اللہ کی لعنت سے ہوگا۔ ان پر اللہ کی لعنت ہوگی اور دنیا اور آخرت دونوں میں وہ رحمت خداوندی سے محروم ہوں گے۔ پھر قیامت میں ان کا یہ حال ہوگا۔

یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ (۲۴:۲۴) "وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے"۔ ان میں سے بعض بعض پر الزامات عائد کر دیں گے کہ تم لوگ پاک دامن' بے خبر مومن عورتوں پر بہتان تراشی کرتے تھے۔ یہ اس منظر میں ایک نہایت ہی موثر تقابل ہے کہ جس طرح وہ جھوٹے الزامات لگاتے ہیں' اسی طرح ان کے خلاف سچے الزام ہوں گے۔

یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ (۲۴:۲۵) "اس دن اللہ وہ بدلہ انہیں بھرپور دے گا جس کے وہ مستحق ہیں"۔ اور اس دن اللہ ان کو شرمندہ کرے گا' اور یہ ان کی مناسب سزا ہوگی کیونکہ انہوں نے بے گناہوں کو شرمندہ کیا تھا۔ ان کا پورا پورا حساب ان کو دیا جائے گا اور اس دن ان کو پھر ان باتوں کا یقین آ جائے گا جن کا انہیں یقین نہ آ رہا تھا۔

Marfat.com
Marfat.com

وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ "اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا"۔

واقعہ افک کے اس سلسلہ کلام کا خاتمہ اس پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو اختیار دیا ہے اور جو لوگوں کی عملی زندگی میں موجود ہے اس کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ ایک خبیث نفس کا جوڑ خبیث نفس سے ہوتا ہے اور ایک طیب اور پاک نفس کا جوڑ پاک نفس سے ہوتا ہے اس اصول کے مطابق یہی ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ کا جوڑ پاک ترین نفس سے ہو جائے' لہذا ان لوگوں کا یہ الزام اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ قدرت کی تقسیم میں عائشہ صدیقہؓ حضرت محمدؐ کے حصے میں آئیں اس لیے وہ طیبہ ہیں۔

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ (۲۴:۲۶) "خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے۔ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے۔ ان کا دامن پاک ہے ان باتوں سے جو بنانے والے بناتے ہیں' ان کے لیے مغفرت ہے اور رزق کریم"۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے بے حد محبت تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے نبی کے لیے کس طرح چن سکتا تھا اگر وہ پاک نہ ہوتیں۔ یہ پاک لوگ اپنی فطرت کے اعتبار سے ان باتوں سے پاک ہیں اور ان کی طرف جن گندی باتوں کی نسبت کی جاتی ہے' وہ ان سے مبراء ہیں۔

ان کے لیے رزق کریم ہے قیامت میں اور گناہوں سے مغفرت ہے یعنی ان کی چھوٹی موٹی کوتاہیاں اللہ کے ہاں معاف ہو جاتی ہیں۔ ان آیات پر افک کے واقعات اب اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ ان واقعات کی وجہ سے امت مسلمہ نہایت ہی مصیبت میں گھر گئی تھی۔ اس واقعہ کے نتیجے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گھر کی طہارت اور عزت کا مسئلہ درپیش تھا۔ اور بڑی بڑی جنگوں کی آزمائشوں کے ساتھ ساتھ' داخلی محاذ کو مضبوط بنانے کے لیے یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس میں سے ابتدائی اسلامی جماعت کو گزارا گیا۔

---ooo---

Marfat.com

درس نمبر ۱۵۳ ایک نظر میں

جیسا کہ ہم نے اس سے قبل کہا ہے کہ اسلام ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل دینے میں صرف سخت سزاؤں پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اسلام سب سے پہلے جرائم کے لیے انسدادی اور امتناعی تدابیر اختیار کرتا ہے۔ نیز اسلام انسان کی فطری خواہشات کو نہ دباتا ہے اور نہ ان کی بیخ کنی کرتا ہے بلکہ وہ انسان کی فطری خواہشات کے لیے بھی ایک نہایت ہی پاکیزہ اور نارمل ماحول فراہم کرتا ہے جس میں کوئی جعلی اکساہٹ نہ ہو۔

اس سلسلے میں اسلام کے نظام تربیت کا بنیادی اصول سدباب کا ذریعہ ہے۔ اسلام بدراہ ہونے کے دروازے ہی بند کر دیتا ہے اور ان اسباب کو ختم کرتا ہے جو انسان کو بدراہ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں یا فتنے کے اسباب فراہم کرتے ہیں یا جن کی وجہ سے انسان کے جذبات میں اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ دوسری طرف اسلام لوگوں کو فطری تشفی کے اسباب بھی فراہم کرتا ہے' قانون کے دائرے کے اندر اندر۔

اسلام فیملی اور گھروں کی چار دیواری کا بے حد احترام کرتا ہے۔ چنانچہ پہلا اصول یہ طے کیا جاتا ہے کہ کسی کے گھر کے اندر اہل خانہ کی اجازت کے بغیر کوئی داخل نہ ہو۔ یہ محض اس لیے کہ آنے والے کی آنکھیں کوئی ایسا منظر نہ دیکھ لیں جس کو اہل خانہ خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اچانک داخل ہوتا ہے اور اہل خانہ غافل ہیں تو وہ اس منظر کو پسند نہ کریں گے۔ نیز اسلام یہ حکم بھی دیتا ہے کہ تمام مرد اور عورتیں نظریں نیچی رکھیں اور زیب و زینت کے ساتھ عورتیں باہر نہ نکلیں۔

اس کے ساتھ اسلام فقراء اور مساکین کو شادی کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے کیونکہ فحاشی کے خلاف بہترین ہتھیار یہ ہے کہ تمام لوگوں کو شادی کے محفوظ قلعے کے اندر داخل کر دیا جائے۔ نیز یہ بھی حکم دیا جاتا ہے کہ لونڈیوں کو بھی بدکرداری پر مجبور نہ کرو کیونکہ لونڈیوں کے ذریعہ فحاشی کو بڑی آسانی کے ساتھ پھیلایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

درس نمبر ۱۵۳ تشریح آیات

۲۷--- تا--- ۳۴

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو' یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ گے تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے' اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ' یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو' اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ البتہ تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہوں اور جن میں تمہارے فائدے (یا کام) کی کوئی چیز ہو۔ تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو' سب کی اللہ کو خبر ہے"۔

گھروں کو اللہ نے انسانوں کے لیے جائے سکون بنایا ہے' لوگ کام کاج کر کے ان کی طرف لوٹتے ہیں۔ ان کی روح کو وہاں سکون ملتا ہے اور ان کے نفوس کو وہاں آرام ملتا ہے۔ یہاں وہ اپنے خفیہ اور پوشیدہ امور کے بارے میں مطمئن ہوتے ہیں' ان کی عزت یہاں محفوظ ہوتی ہے اور یہاں وہ آرام کر کے اپنے اعصاب کو تسکین پہنچاتے ہیں۔

ایک گھر میں اس قسم کا آرام اور سکون تب ہی مل سکتا ہے جب کوئی غیر شخص چار دیواری کی حرمت پر ہاتھ نہ ڈالے اور (اہل خانہ نہایت امن و سکون سے رہیں' الا یہ کہ باہر کا کوئی شخص ان کی اجازت سے گھر کے اندر داخل ہو۔

Marfat.com

اور اس وقت داخل ہو جس وقت وہ چاہیں اور ایسے حالات میں داخل ہو جن میں اہل خانہ اجازت دیں۔

اب اگر کسی کو کسی کے گھر میں دخلے کی اجازت دے دی جائے اور اس کی نظریں کسی ایسے منظر کو دیکھ لیں جو دونوں کے لیے فتنہ ہو اور اچانک داخلہ اس شخص کے لیے اس فتنہ کا باعث بن جائے تو اس طرح معاشرے میں فحاشی پھیلنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسی نظروں کا تکرار پھر ابتلاء بن جاتا ہے۔ اگرچہ پہلی نظر میں ملاقات بعض اوقات بلاقصد و ارادہ ہوتی ہے لیکن بعد میں فتنہ بن جاتی ہے۔ جب فریقین ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں تو اس کے نتیجے میں فساد اور فحاشی اور بے راہ روی پیدا ہو جاتی ہے۔

جاہلیت کے دور میں دوسرے کے گھر لوگ اچانک داخل ہو جاتے تھے۔ پہلے آنے والا آ جاتا اور پھر کہتا میں آ گیا ہوں۔ بعض اوقات یوں ہوتا کہ صاحب خانہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ ایسی حالت میں ہوتا کہ ایسے حالات میں باہر سے داخل ہونا معیوب ہوتا لیکن وہ پروانہ کرتے۔ بعض اوقات یوں ہوتا کہ گھر میں عورت ننگی ہے یا اس کے ستر کے مقامات ننگے ہیں۔ یا مرد اس طرح ہے۔ اس سے صاحب خانہ کو اذیت پہنچتی اور دوسرے کے گھر کا امن و سکون تباہ ہو جاتا۔ جبکہ بعض اوقات ایسا بے ہنگم واقعہ فتنے کا باعث بن جاتا جب آنکھ ایسا منظر دیکھ لیتی جس سے فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا۔

ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم نے مسلمانوں کو ان آداب کا پابند کر دیا کہ کسی کے گھر کے اندر بغیر اجازت کے داخل ہونا ممنوع ہے۔ مناسب ہے کہ باہر سے سلام کیا جائے تاکہ ان کو پتہ چل جائے کہ فلاں صاحب آنا چاہتے ہیں۔ نیز اس انداز سے ایک قسم کی مانوسیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا (۲۴:۲۷) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو‘ اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو“۔ یہاں اذن و اجازت کے لفظ کی تعبیر لفظ ”انس“ سے کی گئی ہے۔ اس انداز تعبیر سے اجازت کے مہذب ترین طریقے کی طرف اشارہ ہے۔ نیز اس طرف اشارہ ہے کہ آنے والے کو نہایت ہی مہذب انداز میں آنا چاہئے۔ لوگوں کے ساتھ وہ نہایت انس و محبت سے اور مہذب طریقے سے بات کرے تاکہ وہ اس کے استقبال کے لیے تیار ہوں۔ یہ ایک نہایت ہی لطیف اور دقیق اخلاقی اصول ہے لوگوں کی سہولت کے لیے اور ان کے گھروں میں ان کی عزت و وقار کو بحال کرنے کے لیے اور اس لیے کہ رات دن اہل خانہ آنے جانے والوں سے تنگ ہی نہ ہو جائیں کہ ایک آ رہا ہے اور دوسرا جا رہا ہے اور وہ بھی بلا اجازت۔

اجازت کے نتیجے میں اب صورت حالات یہ ہوگی کہ یا تو اس میں کوئی گھر میں ہوگا اور اجازت دے دے گا تو یہ شخص گھر کے اندر چلا جائے گا اور اگر کوئی نہیں ہوگا تو پھر اس شخص کے لیے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ (۲۴:۲۸) ”اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے“۔

اگر اندر اہل خانہ میں سے کوئی موجود ہو تو صرف اجازت طلب کرنے ہی سے دخلے کی اجازت نہیں ہو جاتی جب

Marfat.com

Marfat.com

تک کوئی صریح اجازت نہ دے۔ اگر اندر والے اجازت نہ دیں تو بغیر کسی جھجک کے واپس ہو جانا چاہئے۔ اور انتظار نہیں کرنا چاہئے۔

وَ اِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ھُوَ اَزْکٰی لَکُمْ (۲۴:۲۸) "اگر تم سے کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے"۔ یعنی واپس ہو جاؤ بغیر کسی تلخی کے۔ بغیر اس تاثر کے کہ اہل خانہ نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے' یا تم سے کوئی نفرت کی ہے کیونکہ اہل خانہ کے اپنے اسرار اور اعذار ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ حق ان کو دینا ضروری ہے کہ اس وقت وہ مہمان کا استقبال کر سکتے ہیں یا نہیں۔

وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ (۲۴:۲۸) "اور جو کچھ تم کرتے ہو' اللہ خوب جانتا ہے"۔ اللہ تو دلوں کے خفیہ بھیدوں کو جاننے والا ہے' یا یہ کہ دلوں میں جو جذبات و خیالات ہیں ان سے بھی وہ باخبر ہے۔

رہے وہ مقامات جو مقامات عامہ ہیں مثلاً ہوٹل' سرائے اور ضیافت کے گھر ہاسٹل وغیرہ جو پرائیویٹ رہائش گاہوں سے علیحدہ ہوں تو ان میں بغیر اجازت کے داخل ہونا جائز ہے جب اجازت کا کوئی سبب موجود نہ ہو۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ (۲۴:۲۹) "البتہ تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہوں اور جن میں تمہارے فائدے کی کوئی چیز ہو"۔

وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَکْتُمُوْنَ (۲۴:۲۹) "تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو' سب کی اللہ کو خبر ہے"۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور وہ تمہارا نگران ہے۔ تمہارے دلی خیالات سے وہ باخبر ہے کہ تمہارے دلی ارادے کیا ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں تمہارے لیے ایک نہایت ہی مہذب انداز زندگی تجویز کرتا ہے۔ اس کا وہ نگران بھی ہے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ تم قلبی اطاعت کرو۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم ایک مکمل نظام حیات ہے اس لیے وہ انسانی زندگی کے ایک نہایت ہی جزئی مسئلے کو اس قدر تفصیل سے لیتا ہے۔ کیونکہ اس نظام کا موضوع انسانی زندگی کا طرز عمل ہے خواہ وہ جزئی ہو یا تفصیلی۔ اس طرح اسلامی نظام کے اصول و فروع کے درمیان ایک توازن قائم کر دیا جاتا ہے۔ استیذان کا قانون گھروں کو امن و سکون کی جگہ بنانے کی ایک تدبیر ہے۔ یہ تدبیر کرنا مقصود ہے کہ کسی گھر کے باشندے کو اچانک کسی ناپسندیدہ صورت حال سے دوچار ہونا نہ پڑے کیونکہ جب اچانک کوئی در آئے تو معلوم نہیں ہوتا کہ اندر کے لوگ کس حال میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کا سر کھلا ہو یا کسی کا ستر کھلا ہو۔ "عورات" کے لفظ سے وسیع تر مفہوم مراد ہے۔ اس سے صرف بدنی برہنگی ہی مراد نہیں ہے۔ اس سے کھانے پینے کے انتظامات' لباس' ساز و سامان' نشست و برخاست کے مقامات و اثاث البیت بھی مراد ہے جس کے بارے میں اہل بیت یہ نہیں چاہتے کہ جگہ اور حالات کی تیاری کے بغیر کوئی اندر آ جائے اور اندر کی کیفیت کو وہ کم تر نفسیاتی حالات میں پائے۔ مثلاً کم لوگ اس بات کو پسند کریں گے کہ کوئی اندر آئے اور اندر کوئی رو رہا

Marfat.com

ہو یا کوئی اندر آئے اور گھر والا غصے میں ہو۔یا وہ کسی ایسے درد اور دکھ میں مبتلا ہو جسے وہ عوام سے خفیہ رکھنا چاہتا ہو۔یہ سب عورات ہیں۔

اس ایک "ادب" کے ذریعے قرآن مجید بے شمار فوائد کو سمیٹ لیتا ہے۔بعض کو ہم جانتے ہیں اور بعض کو جانتے بھی نہیں ہیں۔پھر اہم بات یہ کہ اچانک نظربازی سے بھی انسان بچ سکتا ہے جس کے نتیجے میں ناجائز خواہشات کے ابھرنے کے مواقع ہوتے ہیں اور بعد میں پھر یہ تعلقات برے تعلقات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔غرض نظروں کے بھٹکنے اور دلوں کی اچانک کشش کو قابو میں رکھنے کے لیے ادب قرآنی نہایت ہی مفید اور اہم ذریعہ اصلاح ہے۔

اس کی حقیقت اور اہمیت صرف وہ لوگ جانتے ہیں جن کے اندر سب سے پہلے یہ ادب اترا اور اس کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے کیا۔

امام ابو داؤد اور نسائی نے ابو عمرو اوزاعی کی حدیث نقل کی ہے۔وہ قیس ابن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رہائش گاہ پر تشریف لائے اور باہر سے کہا "السلام علیکم" تو سعد نے نرمی سے وعلیکم السلام کہا۔ قیس کہتے ہیں: میں نے سعد سے کہا کیا تم رسول اللہؐ کو اجازت دینا نہیں چاہتے ہو۔تو اس نے کہا چھوڑو ہم پر زیادہ سے زیادہ سلام کہہ دیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار کہا "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" تو سعد نے پھر چپکے سے کہا وعلیکم السلام۔اس کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" اور پھر آپ لوٹ گئے۔ سعد گھر سے نکلے اور آواز دی حضورؐ میں سن رہا تھا اور سلام کا جواب بھی آہستگی سے دے رہا تھا۔مقصد یہ تھا کہ آپ کثرت سے ہم پر سلام کہہ دیں۔کہتے ہیں حضور اکرمؐ آپ کے ساتھ لوٹ آئے۔سعد نے حکم دیا کہ حضور اکرمؐ کے لیے غسل کا پانی تیار کرو۔آپؐ نے غسل کیا۔اس کے بعد سعد نے اون کا ایک پھولدار کپڑا حضورؐ کو پیش کیا۔یہ زعفران یا ورس گھاس سے رنگا ہوا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اوڑھا۔پھر حضورؐ نے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی۔

اللھم اجعل صلاتك و رحمتك علي آل سعد ابن عبادة . . . . "اے اللہ' اپنا کرم اور رحمت ڈال دے آل سعد ابن عبادہ پر"۔ابو داؤد نے عبداللہ ابن بشرؓ کی حدیث نقل کی ہے۔کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم کے دروازے پر آتے تو دروازے کے سامنے منہ کر کے نہ کھڑے ہوتے یا اس کے دائیں طرف یا بائیں طرف کھڑے ہوتے اور فرماتے السلام علیکم.... السلام علیکم۔ان دنوں گھروں میں پردے نہ ہوتے تھے۔

ابو داؤد نے حضرت ہذیل سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی آیا (عثمان کہتے ہیں سعد تھا) تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور داخلہ کی اجازت چاہنے لگا۔تو وہ دروازے کے سامنے منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔(عثمان نے کہا دروازے کے سامنے)۔اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طریقہ بتایا اور کہا اس طرح کھڑے ہو جاؤ۔کیونکہ اجازت طلب کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ تم اندر کچھ دیکھ نہ سکو۔

صحیحین میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر تمہارے گھر کے اندر کوئی شخص بغیر اجازت کے اندر آ جائے اور تم ان پر ایک پتھر پھینکتے ہو اور اس سے اس کی آنکھ پھوٹ جاتی ہے تو تم پر کوئی جرم عائد نہ ہو گا۔

ابو داؤد نے حضرت ربعی سے روایت نقل کی ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہؐ سے اندر آنے کی اجازت

Marfat.com

چاہتی۔ جبکہ حضورؐ اپنے گھر میں تھے۔ تو اس نے کہا کیا میں "گھس جاؤں"۔ تو حضورؐ نے اپنے خادم سے کہا نکلو اور اس شخص کو اندر آنے کی اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ۔ اس سے کہو کہ تم یوں کہو "السلام علیکم"۔ کیا میں داخل ہو جاؤں۔ حضورؐ کی اس بات کو اس شخص نے سن لیا تو کہا "السلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں"۔ تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور وہ اندر آیا۔

ہیثم نے کہا ہے کہ مغیرہ نے کہا اور مغیرہ نے کہا مجاہد نے کہا' عمر ایک ضرورت سے آئے اور اسے گرمی نے تنگ کر رکھا تھا وہ قریش کی ایک عورت کے خیموں کے سامنے گئے اور کہا "السلام علیکم کیا میں اندر آ جاؤں"۔ تو اس نے کہا "سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ"۔ حضرت عمرؓ نے پھر اجازت چاہی۔ اس نے بھی پھر یہی جواب دیا حالانکہ وہ اس کے قدموں کے پاس کھڑا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا تم اس طرح کہو "ادخل" داخل ہو جاؤ۔ اس پر اس عورت نے کہا "داخل ہو جاؤ" تو بعد میں وہ اندر آئے۔

عطا ابن ابی رباح نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں میں نے کہا کیا میں اپنی یتیم بہنوں سے بھی اجازت طلب کروں جو میرے ہی گھر میں میری نگرانی میں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا' ہاں۔ میں نے پھر اس پر یہ سوال کیا تا کہ مجھے اس میں رخصت دے دی جائے۔ اس پر اس نے کہا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اسے ننگی حالت میں دیکھو۔ تو میں نے کہا' نہیں۔ تو اس نے کہا پھر اجازت طلب کرو۔ تو میں نے پھر اس سے بحث کی تو انہوں نے کہا کہ کیا تم اللہ کے حکم کی اطاعت چاہتے ہو یا نہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ "تو پھر اجازت چاہو" انہوں نے کہا۔

اور حدیث صحیح میں آتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کوئی اپنے گھر بھی رات کے وقت اچانک نہ جائے۔ بعض روایات میں آتا ہے۔ لیلا یتخونھم اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت مدینہ پہنچ گئے تو مدینہ کے سامنے آپ نے اونٹوں کو بٹھا دیا۔ آپ نے فرمایا انتظار کرو عشاء تک یعنی دن کے آخری حصے تک تا کہ ایسی عورت جس کے بال بکھیرے ہوں وہ بال سنوار لے۔ اور ایسی عورت جس کے بال صاف نہ ہوں وہ صاف کر لے۔

اسلام نے نہایت ہی مہذب طریقے مسلمانوں کو سکھائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر ان سے تجربہ کرایا۔ یہ آداب بلند ان کو دیئے جو نہایت ہی روشن اور نورِ ربی سے منور تھے۔

آج ہم بھی مسلمان ہیں لیکن ایسے معاملات کے بارے میں ہمارا احساس غلیظ ہے۔ ہم اجڈ ہو گئے ہیں۔ ایک شخص اپنے بھائی کے گھر جاتا ہے اور تیر کی طرح اندر گھس جاتا ہے اور رات اور دن کے کسی بھی وقت اس کا جی چاہے گھس جاتا ہے۔ وہ بار بار گھنٹیاں بجاتا ہے۔ اور تب چھوڑتا ہے کہ کوئی بادل نخواستہ اٹھے اور اس کے لیے دروازے کھولے۔ بعض اوقات گھر میں ٹیلیفون بھی ہوتا ہے۔ یہ بڑی سہولت سے آنے کی اجازت طلب کر سکتا ہے' وقت مقرر کر سکتا ہے۔ لیکن ہم نے اسلام کے نظام استیذان کو ترک کر دیا ہے اور وقت بے وقت ہم دوسرے کے ہاں وارد ہو جاتے ہیں اور اب تو ہم نے بغیر ملاقات چلے جانے کو معیوب سمجھ لیا ہے۔ اگرچہ اہل بیت نہ چاہتے ہوں۔ ہمارا رویہ یہ ہوتا ہے کہ جب ہم آ گئے تو ہمیں گھس جانا ہی ہے۔ بغیر کسی باک اور انتظار کے۔

ہم مسلمان ہیں لیکن ہم اس وقت اپنے بھائیوں کو ڈسٹرب کر دیتے ہیں جب وہ کھانا کھانے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اب اگر وہ بھائی کھانا پیش نہیں کرتا تو ہم خفا ہو جاتے ہیں۔ ہم رات دیر تک ملنے چلے جاتے ہیں۔ اگر وہ اپنے ہاں رات گزارنے

Marfat.com
Marfat.com

کی دعوت نہیں پیش کرتا تو ہم خفا ہو جاتے ہیں اور ہم اس معاملے میں کسی کا کوئی عذر سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ یہ محض اس لیے ہوتا ہے کہ ہم اسلامی آداب کے رنگ میں رنگے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم اپنی خواہشات کو اس ضابطے کے تابع کرنا نہیں چاہتے جو رسول اللہ لائے ہیں۔ اور ہم دراصل ایک غلط جاہلی رواج کے غلام بن گئے ہیں جس پر اللہ کی جانب سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

پھر زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ وہ بعض ایسے آداب پر عمل پیرا ہیں جو ہمارے دین جیسے ہیں۔ اور وہ ایسے ہی آداب ہیں جو ہمارے دین نے ہمیں سکھائے ہیں۔ ہم ان غیر مسلموں کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے دین کے آداب اپنا رکھے ہیں اور ہمیں اپنے دین کا پتہ نہیں ہے۔ اسلئے ہم ان سے متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کو نادر آداب سمجھتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر بھی ہم اپنے دین کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور مطمئن ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

---oooo---

گھروں میں داخل ہونے کی اجازت کے آداب کے بعد جس کے ذریعے امتناعی اور احتیاطی تدابیر اختیار کی گئی ہیں کہ کوئی نظر کے فتنے میں نہ پڑ جائے اور اس کے برے نتائج برآمد ہوں۔ اب اہل ایمان کو عمومی تلقین کی جاتی ہے کہ وہ اپنی نظروں کی حفاظت کریں کیونکہ نظربازی ہی انسان کو گمراہی اور بے راہ روی تک لے جاتی ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ
ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ
مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ
اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ
التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى
عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ
وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

"اے نبی مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے

Marfat.com
Marfat.com

زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے' جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔اور اے نبیؐ' مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچاکر رکھیں' اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں' اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں۔بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے' اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے: شوہر' باپ' شوہروں کے باپ' اپنے بیٹے' شوہروں کے بیٹے' بھائی' بھائیوں کے بیٹے' بہنوں کے بیٹے' اپنے میل جول کی عورتیں' اپنے لونڈی غلام' وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں' اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو' اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔اے مومنو' تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو' توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے"۔

ان آیات کا نصب العین یہ ہے کہ ایک نہایت ہی پاک و صاف سوسائٹی قائم کی جائے جس کی حالت یہ نہ ہو کہ ہر جگہ اور ہر وقت شہوت ہی کا ہیجان ہو اور ہر وقت گوشت و پوست کی لذت اندوزی کے سامان ہوں' کیونکہ ایسے اقدامات جن سے ہر وقت جنسی ہیجان پیدا کیا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس قدر جنسی پیاس پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ پھر کبھی بجھتی نہیں۔ایک نظر دلفریب یا فتنہ انگیز ادا یا زیب و زینت کی نمائش اور عریانی جسم کی نمائش دوسروں کے جذبات میں آگ لگا سکتی ہے اور انسان کی خوابیدہ حیوانیت کو نہ صرف جگا دیا جاتا ہے بلکہ دوسرے کے اندر بے چینی پیدا کر دی جاتی ہے۔دوسرے فریق کو پھر اپنے اوپر قابو نہیں رہتا۔یا تو پھر انسان بے قید شہوت رانی کا شکار ہوتا ہے اور یا پھر اس کے اعصاب اور نفسیات کے اندر ہیجانی امراض پیدا ہو جاتی ہیں اور اس طرح ایک انسان عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اسلام جو پاک اور صاف ستھری سوسائٹی تعمیر کرنا چاہتا ہے اس کے قیام کے لیے وہ پہلی تدبیر یہ اختیار کرتا ہے کہ جذبات کو ہیجان سے بچایا جائے۔وہ فریقین کے اندر پائے جانے والے فطری میلان کو اپنی جگہ باقی رکھتا ہے اور اپنے فطری انداز کے مطابق اس فطری جذبہ کو محفوظ اور تعمیری انداز دیتا ہے۔

انسانیت پر ایک دور ایسا بھی آیا کہ نظریہ اباحیت پھیل گیا۔جنسین کے درمیان آزادانہ گفتگو' آزادانہ اختلاط' گپ شپ کو عام کر دیا گیا' یہاں تک کہ بچوں کو جنسی تعلیم دی جانے لگی اور خفیہ ترین باتوں سے پردہ اٹھا دیا گیا۔یہ باتیں اور اقدامات اسی نظریہ کے تحت کیے گئے کہ یہ امور جنسی میلان اور جنسی جذبات کو دبانے کے نقصانات سے بچاتے ہیں اور لوگوں کو یہ مواقع ملتے ہیں کہ وہ آزادانہ طور پر جو چاہیں جنسی معاہدے کریں۔یہ اجازت ان نظریات نے اس لیے دی کہ لوگ جنسی میدان میں تشدد اور دوسری غلط کاریاں نہ کریں۔

یہ جنسی آزادی اس وقت رائج ہوئی جب انسان کے بارے میں خالص مادی نظریات رائج ہوئے اور انسان کو محض حیوان قرار دیا گیا۔خصوصاً فرائیڈ کے جنسی خیالات کی ترویج کے بعد۔لیکن میں نے خود ان نظریات کو ایک ایسے ملک میں دیکھا جس میں مکمل اباحیت تھی اور جس میں مذہبی' اخلاقی اور انسانی قیود میں سے کوئی قید نہ تھی لیکن میں نے مشاہدہ کیا کہ یہ تمام نظریات محض مفروضے ہیں اور ایسے ممالک کے حالات ان کی پوری پوری تکذیب کرتے ہیں۔

ایسے ممالک کا ہم نے ملاحظہ کیا ہے جن میں جسمانی ملاپ' عریانی اور جنسی بے راہ روی پر کوئی قید و بند نہیں ہے۔وہاں اس کی تمام ممکن شکلیں جائز ہیں لیکن ان ممالک میں جنسی تعلقات نہ مہذب ہو سکے' نہ ان کے اندر کوئی باقاعدگی پیدا ہوئی بلکہ جنسی پیاس جنون کی حد تک بڑھ گئی اور اس قدر بڑھی کہ تسکین کا نام و نشان ختم ہو گیا۔ان ممالک میں

جنسی اور نفسیاتی بیماریوں کا طوفان اُمڈ آیا اور ایسے مسائل دیکھنے میں آئے جو جنسی محرومی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مسائل ان معاشروں میں بکثرت پائے جاتے ہیں جن میں جنسی اظہار کی پر کوئی قید نہیں ہے۔ یہ مسائل محض اس لیے پیدا ہوئے کہ ایسے ممالک میں کوئی جنسی قید اور ضابطہ نہ تھا۔ جنسی دوستیاں بغیر کسی رکاوٹ کے آزاد تھیں اور جنسی تعلقات اور ملاپ مویشیوں کی طرح راستوں میں دیکھا جاتا تھا۔ جنسی حرکات اور نظربازیاں تو بالکل معمولی چیز تھیں۔ ان ممالک کے تفصیلی واقعات اور تفصیلی حرکات پر بحث کا یہاں موقع نہیں ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے محمد قطب کی کتاب (الانسان بین المادیہ و الاسلام) باب مسائل جنس۔ مزید تفصیلات میری زیر طبع کتاب (امریکا الیٰ رایت) میں دیکھئے۔

مرد اور عورت کے اندر ایک دوسرے کے لیے کشش ایک فطری امر ہے اور یہ انسان کے اندر تخلیقی طور پر ودیعت کی گئی ہے کیونکہ اس کرۂ ارض پر زندگی کے تسلسل کا دارومدار اسی پر ہے۔ انسان نے اس زمین پر منصب خلافت ارضی کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔ اس ذمہ داری کا بڑا اور اہم حصہ یہاں زندگی کے تسلسل کو قائم رکھنا ہے۔ اس لیے یہ کشش ایک دائمی کشش ہے۔ بعض اوقات یہ کشش سو جاتی ہے۔ پھر جاگ اٹھتی ہے۔ جونہی یہ جاگتی ہے تو یہ فرد تب ہوتی ہے جب جنسین کے درمیان ملاپ ہو کر تسکین ہو جائے۔ اگر یہ جسمانی تسکین نہ ہو تو اس کا اثر انسانی اعصاب پر پڑتا ہے اور ایسے حالات میں انسان پھر شدید گھٹن محسوس کرتا ہے۔ پھر انسان کو ایک نظر بھی اکساتی ہے' ایک حرکت بھی اکساتی ہے۔ ایک معمولی سی ہنسی بھی ابھارتی ہے۔ محض گپ شپ کے نتیجے میں انسان بے قابو ہو جاتا ہے اور ایک خوبصورت آواز بھی تڑپا دیتی ہے لہٰذا محفوظ طریقہ یہ ہے کہ سوسائٹی کے اندر انسان کو ایسے مواقع سے محفوظ رکھا جائے تاکہ اس کا جنسی میلان طبعی حدود کے اندر رہے اور جائز اور قدرتی ذرائع سے اس کی تسکین کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ اسلام یہی منہاج اختیار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام انسان کی قوتوں کو دوسری تعمیری سمتوں کی طرف بھی موڑ دیتا ہے۔ زندگی کے دوسرے کام ایسے ہوتے ہیں جو جسم و جان اور خون اور پوست کے اس ملاپ سے زیادہ اہم ہوتے ہیں' لہٰذا انسان کے سامنے صرف شہوانی تسکین ہی واحد مقصد نہیں رہتا۔ زیر تفسیر آیات میں اسلام کی ایسی ہی پالیسیوں کو جاری کیا گیا ہے یعنی ایسے مواقع کم کیے جائیں جن میں ہیجان پیدا ہوتا ہو۔ لوگوں کو اعلیٰ مقاصد میں مصروف کیا جائے اور پھر فریقین کے لیے جائز تسکین کے موقع پیدا کیے جائیں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (۲۴: ۳۰) "اے نبیؐ مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے' جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے"۔ مردوں کی طرف سے غض بصر ایک نفسیاتی ادب اور تہذیب ہے اور دوسرے انسانوں کے اندر فطری محاسن اور جسمانی محاسن اور چہرے کے محاسن کی تلاش ہر انسان کے اندر ایک فطری داعیہ ہوتا ہے۔ اس طرح ایک مومن اپنے اس داعیہ پر قابو پاتا ہے۔ نیز یہ غلط روی کے پہلے دریچے کی بندش کا اقدام ہے۔ اگر غض بصر سے کام نہ لیا جائے تو انسانی نظر انسان کو فتنے میں ڈال سکتی ہے۔ گویا زہریلے تیر سے بچنے کی یہ پہلی کوشش ہے۔

جب انسان اپنی نظروں پر قابو پالے تو اس کے نتیجے میں اس کی شرمگاہ خود بخود زیر کنٹرول ہو گی۔ غض بصر کے نتیجے

Marfat.com

میں بے راہ روی کے اس دوسرے مرحلے میں داخل ہونے ہی سے انسان بچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غض بصر اور حفظ فروج کو ایک ہی آیت میں لایا گیا ہے۔ کیونکہ غض بصر سبب ہے اور حفظ فرج مسبب ہے۔ بلکہ عالم ضمیر اور عالم واقعہ دونوں میں یہ پہلا اور دوسرا قدم ہیں اور ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ "یہ ان کے لیے پاکیزہ طریقہ ہے"۔ یہ ان کے جذبات کے لیے پاکیزہ طریقہ ہے' اس طریقے سے وہ برائی میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں گے اور ان کا میلان اپنے جائز راہ تک محدود ہو گا۔ اللہ ہی ہے جو تمہیں یہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ فطری اور نفسیاتی تعلیم و تربیت ہے۔ اللہ تمہاری تمام حرکات سے واقف ہے اور وہ علیم و خبیر ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (۲۴: ۳۱) "اور اے نبیؐ مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں"۔ وہ اپنی بھوکی نظروں کو آزاد نہ چھوڑیں نہ وہ دزدیدہ نگاہوں سے مردوں کو دیکھیں۔ نہ اچانک ان پر نگاہ ڈالیں اس طرح کہ مردوں کے خوابیدہ میلانات کے اندر اشتعال پیدا ہو جائے اور وہ اپنی شرمگاہوں اور غیر قانونی اور غیر جائز مردوں کے لیے مباح نہ کر دیں۔ اپنے فطری میلانات کو جائز طریقے سے استعمال کر کے حلال بچے پیدا کریں اور یہ نہ ہو کہ حرام بچے پیدا ہوں اور معاشرے کے لیے وہ شرم کا باعث ہوں اور معاشرہ ان کے لیے شرمسار کنندہ ہو۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (۲۴: ۳۱) "اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو ظاہر ہو"۔ زینت اور بناؤ اور میک اپ عورتوں کے لیے جائز ہے کیونکہ یہ ان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ ہر عورت کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ بہت ہی خوبصورت نظر آئے۔ ہر زمانے میں زینت کے معیار بھی بدل جاتے ہیں لیکن زینت کا داعیہ فطرت کے اندر موجود ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت بنائے۔

اسلام عورت کی اس فطرت کو بھی جڑ سے اکھاڑ کر نہیں پھینکتا۔ وہ اسے تسلیم کرتا ہے لیکن اسلام اس کی تنظیم اور ضابطہ بندی ضرور کرتا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ یہ زیب و زینت صرف ایک مرد یعنی اپنے خاوند اور شریک حیات کے لیے مخصوص ہو جائے اور اس زینت کو صرف وہ دیکھے۔ اس میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ہو۔ ہاں بعض محارم بھی اس زینت میں شریک ہو سکتے ہیں جن کا ذکر بعد میں آتا ہے اور جن سے یہ توقع نہیں ہوتی کہ عورت ان کے لیے شہوت انگیز ہو گی۔

ہی وہ زینت جو چہرے پر ہے یا جو ہاتھوں پر ہے تو اس کا ظہور جائز ہے۔ کیونکہ چہرے اور ہاتھوں کا کھولنا عورتوں کے لیے مباح ہے۔ حضورؐ نے اسماء بنت ابوبکر سے یہ فرمایا "اسماء عورت جب حیض کی حد تک پہنچ جائے تو یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے "ان" مقامات کے سوا کوئی جگہ کھلی ہو۔ آپ نے اس وقت چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (۲۴: ۳۱) "اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل

والے رکھیں"۔جیب اس شگاف کو کہتے ہیں جو قمیض میں سینے پر ہوتا ہے۔اور "خمار" اس چادر کو کہتے ہیں جو سر پر اوڑھی جاتی ہے تاکہ اس سے سینہ چھپ جائے اور وہ بھوکی نظروں سے اوجھل رہے اور اچانک نظر سے بھی یہ مقامات بچ جائیں۔متقی لوگ تو اس اچٹتی نظر کو طول نہیں دیتے نہ دوبارہ نظر ڈالتے ہیں لیکن اس نظر سے بھی بعض اوقات بڑے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔اگر ان مقامات کو کھلا رکھا جائے جن سے جنسی میلان کا تعلق ہے۔اللہ تعالیٰ اس معاملے میں کسی انسان کو آزمانا نہیں چاہتا کیونکہ اللہ کو معلوم ہے کہ انسان کے لیے یہ ایک عظیم فتنہ ہے۔

اور وہ مومن عورتیں جو اللہ کی طرف سے یہ ممانعت پا رہی تھیں اور ان کے دل اللہ کے نور سے منور تھے انہوں نے ان احکام کی تعمیل میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا۔اگرچہ ان کی فطری رغبت اور خواہش یہی تھی کہ وہ ایسے جمال و کمال کا اظہار کریں جس طرح ہر عورت کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے۔جاہلیت میں یہ رواج تھا جس طرح آج کی جدید جاہلیت کا رواج ہے کہ عورتیں مردوں کے درمیان سینہ تان کر پھرتی تھیں اور ان کے سینہ پر کچھ نہ ہوتا تھا۔بعض اوقات تو اس کی گردن اور بالوں کی لٹیں بھی کھلی ہوتی تھیں اور کان کی بالیاں بھی کھلی ہوتی تھیں۔جب اللہ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ وہ اپنے سینوں پر اوڑھنیاں لٹکائیں اور اپنی زینت کے صرف ان حصوں کو ظاہر کریں جو ظاہر ہوں تو انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں مطلق تامل نہ کیا۔اس کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا قول خوب وضاحت کرتا ہے کہ اللہ دور اول کی مہاجر عورتوں پر رحم فرمائے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ (۲۴:۳۱) "اور اپنے سینوں پر اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں" تو انہوں نے اپنی ریشمی چادریں پھاڑ دیں اور ان کو اوڑھ لیا"۔صفیہ بنت شیبہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھی تھی تو انہوں نے قریش کی عورتوں کا ذکر کیا اور ان کے فضائل بیان کیے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ قریش کی عورتوں کو فضیلت حاصل ہے لیکن خدا کی قسم میں نے انصار کی عورتوں سے زیادہ تصدیق کرنے والی عورتیں نہیں دیکھیں اور نہ ان سے زیادہ عاقل عورتیں دیکھی ہیں۔جب سورہ نور کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ (۲۴:۳۱) "اور اپنے سینوں پر اوڑھنیوں کے آنچلے ڈالے رہیں"۔تو جب ان کے مرد عورتوں کے پاس گئے اور انہوں نے ان پر یہ آیت تلاوت کی تو ایک انقلاب آگیا۔ایک شخص اپنی بیوی، بہن اور لڑکی کے سامنے یہ تلاوت کرتا یا دوسری قریبی رشتہ دار عورت کے سامنے، تو ان عورتوں نے اپنی نقش و نگار والی ریشمی چادروں کو پھاڑا اور سر پر اوڑھ لیا۔یہ انہوں نے ایمان اور تصدیق کے جذبہ سے کیا۔(یعنی اللہ کا جو حکم آیا انہوں نے اس پر عمل کیا)۔اور وہ عورتیں رسول اللہؐ کے پیچھے صفوں میں یوں کھڑی نظر آتی تھیں کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

اسلام نے اسلامی معاشرے کا ذوق ہی بدل دیا اور اس معاشرے میں لوگوں کے جمالی احساسات ہی بدل گئے۔اب جمال اور حسن کی حیوانی ادائیں مطلوب اور مستحسن نہ رہیں بلکہ حسن و جمال کا ایک انسانی اور مہذب رنگ ڈھنگ اور معیار قائم ہو گیا جس میں عریانی معیار حسن نہ رہی۔جہاں تک عریانی کا تعلق ہے یہ حسن و جمال کا حیوانی معیار ہے۔انسان اس کی طرف تب مائل ہوتا ہے جب اس کے احساسات حیوانی بن جائیں۔اگرچہ یہ عریاں جمال بہت ہی اعلیٰ درجے کا حسن

Marfat.com
Marfat.com

پیش کرتا ہو۔ سنجیدگی اور وقار کا جمال تو وہی پاکیزہ جمال ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ اس سے ذوق ترقی پاتا ہے اور وہ انسان کے لائق ہوتا ہے۔ یہ ظاہری بھی ہوتا ہے' اور تصوراتی بھی ہوتا ہے۔

آج بھی اسلام سچی مومنہ عورتوں کی تربیت اسی انداز سے کرتا ہے اگرچہ آج کا ماحول بہت ہی بدل گیا ہے۔ عمومی طور پر لوگوں کا ذوق گر گیا ہے اور اس میں حیوانی رنگ کا غلبہ ہے۔ آج کے جمالیاتی مظاہر میں عریانی اور حیوانی رنگ ڈھنگ اپنے عروج پر ہے لیکن ہماری مومنہ عورتیں آج بھی اپنے مقامات کشش اور مقامات فتنہ کو چھپاتی ہیں۔ وہ یہ جہاد ایسے ماحول میں کر رہی ہیں جہاں عریانی ہی عریانی ہے۔ عورتوں کی حالت یہ ہے کہ وہ مردوں کو دعوت نظارہ دے رہی ہیں اور اس طرح پکار رہی ہیں اور دعوت دے رہی ہیں جس طرح حیوان حیوان کو پکارتا ہے۔ یہ پردہ سنجیدگی اسلامی فرد اور ایک معتدل اسلامی سوسائٹی کے لیے بے حیائی سے بچاؤ کی واحد تدبیر ہے۔ لیکن جہاں فتنے اور فحاشی اور بے راہ روی کا ڈر نہ ہو وہاں اسلام کشف و ظہور' زینت کی ممانعت نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ مرد جن کا میلان بالعموم محرم عورتوں کی طرف نہیں ہوتا' ان کے سامنے اظہار زینت کی ممانعت نہیں ہے۔

آباء' ابناء' سسر' خاوند کے بیٹے' بھائی' بھتیجے' بھانجے اور مومن عورتیں ان احکام سے مستثنیٰ ہیں۔

اَوْ نِسَآئِهِنَّ (۲۴: ۳۱) "ان کی عورتیں" یعنی مومن عورتیں۔ رہیں غیر مومن عورتیں تو وہ مستثنیٰ نہیں ہیں۔ یہ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم عورتیں اپنے خاوندوں کے سامنے یا بھائیوں کے سامنے یا لڑکوں کے سامنے مسلمان عورتوں کی خفیہ زیب و زینت کی داستانیں سنائیں۔ صحیحین میں ہے

لا تباشر المراۃ المراۃ تنقھا لزوجھا کانہ یراھا "کوئی عورت دوسری عورت کے سامنے ننگی نہ ہو کہ وہ اس کا بیان اپنے خاوند سے اس طرح کرے کہ گویا وہ اسے ننگا دیکھ رہا ہے"۔ لیکن مسلمان عورتیں اس سے اس لیے مستثنیٰ ہیں کہ وہ امین ہیں۔ ان کا دین اور ان کا اخلاص ان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ایک مسلم عورت کی جسمانی ساخت اور زیب و زینت کا بیان اپنے خاوندوں کے سامنے کریں۔ اور اس سے وہ بھی مستثنیٰ ہیں۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ (۲۴: ۳۱) "وہ جو تمہارے مملوک غلام ہیں"۔ ان کے بارے میں دو اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد صرف لونڈیاں ہیں دوسرا یہ کہ غلام اور لونڈیاں دونوں اس حکم میں شامل ہیں کیونکہ ایک غلام بالعموم اپنی مالکہ کی طرف شہوانی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ لیکن پہلی رائے درست ہے کیونکہ غلام بھی بہرحال انسان ہے اور سیدہ کی زیب و زینت کے مقامات دیکھ کر اس کے اندر بھی شہوانی ہیجان پیدا ہو سکتا ہے۔ اگرچہ وہ معاشرتی اعتبار سے ایک فرو تر مقام رکھتا ہو اور اس سے وہ زیردست مرد بھی مستثنیٰ ہیں جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں۔ یعنی

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (۲۴: ۳۱) "اور وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں"۔ یا وہ کسی سبب سے عورتوں کی خواہش ہی نہ رکھتے ہوں مثلاً وہ نامرد ہوں' یا احمق ہوں یا مجنون ہوں یا اور کوئی ایسی وجہ ہو جس کی بنا پر وہ عورت کو نہ چاہتے ہوں اور کسی فتنہ اور بے راہ روی کا کوئی خطرہ نہ ہو۔

Marfat.com

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (۲۴:۳۱) "اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں"۔ وہ بچے کہ اگر وہ عورت کو ننگا دیکھ لیں تو اس کے اندر جسمانی خواہش پیدا نہ ہو۔ اگر ان کے اندر جنسی شعور پیدا ہو گیا ہو' اگرچہ وہ بالغ نہ ہوئے ہوں تو ان سے پردہ ضروری ہے اور وہ اس استثناء میں داخل نہیں ہیں۔

یہ سب خاندانوں کے علاوہ ہیں۔ ان کے لیے یہ اجازت ہے کہ یہ اگر عورت کے ناف کے نیچے اور گھٹنے کے اوپر کے حصے' کے ماسوا کسی جگہ کو دیکھ لیں' جب کہ ان لوگوں سے ایسا کوئی ڈر نہ ہو کہ یہ کسی فتنے میں مبتلا ہوں گے۔ رہا خاوند تو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ اپنی بیوی کے جسم کا ہر حصہ دیکھ سکے۔

پردہ کے ان احکام سے مراد اور مقصود یہ تھا کہ کوئی بے راہ روی اور فحاشی میں مبتلا نہ ہو۔ اس لیے اب یہاں ایسی حرکات کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے جس سے کوئی فتنے میں پڑ سکتا ہے' جن کی وجہ سے شہوت کا ہیجان پیدا ہو سکتا ہے اور جن کی وجہ سے خفیہ جذبات بھڑک سکتے ہیں اگرچہ عملاً وہ عورتیں پردے میں ہوں۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ (۲۴:۳۱) "اور وہ اپنے پاؤں کو زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ اپنی زینت جو انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے"۔ یہ آیت نفس انسانی کی تشکیل' اس کے تاثر اور انفعال اور جنسی معاملات میں اس کے ردعمل کی گہرائی تک اتر جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی سوچ اور تصور بعض اوقات ایک منظر کے دیکھنے سے بھی زیادہ متاثر کر دیتی ہے۔ کئی لوگ ایسے حساس ہوتے ہیں کہ عورت کے جسم کو دیکھنے کے مقابلے میں اس کے جوتوں' اس کے کپڑوں اور اس کے زیورات کو دیکھ کر ہی متاثر ہوتے ہیں۔ نیز بعض افراد کو عورت کا خیال زیادہ متاثر کرتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ ان کے سامنے ہو۔ امراض نفسی کے علماء کے ہاں ان امور کے بارے میں بڑی ہی معلومات ہیں۔ اس طرح دور سے گھنگروؤں کی آواز اور عطر کی خوشبو بھی انسانی حواس کے اندر ہیجان پیدا کر دیتی ہے اور ان کے اعصاب پر اس کے اثرات ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اثرات اس قدر شدید ہوتے ہیں کہ انسان کا اپنے اوپر قابو نہیں رہتا۔ قرآن کریم ان تمام تاثرات کے راستے بند کرتا ہے کیونکہ قرآن کا نازل کرنے والا وہی ہے جو انسان کا خالق ہے۔ وہی ہے جو اپنی مخلوقات کے بارے میں سب سے اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ نہایت ہی گہرائی کے ساتھ خبردار ہے۔

اور آخر کار تمام نیکیوں کا سرچشمہ آتا ہے' کہ لوگوں کا تعلق باللہ مضبوط ہونا چاہئے اور توبہ و استغفار کا دروازہ بھی ان کے لیے کھلا چھوڑا جاتا ہے۔ یعنی وہ گناہ اللہ معاف کر دے گا جو نزول قرآن سے قبل تم لوگوں سے صادر ہوتے رہے ہیں۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۲۴:۳۱) "اے مومنو' تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو' توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے"۔ چنانچہ اس فقرے کے ذریعے اللہ کی نگرانی کا احساس دلایا جاتا ہے اور اللہ کی عظمت' اس کی مہربانی کی اہمیت بتائی جاتی ہے کیونکہ شیطان کی اس کشمکش کے مقابلے میں وہی مددگار ہے اور اس کا خوف اور اس کی نگرانی کا شعور ہی انسان کو ان خرابیوں سے بچا سکتا ہے۔

یہاں تک اس مسئلے کا انسدادی علاج کیا گیا تھا لیکن انسان کی جنسی خواہش دراصل ایک حقیقی خواہش ہے جو

Marfat.com

انسان کے اندر رکھی گئی ہے۔ اس لیے جنسی تشفی کے حقیقی علاج یعنی مثبت علاج کی بھی ضرورت ہے۔ یہ مثبت علاج یوں ہو گا کہ معاشرے میں شادی کو آسان کر دیا جائے اور اس معاملے میں معاونت کی جائے اور شادی اور جائز تعلق کے مقابلے میں تمام دوسرے ذرائع اور تعلقات کے معاملے میں سختی کی جائے۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

"تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں' ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا' اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں انہیں چاہئے کہ عفت مآبی اختیار کریں' یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔

اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کر لو اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں اور جو کوئی ان کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ ان کے لیے غفور و رحیم ہے"۔

جنسی میلان کی تسکین کا بہترین طریقہ شادی ہے۔ اس گہری خواہش کے اندر فطرت اور قدرت کا یہی راز ہے کہ لوگ نسل انسانی کے تسلسل کے مشکل کام کو خوشی خوشی سرانجام دیں۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم شادی کی راہ میں آنے والی تمام رکاوٹیں دور کر دیں تاکہ زندگی فطری انداز کے مطابق سادگی سے چلتی رہے۔ کسی خاندان کی تشکیل کے لیے پہلی رکاوٹ مالی رکاوٹ ہے اس طرح لوگ محفوظ اور قلعہ بند نہیں ہو سکتے۔ اسلام چونکہ ایک مکمل نظام زندگی ہے اس لیے وہ عفت اور پاکیزگی کو تب ہی لازم کرتا ہے جب اس کے لیے اسباب بھی فراہم کر دے اور سوسائٹی کے تمام افراد کو فراہم کر دے تاکہ جو لوگ معتدل اور فطری راستے سے انحراف کرتے ہیں وہ اس کے لیے مجبور نہ ہوں بلکہ ان کے سامنے

Marfat.com
Marfat.com

جنسی تسکین کا صحیح راستہ موجود ہو۔ کی وجہ ہے کہ اسلام حکم دیتا ہے کہ ایسے نوجوانوں کے لیے شادی کی راہ ہموار کی جائے جو شادی شدہ نہ ہوں۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۲۴: ۳۲) "تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں' ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا' اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے"۔ اور ایامیٰ وہ لوگ ہیں جن کا جوڑ نہ ہو یعنی عورت کا خاوند نہ ہو اور مرد کی بیوی نہ ہو اور وہ مجرد ہوں۔ یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو آزاد ہیں۔ اس کے بعد غلاموں کا ذکر خصوصیت سے کر دیا گیا ہے۔

وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ (۲۴: ۳۲) "اور تمہارے لونڈی اور غلاموں میں سے جو صالح ہوں"۔ لیکن یہ لوگ ایسے ہیں جن کی مالی حالت اچھی نہیں ہوتی۔

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ (۲۴: ۳۲) "یہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا"۔ یہ حکم اسلامی سوسائٹی کے لیے ہے کہ وہ شادی کا انتظام کر دے اور جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ مستحب امر ہے۔ کیونکہ حضورؐ کے دور میں ایسے مجرد لوگ تھے جنہوں نے شادی نہ کی تھی۔ اگر یہ حکم فرض ہوتا تو حضور اکرمؐ ضرور ان کی شادی کا انتظام فرماتے۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ حکم واجبی ہے' اس معنی میں نہیں کہ کسی مجرد کو شادی پر مجبور کیا جائے بلکہ اس معنی میں کہ اسلامی سوسائٹی کے لیے واجب ہے کہ جو لوگ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی اس معاملے میں اعانت کی جائے تاکہ وہ شادی کے قلعے میں محفوظ ہو سکیں۔ فحاشی اور بدکاری میں مبتلا ہونے سے یہ عملی بچاؤ ہے اور صرف اس صورت میں معاشرے کو بدعملیوں سے بچایا جا سکتا ہے۔ اگر معاشرے کو بدعملی سے بچانا فرض ہے تو اس فرض کے لیے ضروری تدابیر اختیار کرنا بھی فرض ہو گا۔

اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اسلام چونکہ ایک مکمل اور مربوط نظام زندگی ہے اس لیے وہ ایک ایسا اقتصادی نظام زندگی وضع کرتا ہے کہ اس میں ہر شخص کے لیے معاشی جدوجہد کرنے کے مساوی مواقع موجود ہوں تاکہ کسی شخص کو اپنی ضرورت کے لیے بیت المال کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ بعض استثنائی حالات میں بیت المال کو بھی امداد کے لیے تیار رہنا چاہئے۔ اسلامی اقتصادی نظام میں بنیادی اصول تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کسب سے کھائے۔ سوسائٹی پر جو فریضہ عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ سب کے لیے کام کے مواقع فراہم کرے۔ رہی یہ بات کہ لوگوں کو بیت المال سے امداد دی جائے تو یہ محض استثنائی صورتوں میں ہوتا ہے۔

اگر لوگ اسلامی نظام کے مطابق سعی کرتے ہیں اور زندگی گزارتے ہیں اور پھر بھی ایسے حالات آ جائیں کہ اسلامی معاشرے میں محض معاشی مجبوری کی وجہ سے مجرد نوجوان' مرد اور عورتیں پائی جاتی ہوں تو پھر اسلامی سوسائٹی اور اسلامی

Marfat.com

حکومت پر فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو مالی امداد دے۔ یہی حکم غلام مردوں اور لونڈیوں کا بھی ہے کہ ان کے مالکان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کی شادی کا انتظام کریں اگر وہ ایسا کر سکتے ہوں۔

اسلامی سوسائٹی کا یہ بھی فرض ہے کہ دیکھے کہ اگر لوگ شادی کرنا چاہتے ہیں' مرد ہوں یا عورتیں ہوں لیکن ان کی راہ میں غربت رکاوٹ بنی ہوئی ہے تو سوسائٹی ان رکاوٹوں کو دور کرے کیونکہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ ان کو غنی کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ عفت کا طریقہ اختیار کریں۔

اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه (۲۴: ۳۲) "اگر وہ غریب ہیں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین افراد ایسے ہیں کہ اللہ پر ان کا حق ہے کہ اللہ ان کی مدد کرے۔ مجاہد فی سبیل اللہ کی اللہ مدد کرتا ہے۔ وہ غلام جو اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لیے مالی ادائیگی کا معاہدہ کرتا ہے اور وہ شادی کرنے والا جو اپنے آپ کو بری راہوں سے بچانے والا ہو"۔ (ترمذی و نسائی)

اور جب تک مجرد لوگوں کے حالات درست نہیں ہوتے اور اسلامی سوسائٹی ان کے لیے کوئی انتظام نہیں کرتی' اللہ ان کو حکم دیتا ہے کہ وہ عفت اور پاکیزگی کا دامن تھامے رکھیں۔

وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه (۲۴: ۳۳)

"اور جو لوگ نکاح کا موقعہ نہ پائیں انہیں چاہئے کہ عفت مآبی اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے"۔ اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص پر تنگی نہیں کرتا کیونکہ اللہ تو وسیع علم رکھتا ہے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ "اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے"۔ یوں اسلام اس مسئلے کا نہایت ہی عملی حل تلاش کرتا ہے۔ ہر شخص جو شادی کر سکتا ہے اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ شادی کرے۔ اگرچہ وہ مالی لحاظ سے کمزور ہو کیونکہ مالی مسئلہ حل کرنے والا اللہ ہے"۔

اس وقت اسلامی نظام میں مجبوراً غلامی کا ادارہ موجود تھا اور غلاموں کے اندر چونکہ اخلاقی قدریں کمزور ہوتی ہیں اس لیے اسلامی معاشرے کے اندر موجود غلام معاشرے کے اندر اعلیٰ اخلاقی معیار کے قیام میں رکاوٹ بن رہے تھے۔ غلامی کا ادارہ اسلام نے ابتداء میں اس لیے قائم رکھا ہوا تھا کہ اہل کفر کے ہاں غلام موجود تھے اور جو مسلمان ان کے ہاتھ آجاتے تھے وہ بھی غلام بنا لیے جاتے تھے۔ موجودہ پوزیشن کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام نے جنسی مسئلہ کو حل کرنے کی سعی کی یعنی یہ کہ غلاموں کی شادیاں کی جائیں۔ خود غلامی کو اپنے طور پر ختم کرنے کے لیے مکاتبت کا طریقہ نکالا یوں کہ اگر کوئی غلام مالی معاوضہ ادا کرنے کی پیشکش کرے تو مالک پر اسے قبول کرنا لازم ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ فَکَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا (۲۴: ۳۳) "اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں' ان سے مکاتبت کر لو' اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے"۔ اس کے بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں کہ آیا یہ واجب ہے یا نہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

یعنی اگر غلام پیشکش کرے تو مکاتبت کرنا لازم ہے یا مالک کے اختیار میں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ واجب ہے کیونکہ وجوب کا قول ہی اسلام کی مجموعی پالیسی کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اسلام انسان کو ایک مکرم مخلوق سمجھتا ہے اور غلامی کا وجود شرافت انسانی کے خلاف ہے۔ معاہدہ کرنے کے بعد غلام جو کمائے گا وہ مالک کا ہو گا تاکہ معاوضہ معاہدہ کی رقم کی ادائیگی ہو سکے اور اسی طرح زکوٰۃ کی مد سے بھی ایسے غلام کی امداد ضروری ہو جاتی ہے تاکہ جلد از جلد یہ غلام آزادی حاصل کر سکے۔

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ (۲۴:۳۳) "اور اس کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے"۔ اس شرط پر کہ مالک یہ سمجھے کہ اس میں بھلائی ہے۔ خیر سب سے پہلے اسلام ہے۔ اس کے بعد خیر یہ ہے کہ غلام کمانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ آزادی کے بعد وہ لوگوں سے بھیک مانگتا پھرے۔ بعض اوقات وہ اخلاق سے گرے ہوئے ذرائع معیشت بھی اختیار کر سکتا ہے جن سے وہ صرف اس قدر کما سکتا ہو جس سے اس کی زندگی قائم رہ سکے۔ اسلام چونکہ ایک مکمل اور ہم آہنگ نظام ہے اس لیے وہ حقیقی صورت حال کو بھی پیش نظر رکھتا ہے اس کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ یہ شعور ہو جائے کہ ایک غلام آزاد ہو گیا۔ محض عنوان اور نام اسلام میں اہمیت نہیں رکھتا۔ اسلام حقیقت امر کو دیکھتا ہے کہ آیا فی الواقع یہ غلام آزادی کے بعد معاشرے کے اندر کوئی تعمیری کردار ادا کر سکے گا یا نہیں۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب یہ شخص کچھ کما سکے۔ لوگوں پر بوجھ نہ بن جائے اور نہ گندے وسائل رزق اختیار کرے۔ وہ ایسی چیزیں فروخت کرنا شروع کر دے جو آزادی سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔ (مثلاً عصمت فروشی) جبکہ اسے آزاد اس لیے کیا جا رہا ہے کہ اس سے معاشرہ پاک ہو نہ یہ کہ اس کے ذریعہ معاشرہ گندہ ہو اور اس کا یہ فعل معاشرے کے لیے زیادہ سخت مصیبت ہو۔ (دور جدید میں بین الاقوامی معاہدات کی وجہ سے چونکہ غلامی ختم ہو گئی ہے اس لیے اب عملاً اسلام میں بھی غلامی نہیں رہے گی)۔

اسلامی معاشرے میں غلامی سے بھی خطرناک بیماری اس بات کو سمجھا جاتا ہے کہ غلاموں کو عصمت فروشی کے لیے استعمال کیا جائے۔ اہل جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جس کی کوئی لونڈی ہوتی وہ اسے یہ پیشہ کرنے دیتا اور اس پر ٹیکس عائد کر دیتا اور یہ پیشہ آج تک دنیا میں رائج ہے۔ اسلام نے چونکہ اسلامی سوسائٹی کو ہر قسم کے زنا سے پاک کرنے کا حکم دیا تھا اس لیے، اس قسم کے زنا کا ذکر قرآن نے خصوصیت کے ساتھ کیا۔

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۴:۳۳) "اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاکدامن رہنا چاہتی ہوں۔ اور جو کوئی ان کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ ان کے لیے غفور و رحیم ہے"۔ اس آیت کے ذریعے ان لوگوں کو منع کر دیا گیا جو اپنی لونڈیوں کو اس پیشہ پر مجبور کرتے تھے اور ان کو تنبیہ کر دی گئی کہ وہ اس قسم کے خبیث ذریعوں سے دنیا کی دولت جمع نہ کریں۔ جن لونڈیوں کو اس طرح مجبور کر دیا گیا ہو ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے کیونکہ اس صورت میں

Marfat.com
Marfat.com

وہ مجبور تھیں۔ سعدی کہتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ ابن ابی ابن السلول کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ منافقین کا رئیس تھا۔ اس کی ایک لونڈی تھی جس کا نام "معاذہ" تھا۔ اس کا قاعدہ یہ تھا کہ اس کا کوئی مہمان آتا تو یہ اس لونڈی کو اس کے پاس بھیج دیتا' جس میں اس کے دو مطلب ہوتے۔ ایک یہ کہ وہ شخص کوئی انعام دے اور دوسرا یہ کہ اس طرح وہ مہمان کا اکرام کرتا تھا۔ یہ لونڈی حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئی اور اس نے اس بات کی شکایت کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس لونڈی کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس پر عبداللہ ابن ابی ابن السلول نے اپنی قوم کو پکارا کہ کون ہے جو ہمیں محمدؐ سے چھڑائے۔ اب اس نے ہماری مملوکات پر ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ اقدام کہ لونڈیوں کو بدکاری کے لیے استعمال نہ کیا جائے اسلامی نظام کے ان اقدامات میں سے ایک ہے' جن کے ذریعے اسلامی معاشرے کو بدکاری سے پاک کیا گیا تھا اور جنسی تسکین کے تمام غیر فطری اور گندے راستوں کو بند کر دیا گیا تھا اس لیے کہ بدکاری کا پیشہ اگر موجود ہو تو کئی لوگ اس کی سہولت کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہو گا تو لوگ پھر شادی کر کے پاک زندگی گزارنا چاہیں گے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس پیشے کی موجودگی شرفاء کے گھروں میں امن وامان کی ضمانت ہے۔ کیونکہ اگر نکاح مشکل ہو جائے تو پھر انسان اس گندے راہ ہی سے اپنی فطری ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ اگر یہ راستہ جائز نہ رکھا جائے تو پھر بھیڑیئے شریف لوگوں کی عزت سے کھیلنے لگیں گے۔

جو لوگ اس لائن پر سوچتے ہیں وہ دراصل سبب اور مسبب کے تعلق کو الٹ رہے ہیں۔ ہونا یہ چاہئے کہ لوگوں کے جنسی میلانات کو پاک رکھا جائے اور انہیں اس طرح منظم کیا جائے کہ وہ سلسلہ حیات کے تسلسل کا سبب بنیں۔ یہ فریضہ ہر سوسائٹی کا ہو کہ وہ اپنے اندر ایسا معاشی نظام جاری کرے جس کے ذریعہ سے ہر شخص اس قابل ہو کہ وہ شادی کے بندھن میں باندھا جا سکے۔ اگر پھر بھی کسی کے لیے نکاح میں مشکلات ہوں تو ایسے واقعات کا خصوصی علاج کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کوئی بھی اس گندے پیشے پر مجبور نہ ہو گا اور صورت حال یہ نہ ہو گی کہ ہر جگہ گندگی پائی جائے' گلی گندگی کا ایک ڈھیر ہو اور اس پر سے جو کوئی گزرے وہاں گندگی ڈال دے اور سوسائٹی اسے دیکھ رہی ہو۔

کسی ملک کا اقتصادی نظام ہی ایسی گندگیوں کو ختم کر سکتا ہے اس طرح کہ ایسی گندگی کسی جگہ جمع نہ ہو۔ یہ صورت نہ ہو کہ محض اقتصادی وجوہات سے اس گندگی کے لیے جواز فراہم ہو۔ انسانوں کے لیے غلاظت کے ڈھیر فراہم ہوں۔

یہ ہے وہ پالیسی جو اسلام معاشرے کی تطہیر کے لیے استعمال کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے کسی بھی معاشرے میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ زمین آسمان میں بدل جاتی ہے اور تمام انسانوں کی نظر بلند مقاصد کے لیے بلند افق پر ہوتی ہے۔ وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں اور اس سے ان کے آفاق روشن ہوتے ہیں۔

اس سبق پر اب یہ آخری تبصرہ آتا ہے جو اس کے موضوع کے ساتھ خوب متناسب ہے۔

وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا
مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

Marfat.com
Marfat.com

"ہم نے صاف صاف ہدایت دینے والی آیات تمہارے پاس بھیج دی ہیں' اور ان قوموں کی عبرتناک مثالیں بھی ہم تمہارے سامنے پیش کر چکے ہیں جو تم سے پہلے ہوگزری ہیں اور وہ نصیحتیں ہم نے کر دی ہیں جو ڈرنے والوں کے لیے ہوتی ہیں"۔

یہ آیات ایسی ہیں جو بات کو کھول کھول کر بتاتی ہیں۔ ان کے اندر کوئی پیچیدگی اور مشکل نہیں ہے کہ ان کو سمجھا نہ جا سکے۔ یا ان کے اندر جو مستحکم نظام زندگی تجویز ہوا ہے وہ کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ یہ نظام ایسا ہے کہ اس کی صحت پر گزری ہوئی اقوام کے تجربات بھی شہادت دیتے ہیں اور قرآن کریم نے ایسی اقوام کی تاریخ بیان بھی کی ہے۔ پھر دنیا میں ہر انسان یہ خواہش رکھتا ہے کہ ایک اعلیٰ ترقی یافتہ اور پاک و صاف سوسائٹی قائم ہو جو خدا خوفی پر مبنی ہو۔ اسلام ایسا ہی نظام زندگی ہے۔

اس پورے سبق میں جو فیصلے اور جو احکام وارد ہوئے ہیں وہ اس تعقیب اور تبصرے کے ساتھ ہم آہنگ ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کے دلوں کے اندر خدا کا خوف اور خدا سے تعلق پیدا کیا جائے۔

---ooo---

Marfat.com

Marfat.com

درس نمبر ۱۵۴ ایک نظر میں

اس سورہ کے دونوں سابق اسباق میں انسان کی ان مادی خواہشات کا علاج کیا گیا تھا جو انسانی شخصیت کی طبیعی خواہشات ہیں اور انسانی شخصیت پر ان کی گہری گرفت ہے۔ مقصد یہ تھا کہ ان خواہشات کو پاک و صاف کیا جائے اور ان کو نورانی افق تک بلند کیا جائے۔ گوشت و پوست کی شہوتوں' آنکھوں اور شرمگاہوں کی خواہشات۔ ان باتوں کی تشہیر اور تنقید۔ اس سلسلے میں پیدا ہونے والے غضب' اشتعال اور دشمنی کے مسائل کو حل کیا گیا تھا اور ہدایات دی گئی تھیں۔

یہ حکم دیا گیا تھا کہ اسلامی معاشرے میں فحاشی کے پھیلانے سے اجتناب کیا جائے۔ عملی زندگی اور انسان کے اقوال میں فحاشی کی ممانعت کی گئی۔ ان امور کے انسداد کے سلسلے میں سزا دہی میں بھی سخت تشدید کی گئی۔ حد زنا اور حد قذف کے سخت قوانین بنائے گئے۔ پھر بے خبر اور پاکدامن شادی شدہ عورتوں پر الزام اور بہتان کا نمونہ پیش کر کے سمجھایا گیا۔ ان امور کے لیے انسدادی قوانین بھی بنائے گئے اور اخلاقی ہدایات بھی دی گئیں۔ غض بصر اور استیذان کے قواعد نافذ کیے گئے۔ تمام ایسے امور سے منع کیا گیا جن سے فتنے میں پڑنے کے امکانات ہو سکتے تھے یا شہوت کے اندر ہیجان پیدا ہونے کا امکان تھا۔ پھر شادی کرنے کی ترغیب' جسم فروشی کی ممانعت' غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب یہ سب امور اس بات سے تعلق رکھتے ہیں کہ گوشت اور خون کے ہیجانات کو فرو کیا جائے اور لوگوں کے اندر پاکیزگی کا شعور' ضبط نفس اور صفائی اور نورانیت اور روحانیت کی طرف بڑھنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

افک کے واقعہ کے بعد سوسائٹی کے اندر غیظ و غضب' دشمنی اور کدورت کے جو آثار رہ گئے تھے ان سب کو مٹانے کی کوشش کی گئی اور نفوس مومنین کے اندر جو قلق اور بے چینی پیدا ہو گئی تھی اور جس کی وجہ سے اعلیٰ انسانی پیمانے متزلزل ہو گئے تھے ان کا علاج کیا گیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری طرح اطمینان ہو گیا اور ان کی بے چینی دور ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ نہ صرف راضی اور مطمئن ہو گئی بلکہ خوش ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ بھی مطمئن اور پر سکون ہو گئے۔ صفوان ابن معطل ایک عظیم بوجھ کے نیچے سے نکل آئے۔ تمام اہل اسلام کے شبہات دور ہو گئے اور جن لوگوں نے اس واقعہ میں غلط باتیں کی تھیں انہوں نے رجوع کر کے توبہ کر لی۔ سب لوگوں کے شبہات دور ہو گئے اور اللہ کے فضل و کرم اور ہدایت و رحمت کی بارش سب پر ہو گئی۔ اس تعلیم و تہذیب اور اس ہدایت و رہنمائی کے ذریعے نفس انسانی کو پاک و صاف کر کے منور کر دیا گیا۔ اب اس کی نظریں اس نئی روشنی کی سمت میں بلند افق پر لگ گئیں اور زمین و آسمان میں ہر سو اہل ایمان کو نور ربی نظر آنے لگا۔ اللہ نے اہل اسلام کو یہ استعداد دی کہ وہ آفاق کائنات میں سے اس نورانیت کو اخذ کر سکیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۲۴: ۳۵) "اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے"۔ یہ عجیب آیت مسلسل روشنی بکھیر رہی ہے۔ یہ اپنی خوش گوار روشنی سے پوری کائنات کو روشن کر رہی ہے۔ انسان کے اعضاء اور

Marfat.com

جوارح اور انسان کی سوچ اور شعور اور انسان کا دل اور اس کا اندرون' روشن روشن ہوتے ہیں یہاں تک کہ یہ پوری کائنات پرنور اور چمکدار ہو جاتی ہے۔ انسان کی نظریں اور اس کے نظریات اس نور سے منور ہوتے ہیں۔ تمام پردے سرک جاتے ہیں' دل دھڑکتے ہیں اور روح پھڑپھڑاتی ہے۔ ہرچیز نور کے سمندر میں تیرتی نظر آتی ہے اور ہرچیز نور کے فیض میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ہرچیز سے اس کی کثافت دور ہو جاتی ہے اور وہ ہلکی ہلکی محسوس ہوتی ہے۔ انسان آزاد ہو جاتا ہے اور اڑتا ہے۔ وہ اللہ کی معرفت اور ملاقات میں ڈوب جاتا ہے۔ وہ عالم بالا سے امتزاج اور الفت رکھتا ہے اور خوشی اور سرور میں ڈوب جاتا ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ یہ پوری کائنات کل کی کل نور مطلق ہے۔ اس ہمہ گیر نور کے لیے کوئی حدود قیود نہیں ہیں۔ آسمان' زندہ مخلوق اور جمادات سب کے سب باہم ایک ہو جاتے ہیں۔ قرب اور بعد کی مسافتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ غیب و فراز مٹ جاتے ہیں' ظاہر و باطن کے فرق مٹ جاتے ہیں اور حواس اور عقل ایک ہو جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۲۴: ۳۵) "اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے"۔ اس نور ہی سے اس کائنات کا قوام اور نظام ہے۔ کائنات کا جو ہر وجود اسی نور سے ہے۔ یہی نور اس کائنات میں اس اٹل ناموس کی تخلیق کرنے والا ہے۔ انسانوں نے تو اس عظیم حقیقت نورانی کے ایک محدود حصہ کا ادراک حال ہی میں کیا ہے۔ انسان نے جب مابعد طبیعی قریب میں اس چیز کو توڑا جسے وہ مادہ کہتے تھے تو اس توڑ پھوڑ کی وجہ سے یہ مادہ ناقابل کنٹرول نوری شعاعوں کی شکل اختیار کر گیا اور یہ شعاعیں کیا تھیں نور ہی نور' ان شعاعوں کا مادہ اور قوام ہی نور نکلا۔ ایک ذرہ یعنی مادے کا آخری یونٹ ذرہ کیا ہے؟ یہ کہرباء اور الیکٹرون ہیں جو ایٹم کے ٹوٹنے کے وقت محض روشنی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ رہا انسانی دل تو وہ سائنس دانوں کے ان انکشافات سے بہت پہلے' صدیوں پہلے یہ جانتا تھا کہ جب اس قلب کو دنیاوی کثافتوں سے پاک کر دیا جائے اور وہ شفاف ہو جائے اور اس کائنات نے نورانی آفاق میں داخل ہو جائے تو وہ نور کو پا لیتا ہے۔ قلب محمدؐ نے بھی اس کائناتی نور کو پا لیا تھا۔ اس وقت پا لیا تھا جب آپؐ طائف سے نامراد لوٹ رہے تھے۔ انہوں نے لوگوں سے اپنے ہاتھ جھٹک کر اس نور کے ہاں پناہ لی اور کہا اعوذ بنور وجهك الذي اشرفت به الظلمت وصلح عليه امر الدنيا والاخرة "میں تیرے چہرے کے نور میں پناہ مانگتا ہوں جس کی وجہ سے تمام ظلمتیں دور ہو جاتی ہیں اور جس کی وجہ سے دنیا اور آخرت کی اصلاح ہو جاتی ہے"۔ اور اسی نور سے آپ شب معراج کے سفر میں بھی فیض یاب ہوئے۔ جب حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ هل مرتبت ربك "کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟"۔ تو آپ نے فرمایا۔ نور اني اراه "وہ نور ہے میں اسے کس طرح دیکھ سکتا ہوں"۔ لیکن انسانی شخصیت ہمیشہ اس نور کے پانے کی طاقت نہیں رکھتی اور وہ ہر وقت اس کائنات کے آفاق میں اس نور تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس آیت میں قرآن نے انسانی ذہنوں کے قریب لانے کے لیے اس نور کا بیان یوں کیا ہے کہ وہ انسانی قلب و نظر اور محدود انسانی مشاہدے کے قریب ہو جائے اور انسان اس نور قریب کو محسوس کرے۔

---(۱۰)---

Marfat.com

درس نمبر ۱۵۴ تشریح آیات

۳۵ --- تا --- ۴۵

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو' چراغ ایک فانوس میں ہو' فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا' اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی' جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو۔ چاہے آگ اس کو نہ لگے' (اس طرح) روشنی پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں)۔

یہ ایک ایسی مثال ہے جو انسان کے محدود ادراک کے لیے ایک غیر محدود ذات کے تصور کو قریب کرتی ہے اور ایک نہایت ہی چھوٹے نور کی مثال کو پیش کیا جاتا ہے جس کو انسانی تصور سمجھ سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اصل نور کا ادراک انسانی تصور کے لیے ممکن نہیں۔ نور کی ایک چھوٹی سی مثال پیش کی جاتی ہے جبکہ انسانی ادراک نور کے ان آفاق کا احاطہ نہیں کر سکتا جو اس کی حدود سے وراء ہیں۔

اس پوری کائنات کی وسعتوں سے ہم اب ایک طاق کی طرف آتے ہیں' جو ایک دیوار میں ہے جہاں چراغ رکھا جاتا ہے' اس طرح اس کی روشنی پورے کمرے کو روشن کرتی ہے۔ چراغ طاق میں' چراغ ایک فانوس میں' یہ شیشہ اس چراغ کو ہوا سے بچاتا ہے' اس طرح اس کا نور صاف ہو جاتا ہے اور نورانیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ فانوس ایسا ہے جس طرح چمکتا ہوا تارہ ہوتا ہے۔ یہ فانوس بذات خود بھی صاف و شفاف و چمکدار پارے کی طرح ہے۔ یہاں مثال اور حقیقت کے درمیان ربط قائم ہوتا ہے۔ اصل اور نمونے کا فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ تصور کو ایک چھوٹے سے فانوس سے ایک بڑے ستارے کی طرف لے جاتا ہے تاکہ انسانی سوچ کہیں اس چھوٹے سے نمونے تک ہی محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ اس چھوٹے سے چراغ کی مثال تو اس حقیقت کی طرف اشارے کے لیے اختیار کی گئی ہے' كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ کی طرف

Marfat.com

اشارہ کر کے اب بیان پھر اسی چھوٹی سی مثال کی تشریح کی طرف آتا ہے۔

يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ (۲۴: ۳۵) "اور یہ چراغ زیتون کے ایک مبارک درخت سے روشن کیا جاتا ہے"۔ اس دور تک زیتون کے تیل کی روشنی تمام روشنیوں سے صاف ترین روشن تھی۔ لیکن یہ مثال صرف اس لیے نہیں دی گئی کہ زیتون کے تیل کی روشنی سب سے زیادہ صاف ہوتی ہے۔ بلکہ زیتون کے درخت کو جو اپنا تقدس حاصل ہے اس کی طرف اشارہ مطلوب ہے کہ یہ درخت وادی مقدس طویٰ میں پیدا ہوتا ہے۔ عربوں کے اندر جو زیتون آتا تھا وہ طور کی وادی مقدس سے آتا تھا۔ قرآن مجید میں اس درخت کی طرف اشارہ موجود ہے۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِن طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْآكِلِينَ "اور وہ درخت جو طور سینا پر پیدا ہوتا ہے' جو تیل پیدا کرتا ہے جو کھانے والوں کے لیے اچھا سالن ہے"۔ یہ نہایت ہی طویل العمر درخت ہوتا ہے اور اس درخت کے تمام حصے انسانوں کے لیے مفید ہوتے ہیں۔ اس کا تیل' اس کی لکڑیاں' اور اس کے پتے اور اس کے پھل سب کے سب مفید ہیں۔ اب بیان پھر اس چھوٹی سی مثال سے ذرا بلند ہوتا ہے اور اصل کی طرف ذہن کو موڑا جاتا ہے۔ یہ کوئی مخصوص درخت نہیں ہے۔ "نہ شرقی ہے اور نہ غربی ہے"۔ اور نہ یہ محدود اور مشخص تیل ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا کوئی اور ہی تیل ہے۔

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (۲۴: ۳۵) "اس کا تیل خود بخود بھڑک اٹھتا ہے' اگرچہ اس کو آگ نہ لگائی گئی ہو"۔ یعنی اس کے اندر نورانیت کوٹ کوٹ بھری ہوئی ہے۔ نور علیٰ نور ہے۔ لفظ نور علیٰ نور سے ہم ذات باری کے اعلیٰ نورانیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

یہ وہ خدائی نور ہے جس سے اس پوری کائنات کی ظلمتیں دور ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ نور ہے جس کی حقیقت تک انسانی دماغ نہیں پہنچ سکتا۔ بس یہ ایک کوشش ہے کہ دل اس کے ساتھ متعلق ہوں اور اس کے ادراک کے لیے سعی کریں اور اس کے دیکھنے کی امید رکھیں۔

يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣٥﴾

"اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے' رہنمائی فرماتا ہے' وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے' وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف راہنمائی فرماتا ہے لیکن صرف اس شخص کو جو اپنے دل و دماغ کو اس نور کو قبول کرنے کے لیے کھولتا ہے۔ یہ نور تو زمین و آسمان میں عام ہے۔ زمین و آسمان میں اس کے فیوض و برکات موجود ہیں۔ اور ہر

Marfat.com
Marfat.com

وقت موجود رہتے ہیں ۔ یہ نور کبھی ختم نہیں ہوتا' مدھم نہیں پڑتا اور بند نہیں ہوتا ۔ انسان جب بھی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے دیکھتا ہے اور بے راہ شخص جب بھی اس کی طرف رخ کرے وہ اس کی راہنمائی کرتا ہے ۔ اور جب بھی کوئی اس نور سے رابطہ قائم کرے وہ اسے ہدایت دیتا ہے ۔

اللہ کے نور کی اس آیت میں جو مثال دی گئی ہے یہ لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہے ۔ "وہ لوگوں کو مثالوں سے سمجھاتا ہے" ۔ اس لیے کہ وہ علیم ہے اور انسانی قوت مدرکہ کی حدود کو اچھی طرح جانتا ہے ۔ ان مثالوں میں جو نور سمجھایا گیا ہے وہ مطلق نور ہے ۔ آسمانوں اور زمینوں میں عام ہے ۔ آسمانوں اور زمین پر اس کا فیضان ہے اور یہ نور ان گھروں میں روشن اور چمکتا ہوا نظر آتا ہے جن میں لوگوں کے دل اللہ کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں ۔ جن میں اللہ کا ذکر جاری رہتا ہے ۔ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اور جن گھروں کے باشندے اللہ والے ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں دنیا کی ہر چیز سے اس نور سماوات کو ترجیح دی جاتی ہے ۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

"اس کے نور کی طرف (ہدایت پانے والے) ان گھروں میں پائے جاتے ہیں جنہیں بلند کرنے کا' اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ نے اذن دیا ہے ۔ ان میں ایسے لوگ صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت نماز و ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر دیتی ۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آ جائے گی' (اور وہ یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں) تاکہ اللہ ان کے بہترین اعمال کی جزا ان کو دے اور مزید اپنے فضل سے نوازے' اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے" ۔

یہاں اللہ کے نور کی تمثیل اور ان گھروں کی تمثیل میں ایک خاص تعلق ہے اور یہ قرآن کریم کے انداز بیان کا فنی کمال ہے ۔ طاق کے اندر چراغ روشن ہے اور گھروں کے اندر دل مومن روشن ہے ۔ اس طرح دونوں کے درمیان مشاکلت ہے ۔

یہ گھر ایسے ہیں کہ اللہ نے حکم دینا ہے کہ ان کی دیواروں کو بلند کیا جائے اور ان کی تعمیر کی جائے ۔ ان کو بلند کرنے کے اذن سے مراد ان کو تعمیر کرنے کا حکم دینا ہے کہ وہ اس حکم پر عمل کریں ۔ چنانچہ یہ گھر قائم کر دیئے گئے ہیں' بلند ہیں اور پاک اور ستھرے ہیں ۔ ان کا منظر اس کائنات کے منظرے مشابہ ہے جہاں نور ربی پھیلا ہوا ہے ۔ ان گھروں کی بلندی

Marfat.com

اس لیے ہے کہ یہاں اللہ کا نام لیا جائے۔

وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ (۲۴:۳۶) "اس میں اللہ کا نام یاد کیا جائے"۔ اور یہ پاک دل اللہ کے ساتھ وابستہ ہوں' اللہ کی تسبیح کرتے ہوں۔ اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔ نماز بھی پڑھنے والے ہوں۔ اللہ کی راہ میں دینے والے بھی ہوں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ (۲۴:۳۷) "ان میں ایسے لوگ صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت صلوٰۃ سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کر دیتی"۔ تجارت اور خرید و فروخت کمانے اور دولت جمع کرنے کے ذرائع ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کاموں میں مشغول رہنے کے باوجود اللہ کے حقوق یعنی نماز اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی یعنی زکوٰۃ سے غافل نہیں ہوتے۔

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (۲۴:۳۷) "وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پتھرانے کی نوبت آ جائے گی"۔ دل الٹے ہوں گے یعنی ان کے اندر خوف و ہراس کی وجہ سے کوئی قرار نہ ہو گا' اور یہ دل چونکہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اس لیے تجارت اور خرید و فروخت انہیں اللہ کے ذکر سے روک نہیں سکتے۔

لیکن اس خوف کے ساتھ امید بھی وابستہ ہے۔ وہ مایوس نہیں ہوتے۔ وہ اللہ سے امیدیں باندھے ہوئے ہوتے ہیں۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ (۲۴:۳۸) "تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال کی جزا ان کو دے اور مزید فضل سے نوازے"۔ ان کی امید ناکام بھی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ

وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۲۴:۳۸) "اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے" کیونکہ اللہ کے فضل کے کوئی حدود و قیود نہیں ہیں۔

---ooo---

آسمانوں اور زمین کے اندر روشن ہونے والے اس نور کے بالمقابل' اللہ کے ان گھروں میں پائے جانے والے اس نور کے بالمقابل اہل ایمان کے دلوں میں روشن نور کے بالمقابل' یہاں قرآن مجید ظلمات اور تاریکیوں کے ایک جہان کو بھی پیش کرتا ہے۔ اس جہان میں کوئی روشنی نہیں ہے۔ اس جہان میں کوئی امن و سکون نہیں ہے۔ ہر طرف خوف کے سائے چھائے ہوئے ہیں۔ اس میں ہر طرف بربادی ہی بربادی ہے۔ کوئی خیر نہیں ہے۔ یہ اہل کفر کا جہان ہے اور ایک کافرکی دنیا ہے۔ اس کے خدوخال اور رنگ ڈھنگ کچھ یوں ہیں۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا
جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ
فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

ع ۶ ۵ ۱۱

"(اس کے برعکس) جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشت بے آب میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا، مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا، بلکہ وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا، جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا، اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔ یا پھر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا، کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے، اس پر ایک اور موج، اور اس کے اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی مسلط ہے، آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے جسے اللہ نور نہ بخشے اس کے لیے پھر کوئی نور نہیں"۔

یہاں قرآن کریم نے اہل کفر کی زندگی اور ان کے نظریات اور سرگرمیوں کی تصویر کشی دو طرح کی ہے۔ یہ دو مشاہد ہیں جو بطور تمثیل دیئے گئے ہیں۔

پہلی تمثیل ہے ان کے اعمال کی۔ یہ اعمال ایسے نظر آتے ہیں جس طرح چٹیل وسیع ریگستان میں سراب نظر آتا ہے۔ یہ سراب نیلے پانی کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ پیاسا اس کے پیچھے بھاگتا ہے۔ وہ توقع تو یہ کرتا ہے کہ سراب تک پہنچ کر پانی پئے گا لیکن وہ اس بات سے غافل ہوتا ہے کہ وہاں تک پہنچ کر وہ وہاں کیا پانے والا ہوتا ہے۔ یہاں منظر میں اچانک تبدیلی آجاتی ہے۔ یہ شخص جو سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہے پیاسا ہے، پانی کی تلاش میں ہے۔ اور غافل ہے اس معاملے سے جو اسے پیش آنے والا ہے۔ یہ جب منزل تک پہنچتا ہے تو وہاں اسے پانی نہیں ملتا۔ وہاں اسے وہ چیز ملتی ہے جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اب یہ اس نئی حقیقت سے دوچار ہو کر خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ امیدیں کٹ جاتی ہیں۔

وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ (۲۴: ۳۹) "وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا"۔ وہ اللہ موجود ہے جس کا وہ منکر تھا اور یہ شخص اللہ وحدہ کا دشمن تھا۔ اس سراب میں اس کا منتظر اللہ تھا۔ اگر اس سراب میں یہ شخص اپنے کسی دنیاوی دشمن کو پائے تو پھر یہ سخت خوفزدہ ہو جائے لیکن یہ وہاں خالق کائنات کو پا رہا ہے جو جبار ہے۔ بڑی قوت والا ہے اور سخت انتقام لینے والا بھی ہے۔ وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ پانی کے بجائے اس کا وہاں حساب و کتاب شروع ہو جاتا ہے۔

فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۲۴: ۳۹) "جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا اور اللہ کو حساب لینے میں دیر نہیں لگتی"۔ یہ منظر سرعت اور شتابی کے ساتھ اچانک سرپرائز کو پیش کرتا ہے اور سرعت اور سراب کے ساتھ، جلدی سے حساب چکانا اور اچانک خوف میں مبتلا ہونا، فنی ہم آہنگی ہے۔

Marfat.com

دوسرا منظر یہ ہے کہ اس میں جھوٹی روشنی کے بعد اندھیرے چھا جاتے ہیں' یوں کہ ایک انسان سمندری جہاز میں ہے' یہ جہاز سمندر کی ظالم لہروں میں گھرا ہوا ہے' خوفناک موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہے' ان کے اوپر سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ایسا خوفناک اندھیرا ہو گیا ہے کہ کوئی شخص اگر اپنے ہاتھ کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ دیکھ نہیں سکتا' شدت خوف اور شدت تاریکی کی وجہ سے۔

کفر کیا ہے' یہ دراصل ارواح زندگی میں ایک عمیق اندھیرا ہے۔ یہ اندھیرا اللہ کے نور کو نظروں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ یہ اس قدر گہری گمراہی ہے کہ اس میں انسان کو ہاتھ کی طرح قریبی دلائل بھی نظر نہیں آتے۔ کفر اس قدر خوفناک صورت حال کا نام ہے کہ اس میں انسان کے لیے سکون و قرار نہیں ہوتا۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (۲۴: ۴۰) "جسے اللہ نور نہ بخشے اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے"۔ اللہ کا نور کیا ہے' وہ ہدایت جو اللہ دل مومن میں ڈال دیتا ہے وہ اللہ کا نور ہے۔ یہ ہدایت انسان کے دل کو کھول دیتی ہے اور انسان کی فطرت نوامیس قدرت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ یوں انسانی قلب میں موجود نور الٰہی اس کائنات میں موجود نور الٰہی کے ساتھ یکجا ہو جاتا ہے اور جس شخص کا اتصال اس نور کائنات سے نہ ہو سکا تو وہ اندھیروں میں ہے اسے کچھ نظر نہ آئے گا۔ یہ ہمیشہ خوفناک حالات میں ہو گا جن میں کوئی امن نہ ہو گا۔ یہ شخص ایسی گمراہی میں پڑ جائے گا جس سے اس کا نکلنا مشکل ہو گا اور اس کے اعمال کا انجام سراب ہو گا اور سراب کے پیچھے بھاگنے والا ظاہر ہے کہ ہلاک ہو جائے گا۔ کیونکہ کفار کے اعمال کے پیچھے کوئی نظریہ اور کوئی نور نہیں ہوتا۔ نور ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا اس لیے کوئی اصلاحی کام بغیر ایمان کے نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی ہدایت ہی نور ہے اور اللہ کا ذکر ہی نور ہے۔

یہ تھے مناظر کفر و ضلالت اور مناظر تاریکی۔ اس کے بعد پھر اس کائنات میں ایمان اور نور کے مناظر آتے ہیں۔ یہاں پوری کائنات میں نور ہی کا عالم ہے۔ تمام موجودات اس نور میں تسبیح پڑھ رہی ہیں اور عالم نماز میں ہیں۔ انس ہوں' جن ہوں' زمین ہو یا افلاک ہوں۔ زندہ ہوں یا جمادات ہوں' تمام کائنات تسبیح پڑھ رہی ہے اور تمام موجودات اس زمزمے میں ہمقدم ہیں' یوں کہ ایک دانا کا وجدان اس سے ارتعاش میں آجاتا ہے اور دل معرفت سے بھر جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں' وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ پرندے جو پر پھیلائے اڑ رہے ہیں؟ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے' اور یہ سب جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے"۔

اس وسیع کائنات میں انسان صرف منفرد نہیں ہے۔ اس کا ایک ماحول ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ بڑا ہی وسیع ماحول ہے۔ اس کے دائیں اور بائیں ہر طرف اللہ کی بندگی ہو رہی ہے۔ اس کے آگے اور پیچھے اور اوپر اور نیچے جہاں

Marfat.com
Marfat.com

جہاں تک نظر جا سکتی ہے۔ پھر نظر کی حدود سے آگے جہاں جہاں تک خیال جا سکتا ہے' اس وسیع کائنات میں انسان کے بھائی بند موجود ہیں۔ یہ مختلف شکلیں اور مختلف طبیعتیں رکھتے ہیں۔ لیکن ایک بات میں سب ایک ہیں۔ یہ کہ یہ سب اللہ کی مخلوقات ہیں۔ یہ سب اللہ کے مطیع فرمان ہیں اور اللہ کی حمد اور تسبیح میں رطب اللسان ہیں۔

وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (۲۴: ۴۱) "اور یہ سب جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے"۔ قرآن کریم کا یہ مخصوص انداز استدلال ہے کہ وہ انسان کو اپنے ماحول کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ انسان کے ماحول میں' ان سماوات میں جو اللہ کی تخلیق ہے یہ سب کی سب اللہ کی ثناخواں ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ اس کائنات کے مشاہد میں غور کرے کیونکہ انسان اپنے ماحول کو روز دیکھتا ہے۔ اور طول الفت کی وجہ سے اس کا دل و دماغ اس ماحول سے متاثر نہیں ہوتے۔ ذرا دیکھو کہ بعض پرندے اس ہوا میں اڑتے ہیں اور ان کی اڑان صفوں کی شکل میں ہوتی ہے۔ یہ اپنی اس صف بندی اور منظم پرواز میں دراصل اللہ کی حمد بیان کر رہے ہوتے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ (۲۴: ۴۱) "ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے"۔ لیکن انسان ہے کہ اس عقل و بینش کے ساتھ بھی اللہ کی تسبیح سے غافل ہے۔ حالانکہ وہ تمام مخلوقات سے زیادہ اس بات کا مکلف ہے کہ ہر وقت تسبیح اور نماز میں مصروف ہو۔

اس منظر میں پوری کائنات نہایت ہی خشوع سے سجدہ ریز نظر آتی ہے اپنے خالق کے آگے۔ تسبیح اور نماز میں کھڑی ہے۔ یہ بات تو فطرت کائنات ہے کہ وہ ایسا کرے اور اللہ کے نوامیس فطرت کی اطاعت کرتے ہوئے چلے۔ انسانی وجدان جب صاف اور شفاف ہو جاتا ہے اور جیسے وہ صبح و شام چڑیوں کو چہچہاتے سنتا ہے تو وہ یہ منظر دیکھ سکتا ہے کہ یہ کائنات پوری کی پوری حمدی خواں ہے اور انسان اپنے کانوں سے اس کائنات کی آواز اور تسبیح سن سکتا ہے۔ اگر انسان کو معرفت کردگار حاصل ہو جائے تو وہ پھر اس پوری کائنات کے ساتھ اس محفل اور مجلس صلوٰۃ و تسبیح میں ہم رنگ اور ہم آہنگ اور نغمہ سرا ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں کے نیچے جب کنکریوں کی تسبیح سنی' اور حضرت داؤد جب زبور کے ساتھ زمزمہ سرا ہوتے تھے تو یہ پوری کائنات ان کے ساتھ روحانی نغمے گاتی تھی۔ وہ سنتے تھے اور ان کے ساتھ وحوش و طیور سب گاتے تھے۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

"آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے"۔ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تمام تر توجہات اس کی طرف کر دیں۔ اس کے سوا اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اس سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کے عذاب سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں ہے اور سب نے اسی کی طرف جانا ہے۔

اب اس کائنات کے مناظر میں سے ایک دوسرا منظر۔ لوگ رات اور دن اس منظر کو دیکھتے ہیں اور غفلت کے ساتھ

Marfat.com
Marfat.com

گزر جاتے ہیں' حالانکہ یہ منظر دامن نظر کو پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہے کہ ذرا دیکھو تو سہی' دل میں سوچو تو سہی' اللہ کی نشانیوں اور اس کی تخلیقات میں غور تو کرو۔ دلائل نور اور دلائل ہدایت پر غور تو کرو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ؕ

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے' پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے' پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے' پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے چلے آتے ہیں اور وہ آسمان سے' ان پہاڑوں کی بدولت جو اس میں بلند ہیں اولے برساتا ہے' پھر جسے چاہتا ہے ان کا نقصان پہنچتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان سے بچا لیتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو خیرہ کیے دیتی ہے"۔

یہ منظر نہایت ہی آرام سے اور طوالت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ دعوت دی جاتی ہے کہ اس منظر کے ہر جزء پر غور کرو۔ اس منظر کے اجزاء پھر جمع ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس پر گہرے مشاہدے اور غور و فکر کی وجہ سے انسانی احساس کو جگایا جائے اور اس گہری صنعت کاری کے اندر جو گہری بصیرت ہے اس کے بارے میں انسانی احساس کو تیز کیا جاتا ہے تاکہ انسان عبرت آموز نگاہوں سے اس منظر کو دیکھے۔

اللہ بادلوں کو چلاتے ہیں' ایک علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف۔ یہ بادل آسمان میں ٹکڑیوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ پھر یہ جمع ہوتے ہیں۔ اچانک ہم دیکھتے ہیں کہ تہوں کے اوپر تہیں جم جاتی ہیں۔ جب یہ اچھی طرح بوجھل ہو جاتے ہیں تو ان میں سے پانی نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ بارش کے موٹے موٹے قطرے تم گرتے دیکھتے ہو۔ یہ بادل بڑے بڑے پہاڑوں کی شکل میں آسمانوں میں نظر آتے ہیں۔ جب یہ بہت اوپر چلے جاتے ہیں تو ان میں برف جم جاتی ہے۔ یہ بادل پہاڑوں کی طرح خوب نظر آتے ہیں۔ جب طیارہ ان سے اوپر چلا جاتا ہے اس وقت فی الواقعہ یہ بادل پہاڑ نظر آتے ہیں۔ بڑے بڑے پہاڑ اور ان کے اندر بڑے بڑے نشیب و فراز ہوتے ہیں۔ یہ انداز تعبیر ایسا ہے کہ انسان نے اس کو اچھی طرح اس وقت سمجھا جب وہ طیارے پر سوار ہو کر بادلوں سے اوپر چلا گیا۔

بادلوں کے یہ پہاڑ' اللہ کے احکام میں' اللہ کے نظام میں بندھے ہوئے ہیں۔ یہ اس کے کائناتی ناموس کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے ان کے ذریعے پانی دے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے' اس سے ان کا رخ پھیر دیتا ہے۔ اس منظر کا تکملہ یوں آتا ہے۔

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ (۲۴ : ۴۳) "اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو خیرہ کیے دیتی

Marfat.com

ہے"۔ یہ منظر اس لیے لایا گیا ہے کہ کائنات کے نور اعظم کے ساتھ بجلی کا نور لیک ہو جائے۔ یہ قرآن کریم کا مخصوص انداز بیان ہے کہ وہ ہم جنس معانی کو لیک جگہ لاتا ہے کیونکہ یہ سورہ 'سورۃ نور ہے۔

---ooo---

اب تیسرا کائناتی منظر گردش لیل و نہار کا منظر ہمارے سامنے ہے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿٤٤﴾

"رات اور دن کا الٹ پھیر وہی کر رہا ہے۔ اس میں ایک سبق ہے آنکھوں والوں کے لیے"۔

گردش لیل و نہار کے نظام پر غور و فکر قرآن مجید کا لیک اہم موضوع ہے۔ رات اور دن کے بدلنے کا یہ نظام مسلسل چل رہا ہے اور اس کے اندر لیک لمحے کا تغیر و تبدل نہیں ہے۔ اس سے وہ ناموس کائنات اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے جو اس کائنات میں متصرف ہے۔ اس ناموس پر غور و فکر سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ نے کس باریکی کے ساتھ اس نظام کو چلا رہا ہے۔ قرآن کریم اپنے مؤثر انداز بیان کے ساتھ ان مناظر کے ان اثرات کو تازہ کر دیتا ہے جو بالعموم مانوس ہونے کی وجہ سے مٹ گئے ہوتے ہیں۔ انسان پھر ان مناظر کو ایک نئے احساس کے ساتھ دیکھتا ہے اور ہر بار اس سے بالکل نیا تاثر لیتا ہے۔ یہ سوچنا یوں ہے کہ اگر انسان گردش لیل و نہار کے اس نظام کو پہلی مرتبہ دیکھے تو اس کا تاثر کیا ہو۔ اس نظام میں صدیاں گزر جانے کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ تبدیلی اگر ہے تو صرف انسان کی نگاہ میں ہے۔ انسانی احساس اور ادراک گردش لیل و نہار کے مناظر کو دیکھتے دیکھتے بجھ سا گیا ہے جبکہ رات اور دن کے اس نظام نے اپنی خوبصورتی اور انوکھے پن میں سے کسی چیز میں کمی نہیں کی ہے۔ جب انسان اس کائنات پر سے غافلوں کی طرح گزر جاتا ہے تو وہ زندگی کی ایک بڑی مسرت کو گنوا دیتا ہے بلکہ اس کائنات کی حقیقی خوبصورتی اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ وہ مناظر جو انسان کے سامنے اگر از سر نو پیش ہوں تو بہت ہی اثر انگیز ہوں اور حسین نظر آئیں۔

قرآن کریم کا کمال یہ ہے کہ وہ ہماری بجھی ہوئی حس کو تازہ کر دیتا ہے اور ہمارے چھپے ہوئے شعور اور خوابیدہ احساسات کو تجدید بخشتا ہے۔ ہمارا ٹھنڈا دل گرم ہو جاتا ہے اور ہمارا کند وجدان تیز ہو جاتا ہے۔ پھر ہم اس کائنات کو یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ گویا ہم نے اس کائنات کو پہلی مرتبہ دیکھا ہو۔ ہم پھر اس کائنات کے مظاہر پر غور کرتے ہیں اور اس کے سربستہ اور پوشیدہ کمالات کو معلوم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر ہمیں نظر آتا ہے کہ دست قدرت ہر جگہ کام کر رہا ہے۔ ہمارے ماحول کی ہر چیز میں اس کی صنعت کاری ہے اور اس کائنات کی ہر چیز میں اس کے نشانات ہیں اور ہمارے لیے عبرتیں ہی عبرتیں ہیں۔

اللہ ہم پر احسان کرتا رہتا ہے کہ جب بھی ہم اس کائنات کے مناظر میں سے کسی منظر پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ایک حیات تازہ مل جاتی ہے۔ ہمیں اس کائنات کی ہر چیز کے بارے میں ایک نیا احساس ملتا ہے اور یوں مسرت ملتی ہے کہ گویا ہم اس منظر کو پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔ گویا اس احساس کے ساتھ ہم اس کائنات کو کئی مرتبہ اور بے شمار مرتبہ دریافت کرتے ہیں اور خوشی پاتے ہیں۔ اگر حساس نگاہوں سے دیکھا جائے تو یہ کائنات بہت ہی خوبصورت ہے اور ہماری فطرت

Marfat.com
Marfat.com

فطرت کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ہماری فطرت اس سرچشمے سے پھوٹی ہوئی ہے جس سے اس کائنات نے وجود اور فطرت اور ناموس فطرت اخذ کیا ہے۔جب ہم اس کائنات کی روح کے ساتھ پیوستہ ہو جاتے ہیں تو ہمیں ایک عجیب اطمینان و سکون مل جاتا ہے' نہایت ہی گہرا رابطہ اور خوشی ملتی ہے۔انس اور طمانیت ملتی ہے۔یوں جس طرح ایک شخص اپنے محبوب کو بلاواسطہ مل جاتا ہے۔

اس کائنات کی گہری معرفت کے نتیجے میں اس میں ہمیں اللہ کا نور نظر آتا ہے اور یہ ہے مفہوم اللہ کے نور سماوات والارض کا۔جب ہم اپنے وجود' اپنے نفس اور اس کائنات کا گہرا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس میں اللہ کا نور نظر آتا ہے اور ہم اس وقت اصل حقیقت سے مل چکے ہوتے ہیں اور ہمیں نظر آتا ہے کہ تدبیر کائنات کی حقیقت کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم بار بار ہمیں متوجہ کرتا ہے کہ ہم اس کائنات کے روز مرہ کے مناظر کو ذرا گہرے غور و فکر کے ساتھ دیکھیں۔ہمارے احساس اور ہمارے تدبر کے لیے قرآن کریم بار بار اور مختلف قسم کے مناظر و مظاہر پیش کرتا ہے جو نہایت ہی خوبصورت ہوتے ہیں۔قرآن دعوت دیتا ہے کہ ان مظاہر و مناظر پر سے غافل لوگوں کی طرح نہ گزر جاؤ' آنکھیں بند کر کے کیونکہ اس دنیا میں تمہارا یہ سفر نہایت ہی بامقصد ہے۔یہاں سے کچھ لے کر جاؤ لیکن انسان ہیں کہ خالی ہاتھ جا رہے ہیں۔

---ooo---

مزید مشاہد قدرت پیش کیے جاتے ہیں اور ہمارے احساس کو مزید تیز کیا جاتا ہے کہ یہاں ایک ہی اصول پر یہ زندگی قائم ہے۔اس کا ایک ہی مزاج ہے۔اس کی ایک جیسی تخلیق کے بعد پھر زندگی کے بھی کئی مشاہد اور مظاہر ہیں اور اس میں تنوع ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"اور اللہ نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا۔کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

یہ ایک عظیم حقیقت ہے جس کو قرآن کریم نہایت ہی سادے الفاظ میں بیان کر رہا ہے۔یہ حقیقت کہ ہر زندہ مخلوق کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔یہ بتاتی ہے کہ حیات کے بنیادی عناصر ایک ہی ہیں اور یہ کہ زندگی کے قیام کا بنیادی عنصر پانی ہے۔جدید سائنس بھی اس بات کی طرف جا رہی ہے کہ زندگی کی اصل تخلیق پانی میں ہوئی۔یعنی سمندر میں۔یعنی ابتدائی حالت میں زندگی پانی میں تھی۔اس کے بعد زندگی کے اندر رنگا رنگی پیدا ہوئی۔یہ تو ہے سائنس دانوں کی سوچ۔ ہماری سوچ مختلف ہے۔ہم قرآنی حقائق کو سائنس کی خراد پر نہیں چڑھاتے۔کیونکہ سائنس کے اصول اور معیار

Marfat.com
Marfat.com

بدل جاتے ہیں جبکہ قرآن ناقابل تغیر اور آخری حقائق بتاتا ہے۔ ہم بس یہی کہتے ہیں کہ حیات کا اصل پانی ہے۔ اس لیے کہ قرآن یہ کہتا ہے۔ اگرچہ حیات کی شکلیں مختلف نظر آتی ہیں لیکن اس کا اصلی مادہ پانی ہی ہے۔ پانی ہی سے حیوان زمین پر چلنے لگا ہے۔

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (۲۴:۴۵) "اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے"۔ مختلف ہیئت اور مختلف شکل کے جانور پیدا کرتا ہے اور یہ اللہ کی مشیت ہے کہ وہ کیا پیدا کرتا ہے اور کس شکل میں پیدا کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲۴:۴۵) "بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔ اگر ہم تمام زندہ چیزوں پر غور کریں تو دیکھیں گے کہ حیات کی اصل تو ایک ہے لیکن اس ایک ہی مادے سے اللہ نے کیا کیا چیزیں' کس کس شکل پر بنائی ہیں۔ مختلف حجم والی مختلف رنگوں والی' مختلف شکل و صورت والی۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک خالق اور مدبر ہے جو یہ رنگا رنگی پیدا کر رہا ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اس گہرے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کی کوئی چیز محض اتفاق سے بلا ارادہ اس طرح پیدا نہیں ہو گئی ہے بلکہ ایک تدبیر اور ارادے سے ایسا ہوا ہے۔ اگر تدبیر اور ارادۂ خالق کو تسلیم نہ کیا جائے تو وہ کیا اتفاق ہے جس نے اسے پیدا کیا۔ پھر یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہر چیز کے اندر خود بخود ایک تدبیر اور تقدیر پیدا ہو گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ پوری کائنات اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو اس کی تخلیق بخشی اور ہر چیز کو ہدایت' وجدان اور شعور بخشا ہے کہ اس کا فرض منصبی کیا ہے۔

---○○○---

Marfat.com

درس نمبر ۱۵۵ ایک نظر میں

سابق عظیم دور اور طویل سبق نور کے موضوع پر تھا اور یہ نور اس کائنات کے مظاہر میں سے بھی تھا۔ اب کلام کا رخ پھر اپنے اصل موضوع کی طرف آجاتا ہے یعنی وہ آداب جن پر قرآن کریم اسلامی سوسائٹی کی تعمیر چاہتا ہے۔ اور جن کے مطابق مسلمانوں کے ظاہر و باطن کو پاک کرنا مطلوب ہے۔ اور اسلامی سوسائٹی کو اس نور سے منور کرنا مطلوب ہے جس نور سے یہ پوری کائنات منور ہے (گویا اسلامی نظام بھی ایک نور ہے کیونکہ اس کا نازل کرنے والا بھی ایک نور ہے)۔

جو لوگ اللہ کے نور سے منور ہوں وہ کیسے ہوتے ہیں' درس سابق میں اس کی ایک جھلک دکھائی گئی کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتے اور وہ دنیاوی کاموں کی وجہ سے اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں ہوتے اور جو لوگ اس نور کائنات سے محروم تھے وہاں ان کی بھی ایک جھلک دکھائی گئی تھی کہ وہ جن دنیاوی مقاصد کے پیچھے رات اور دن بھاگ رہے ہیں وہ تو سراب ہے۔ حقیقت کچھ بھی نہیں۔ اور ان کی زندگی اس طرح ہے جس طرح موجوں میں گھری ہوئی کشتی جس کے اوپر گہرے بادل ہوں اور کچھ نظر نہ آرہا ہو۔

اب یہاں ان منافقین کا ذکر ہے جو اللہ کی روشن نشانیوں سے کوئی سبق لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ اسلام کو ظاہر کرتے ہیں لیکن وہ آداب مومنین کو نہیں اپناتے۔ مومنین تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے لیے ہر وقت تیار ہوں' اور نہایت ہی اطمینان' سنجیدگی اور رضامندی سے مطیع فرمان ہوں۔ یہاں ان کے اور مومنین صادقین کے ایمان کے درمیان موازنہ کیا جاتا ہے۔ اہل ایمان کے ساتھ اللہ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین کی خلافت دی جائے گی اور ان کا اقتدار اس زمین پر مستحکم کر دیا جائے گا۔ یہ انعام ان کو اس لیے دیا جائے گا کہ وہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت ہی ادب اور اطاعت کا تعلق رکھتے ہیں اور اللہ اور رسول اللہؐ کا احترام کرتے ہیں۔ اللہ اور رسول اللہؐ کے ساتھ ان کا یہ تعلق اس حقیقت کے باوجود ہے کہ کافر اللہ اور رسول اللہؐ کے دشمن ہیں اور یہ کہ اہل کفر اللہ اور رسول اللہؐ کو اس کرۂ ارض پر عاجز نہیں کر سکتے۔ کفار کا تو خود اپنا انجام برا ہونے والا ہے۔

---ooo---

Marfat.com

درس نمبر ۵۵ تشریح آیات

۴۶ --- تا --- ۵۷

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

”ہم نے صاف صاف حقیقت بتانے والی آیات نازل کر دی ہیں۔ آگے صراط مستقیم کی طرف ہدایت اللہ جسے چاہتا ہے' دیتا ہے“۔

اللہ کی بات صاف صاف حقیقت بتلانے والی ہے۔ ان سے اللہ کا نور معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہدایت کے سرچشمے بتانے والی ہیں۔ ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے۔ طیب کیا ہے اور خبیث کیا ہے۔ یہ آیات اسلامی نظام زندگی کو نہایت ہی مفصل طریقے سے کھول کھول کر بتاتی ہیں۔ یہ آیات زمین پر رائج کیے جانے والے احکام و قوانین کو بالکل ظاہر کر کے بتاتی ہیں کہ جب بھی لوگ اپنے فیصلے کرنا چاہیں تو احکام اور قوانین واضح ہوں۔ ان قوانین میں کسی فریق کی کوئی حق تلفی نہیں ہے۔ نہ ان میں حق و باطل کے درمیان کوئی التباس ہے۔ نہ حلال و حرام کا التباس ہے۔ ہر چیز واضح اور مفصل ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۴ : ۴۶) ”اور اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے دیتا ہے“۔ اللہ کی مشیت بے قید ہے' اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہاں اللہ نے ہدایت کے لیے ایک ضابطہ مقرر کیا ہوا ہے جو شخص اپنے نفس کو اس طریق ہدایت کی طرف متوجہ کر دے وہ راہ ہدایت کو پالیتا ہے لیکن ہدایت کی راہوں پر چل نکلتا ہے۔ تو وہ اللہ کی مشیت کے مطابق ہدایت پالیتا ہے اور جو شخص منہ موڑ لیتا ہے اور اس روشنی میں راہ نہیں ڈھونڈتا جو اس کائنات میں اللہ نے بکھیر رکھی ہے وہ ضلالت کے طریق پر چل نکلتا ہے۔ یہ ضلالت بھی اللہ کی مشیت کے مطابق ہی ہوتی ہے۔

اگلی آیات میں ایک ایسے فریق کا ذکر ہے جو مدینہ میں بہت ہی متحرک تھا۔ یہ فریق منافقین تھے جو بظاہر مسلمان تھے اور اسلامی طریقوں کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے لیکن اندر تاریک تر تھا۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ

Marfat.com
Marfat.com

مِنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ
لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ
يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ ٦
الظّٰلِمُوْنَ ۝ ع الثلثة ۱۰ ع

۱۲

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور رسولؐ پر اور ہم نے اطاعت کی، مگر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ (اطاعت سے) منہ موڑ جاتا ہے۔ ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ اور رسولؐ کی طرف، تاکہ رسولؐ ان کے آپس کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق کترا جاتا ہے۔ البتہ اگر حق ان کی موافقت میں ہو تو رسولؐ کے پاس بڑے اطاعت کیش بن کر آ جاتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں کو (منافقت کا) روگ لگا ہوا ہے؟ یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ان پر ظلم کرے گا؟ اصل بات یہ ہے کہ ظالم تو یہ لوگ خود ہیں"۔

جب صحیح ایمان دل میں بیٹھ جاتا ہے تو اس کے آثار عمل کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسلام تو ایک متحرک نظریہ ہے اس کا کوئی منفی پہلو نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا نظریہ ہے کہ جب کسی انسان کے شعور میں یہ بیٹھ جائے تو یہ خود بخود حرکت پذیر ہوتا ہے اور خارج میں اس کے آثار نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسلام خود بخود اپنی ترجمانی اسلامی اعمال کے ذریعے کرنا شروع کر دیتا ہے۔ خود اسلامی نظام زندگی کا طریق کار بھی یہی ہے کہ وہ ایک عملی نظام ہے، وہ عمل اور تحریک کے ذریعے وجود میں آتا ہے یعنی اسلام ایک شعور ہے جو اپنے آپ کو عمل اور سلوک کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ اور پھر درس پر مستقل دستور اور قانون کی شکل اختیار کر کے تہذیب کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اس کی زندگی اس کے شعور اول پر موقوف ہے۔ اس شعور اور ایمان کو زندہ اور متحرک رکھنا ضروری ہے۔

لیکن جس مخلوق کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے وہ کیسی مخلوق تھی وہ کہتے تو تھے

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا (۲۴ : ۴۷) "یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور رسولؐ پر اور ہم نے اطاعت قبول کی"۔ یہ بات وہ اپنے منہ سے کہتے تھے لیکن ان کے طرز عمل میں اس کے آثار نظر نہ آتے تھے۔ چنانچہ وہ الٹے پاؤں پھر جاتے تھے جو بات وہ زبان سے کہتے تھے ان کے اعمال اس کی تکذیب کرتے تھے۔

وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ (۲۴ : ۴۷) "ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں"۔ مومن تو وہ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے اقوال کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایمان کوئی کھیل تو نہیں ہے کہ ایک شخص بس ایمان کا اقرار کر لے اور

Marfat.com

اس کے بعد اس کی کوئی ذمہ داری نہ ہو۔ ایمان کے بعد اس کا نفس بھی ایمانی کیفیات میں رنگ جانا چاہئے۔ اس کا دل دماغ اور سوچ بھی ایمانی بن جائے۔ اور اس کے بعد پھر لازم ہے کہ اس شخص کے اعمال بھی ایمانی ہوں اور جب ایمان کسی کے ضمیر میں بیٹھ جائے تو پھر اس کے لیے ایمانی راہ سے پلٹنا ممکن ہی نہیں رہتا۔

یہ لوگ ایمان کا دعویٰ تو کرتے تھے لیکن عملاً یہ لوگ ایمان کے مفہوم اور مدلول کے خلاف ہوتے تھے جب ان سے کہا جاتا تھا کہ آؤ اپنا فیصلہ اللہ اور رسولؐ کے قانون کے مطابق کریں اور اس شریعت کے مطابق ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو وہ منہ موڑ لیتے ہیں۔

وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَي اللّٰهِ وَ رَسُوْلِه لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (۲۴:۴۸) وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ (۲۴:۴۹) ”جب ان لوگوں کو بلایا جائے اللہ اور رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے آپس کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق کترا جاتا ہے۔ البتہ اگر حق ان کی موافقت میں ہو تو رسولؐ کے پاس بڑے اطاعت کیش بن کر آتے ہیں“۔ کیونکہ ان کو معلوم ہوتا تھا کہ اللہ اور رسول اللہؐ کا حکم حق سے دور نہ تھا اور ہوائے نفس کے لیے رسولؐ کے ہاں کوئی دخل نہ ہوتا تھا اور اگر دشمنی بھی ہوتی تو رسول اللہ حق پر فیصلہ کرتے۔ اس لیے یہ لوگ جب جانتے تھے کہ ان کا موقف حق کے خلاف ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے دور بھاگتے تھے اور آپ کے سامنے آنے سے انکار کرتے تھے اور اگر وہ حقدار ہوتے تو یہ بھاگ کر رسول اللہؐ کے پاس بڑے برخوردار بن کر آتے تھے۔ خوشی خوشی سے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ حضورؐ حق سے ادھر ادھر نہیں جاتے۔ اور شریعت کی عدالت میں کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی۔

یہ لوگ جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور پھر بھی یہ دو رخی اختیار کرتے تھے، ہر دور میں اہل نفاق کو معلوم کرنے کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ اور معیار ہیں۔ یہ لوگ اس قدر جرأت نہیں رکھتے کہ جہراً اپنے کفر کا اعلان کر سکیں بظاہر یہ لوگ مسلمان ہوتے ہیں، لیکن وہ یہ بات پسند نہیں کرتے کہ معاشرے کے اندر اسلامی رنگ پیدا ہو اور اسلامی قوانین کے مطابق عدالتی نظام قائم ہو۔ جب ایسے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ شریعت کے مطابق فیصلے کے لیے آجائیں تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور عذرات پیش کرتے ہیں۔

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ (۲۴:۴۷) ”یہ لوگ مومن نہیں ہیں“۔ اس لیے کہ ایمان اور اسلامی شریعت پر فیصلے کرنے سے انکار ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے الا یہ کہ اسلامی شریعت پر فیصلہ کرانا ان منافقین کے مفاد میں ہو، تو یہ دوڑ کر آتے ہیں۔

اللہ اور رسول اللہؐ کے فیصلوں کے مطابق زندگی گزارنا ایمان کی علامت ہے۔ یہی وہ علامت ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایمان کی حقیقت دلوں میں بیٹھ گئی ہے اور اللہ اور رسول اللہؐ کے حوالے سے مسلمانوں کے لیے یہ رویہ اختیار کرنا لازمی ہے۔ اللہ اور رسول اللہؐ کے حکم کو وہی شخص رد کر سکتا ہے جو بے حد گستاخ اور نافرمان ہو۔ جس کی کوئی اسلامی تربیت نہ ہوئی ہو اور جس کا دل نور ایمان سے منور نہ ہو۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ ان کے اس فعل کے نتیجے میں ایسے سوالات کیے جاتے ہیں جن سے ان کے دلوں کی یہ بیماری ظاہر ہو جاتی ہے۔ ان سوالات میں تعجب کیا جاتا ہے کہ وہ کیوں شک میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کا طرز عمل کیوں غلط اور قابل نفرت ہے۔

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ

(۲۴: ۵۰) "کیا ان کے دلوں کو (منافقت کا) روگ لگا ہوا ہے؟ یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ان پر ظلم کرے گا؟" پہلا سوال تو اثبات کے لیے ہے یعنی درحقیقت یہ منافق ہیں اور یہ نفاق ہی کا اثر ہے۔ کوئی سلیم الفطرت شخص یہ نفاق نہیں کر سکتا کیونکہ یہ فطری فرائض ہیں اور ان کی فطرت صحت مند نہیں رہی ہے۔ درحقیقت انہوں نے ایمان کی حقیقت کو نہیں دیکھا اور یہ لوگ ابہام کی شاہ راہ پر گامزن ہیں۔

دوسرا سوال تعجب کے لیے ہے۔ تعجب یہ ہے کہ دعوائے ایمان کرتے ہوئے بھی ان کو اللہ کے فیصلوں میں شک ہے۔ کیا ان کو اس امر میں شک ہے کہ یہ احکام اللہ کی طرف سے آتے ہیں۔ یا ان کو اس معاملے میں شک ہے کہ اسلام عدل کا نظام قائم کر سکتا ہے یا نہیں۔ یہ دونوں باتیں مومنین کے طریقوں کے خلاف ہیں۔

تیسرا سوال اظہار نفرت اور اظہار تعجب دونوں کے لیے ہے۔ تعجب اور نفرت اس بات پر ہے کہ یہ لوگ شک کرتے ہیں کہ شاید اللہ اور رسول اللہؐ ان پر ظلم کریں گے۔ یہ عجیب بات ہے کہ کوئی انسان اس بارے میں شک کرے یا یہ خوف کرے کہ اللہ انصاف نہ کرے گا۔ اللہ ہی تو ہے جو سب کا خالق اور سب کا رب ہے۔ لہٰذا وہ اپنی مخلوق کے درمیان فرق و امتیاز کس طرح کر سکتا ہے۔

اللہ کا حکم ایک ہوتا ہے اس کی شہ میں کسی ظلم و زیادتی کا شائبہ تک نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تو وہ منصف ہے جو کسی پر کسی طرح ظلم نہیں کرتا۔ اس کی تمام مخلوق اس کے سامنے برابر ہے لہٰذا وہ کسی ایک بندے کی مصلحت کے لیے کسی دوسرے بندے پر ظلم نہیں کرتا۔ اللہ کے سوا تمام دوسرے افراد اور اداروں کے احکام کے بارے میں یہ شک ہو سکتا ہے کہ وہ ظالمانہ ہوں کیونکہ اگر انسان خود اپنے لیے قانون سازی کر رہا ہو تو اس سے یہ شک ہو سکتا ہے کہ قانون سازی کرنے والا انسان خود اپنے مفادات کا خیال رکھے۔ قانون سازی کرنے والا انسان ایک فرد ہو یا ایک ادارہ ہو، یہ بدگمانی ہو سکتی ہے۔

جب ایک انسان اور فرد واحد حکمران ہو تو اس کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ وہ اپنے حق میں اور اپنی مصلحت کے لیے قانون سازی کرے گا۔ نیز اگر ایک حکومت دوسروں کے لیے قانون سازی کرے یا ایک طبقہ دوسروں کے لیے قانون سازی کرے یا ایک بلاک دوسرے بلاکوں کے لیے قانون سازی کرے تو قانون سازی کرنے والا اپنے مفادات کا خیال کر سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ قانون سازی کرے تو اس میں کسی فرد، کسی گروہ، کسی طبقے ..... یا کسی بلاک کی حمایت کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ یہ مطلق انصاف ہوتا ہے اور یہ خصوصیت یعنی بے قید عدل کی خصوصیت صرف اللہ کی قانون سازی میں ممکن ہے۔ اللہ کے فیصلے کے سوا کوئی دوسرا فیصلہ اس خصوصیت کا حامل نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور رسول اللہؐ کے حکم پر راضی نہیں ہوتے، وہی ظالم ہیں۔ یہ لوگ زمین پر عدل مطلق کو جینے نہیں دینا چاہتے۔ یہ لوگ سچائی کا اقتدار نہیں چاہتے۔ یہ لوگ اس بات میں یہ شک کرتے ہوئے نہیں ڈرتے کہ

Marfat.com
Marfat.com

اللہ کے حکم میں کوئی ظلم ہو گا یہ کہ نہ ان کو اللہ کی عدالت میں شک ہے۔

بل اولئك هم الظلمون (۲۴: ۵۰) "بلکہ یہ لوگ دراصل ظالم ہیں"۔ اس لیے عدل نہیں چاہتے۔

رہے وہ لوگ جو حقیقی مسلمان ہیں تو اللہ اور رسول اللہ کے معاملے میں ان کا رویہ بالکل مختلف ہے۔ جب ان کو بلایا جائے کہ آؤ اللہ اور رسول اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کرائیں تو وہ بالکل مختلف بات کرتے ہیں۔ یہ قول مومنین کے لائق ہے اور یہ قول بتاتا ہے کہ ان کے دل ایمان سے روشن ہیں اور وہ چمک رہے ہیں۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾

"ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

ان لوگوں کا رویہ یہ ہے کہ بلا چون وچرا اور بغیر کسی ذرہ بھر انحراف کے وہ سمع واطاعت کرتے ہیں۔ یہ سمع واطاعت وہ اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں پورا اعتماد پورا یقین ہے کہ اللہ اور رسول اللہ کا فیصلہ ہی حقیقی فیصلہ ہے اور اس میں مطلق عدل و انصاف ہے۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ خواہشات نفسانیہ پر مبنی ہے۔ یہ سمع واطاعت وہ اس لیے کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہی اللہ زندگی بخشنے والا ہے' یہی اللہ اس کائنات میں متصرف ہے اور ان کو اس بات پر اطمینان حاصل ہے کہ اللہ لوگوں کے لیے جو چاہتے ہیں وہی بہتر ہے بہ نسبت اس کے' جو لوگ خود اپنے لیے چاہتے ہیں کیونکہ وہ ذات جس نے پیدا کیا وہ اپنی مخلوق کے بارے میں بہتر جانتی ہے۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۲۴: ۵۱) "ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔ یہ فلاح پانے والے اس لیے ہیں کہ ان کے امور کی تدبیر خالق کائنات ہی کرتا ہے اور ان کے باہم تعلق کو وہی منظم کرتا ہے۔ اپنے علم اور عدل کے ساتھ وہ ان کے درمیان وہی فیصلے کرتا ہے۔ اس لیے ان کو ان لوگوں سے بہتر ہونا چاہئے جو اپنے امور کے فیصلے خود کرتے ہیں یا ان جیسے افراد کرتے ہیں۔ یہ لوگ اور خود ان کے بھائی دوسرے بشر وہ علم وحکمت نہیں رکھتے جو اللہ رکھتا ہے۔ پھر وہ اس لیے بھی کامیاب ہوں گے کہ وہ ایک ہی منہاج پر چل رہے ہیں جس میں کوئی ٹیڑھ اور سقم نہیں ہے۔ وہ اپنے اس منہاج پر مطمئن ہیں۔ وہ اس منہاج کے مطابق سیدھے چل رہے ہیں۔ ادھر ادھر نہیں بھٹکتے۔ لہٰذا ان کی قوتیں منتشر نہیں ہوتیں' ان کی خواہشات کے اندر کوئی تضاد نہیں ہے۔ خواہشات اور مفادات کے ہاتھ میں ان کی تکیل نہیں ہوتی بلکہ ان کی تکیل اسلامی منہاج کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ ان کے آگے ہوتا ہے اور یہ اس کے پیچھے چلتے ہیں۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

Marfat.com

الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ "اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسولؐ کی فرماں برداری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

آیت سابقہ میں موضوع سخن یہ تھا کہ اہل ایمان اللہ اور رسول اللہؐ کے فیصلوں میں مطیع فرمان ہوتے ہیں۔اب یہاں کہا جاتا ہے کہ اہل ایمان کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قانونی فیصلوں کے علاوہ بھی اللہ کے احکام و نواہی کی پابندی کرتے ہیں اور یہ اطاعت وہ قانونی گرفت کے خوف سے نہیں کرتے بلکہ اللہ کی گرفت کے خوف سے وہ یہ اطاعت کرتے ہیں۔ تقویٰ خشیت سے ذرا عام لفظ ہے کیونکہ خشیت اور خوف سے ذرا آگے بڑھ کر تقویٰ میں چھوٹے اور بڑے معاملات میں احتیاط کا شعور انسان کے اندر پیدا ہو جاتا ہے جبکہ خشیت میں خوف اور ڈر کا پہلو ہوتا ہے۔جو شخص اللہ اور رسول اللہؐ سے ڈرتا ہے اور اطاعت کرتا ہے تو وہی کامیاب ہوتا ہے۔یہ شخص دنیا اور آخرت میں نجات پالیتا ہے۔یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کی مخالفت نہیں کرتا۔اور ایسے لوگ یقیناً کامیابی کے اہل بھی قرار پاتے ہیں اور ایسے لوگوں کی زندگی کے اندر ایسے اسباب ہوتے ہیں جو ان کی کامیابی کا سبب بنتے ہیں کیونکہ جو شخص اللہ اور رسول اللہؐ کی اطاعت کرتا ہے وہ دراصل اللہ کے طے کردہ سیدھے منہاج پر چل رہا ہوتا ہے۔یہ منہاج اس لیے کامیاب ہوتا ہے کہ یہ خود اللہ نے علم و حکمت کی بنیاد پر طے کیا ہوتا ہے۔اس منہاج کا مزاج اور اس کی فطرت کے اندر یہ کامیابی مضمر ہوتی ہے۔دنیا کی کامیابی بھی اور آخرت کی بھی۔پھر اس نظام میں اللہ کا خوف اور تقویٰ وہ چوکیدار ہوتے ہیں جو اس نظام پر انسانوں کو چلاتے ہیں اور یہ نظام درست رہتا ہے۔یہ جس جادۂ مستقیم پر چل رہے ہوتے ہیں اس پر ہر جگہ دھوکہ دینے والی چیزیں ان کے لیے دامن گیر ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ لوگ اپنی راہ سے انحراف نہیں کرتے۔

یہ آداب کہ انسان اللہ اور رسول اللہؐ کی اطاعت، خدا خوفی، تقویٰ اور خشیت کے ساتھ کرے نہایت ہی بلند آداب زندگی ہیں۔ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے انسانوں کے دل نور ربانی سے روشن ہیں۔یہ دل اللہ سے ملے ہوئے ہیں اور ان کے شعور میں خوف خدا بسا ہوا ہے اور ان آداب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دل نہایت ہی معزز اور سربلند ہیں۔کیونکہ کوئی شریف آدمی یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کے سامنے ذلیل و خوار ہو اس لیے ایک مومن کا ضمیر اس سے ابا کرتا ہے۔حقیقی اطاعت تو ہے ہی وہی جس میں اطاعت کرنے والا اس نظر سے اطاعت کرے کہ وہ ذات کبریا کی اطاعت کر رہا ہے کیونکہ ایک سچا مومن صرف اللہ کے سامنے اپنے سر کو جھکا سکتا ہے۔

اہل ایمان کے ان اچھے آداب اور اہل نفاق کے ان برے آداب کے درمیان اس تقابل کے بعد کہ مومنین وہ ہوتے ہیں جو صرف اللہ کے سامنے جھکتے ہیں اور منافقین وہ ہوتے ہیں جو دعوائے ایمان تو کرتے ہیں لیکن مومن نہیں ہوتے، اب منافقین کے بارے میں بقیہ بات مکمل کی جاتی ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ

Marfat.com

تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۵۴

"یہ (منافق) اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ "آپ حکم دیں تو ہم گھروں سے نکل کھڑے ہوں"۔ ان سے کہو "قسمیں نہ کھاؤ' تمہاری اطاعت کا حال معلوم ہے۔ تمہارے کرتوتوں سے اللہ بے خبر نہیں ہے"۔ کہو' "اللہ کے مطیع بنو اور رسولؐ کے تابع فرمان بن کر رہو۔ لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ رسولؐ پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اس کا ذمہ دار وہ ہے اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم۔ اس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے ورنہ رسولؐ کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچا دے"۔

منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر قسمیں کھاتے تھے کہ اگر آپ ہمیں لڑنے کے لیے حکم دیں تو ہم ضرور نکلیں گے۔ حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس یقین دہانی کو نہایت ہی حقارت رد فرماتا ہے۔

قُلْ لَّا تَقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ (۲۴: ۵۳) "ان سے کہو' قسمیں نہ کھاؤ، تمہاری اطاعت کا حال معلوم ہے"۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ تم کیسی اطاعت کرتے ہو۔ اور اس اطاعت پر قسمیں اٹھانے کی اب ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات ایسے شخص سے کہی جاتی ہے کہ جس کا جھوٹ معلوم ہو اور وہ مشہور جھوٹا ہو۔ کہا جاتا ہے جی بس قسم نہ اٹھاؤ تم تو معروف و مشہور سچے ہو۔ قسم کی ضرورت ہی کیا ہے۔

اس مذاقیہ انداز کے بعد یہ بھی کہا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۲۴: ۵۳) "اللہ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے"۔ لہٰذا تمہیں قسموں اور تاکیدات کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کو تو علم ہے کہ اگر حکم دیا گیا تو نہ تم نکلو گے اور نہ لڑو گے"۔

چنانچہ دوبارہ ان کو اطاعت کا حکم سنجیدگی سے دیا جاتا ہے۔ یعنی کہا جاتا ہے کہ حقیقی اطاعت کرو۔ وہ اطاعت نہ کرو جو تمہارے بارے میں معروف ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (۲۴: ۵۴) "ان سے کہو اللہ کے مطیع بنو اور رسولؐ کے تابع فرمان ہو کر رہو"۔ اگر تم منہ موڑتے ہو اور اللہ و رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہو اور ان کو نافذ نہیں کرتے تو فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ (۲۴: ۵۴) "تو رسول پر جو فرض عائد ہے وہ اس کا ذمہ دار ہے"۔ یعنی اس کے ذمہ پیغام رسالت کی تبلیغ کرنا ہے اور یہ فرض اس نے بحسن و خوبی ادا کر دیا ہے۔

وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ (۲۴: ۵۴) "اور تم پر جو فرض عائد کیا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو"۔ اور تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم اطاعت کرو اور خلوص کے ساتھ ایمان لاؤ۔ تم نے اس سے منہ موڑ لیا ہے اور تم نے یہ ذمہ داری پوری پوری ادا نہیں کی ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (۲۴: ۵۴) "اس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے"۔ راہ راست پر آجاؤ گے اور ایک صحیح نظام کے تحت زندگی بسر کر کے دنیا و آخرت میں فلاح پاؤ گے۔

وَ مَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۲۴: ۵۴) "رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ صاف صاف حکم پہنچا دے"۔ رسولؐ سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم ایمان لائے تھے یا' اگر تم منہ پھیر لو تو اس فعل کی وجہ سے رسول کو مجرم نہ گردانا جائے گا۔ تم مجرم ہو گے اور تمہیں ہی اس پر سزا دی جائے گی۔ تم پر یہ فرد جرم عائد ہو گی کہ تم نے اللہ اور رسول اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے۔

---oooo---

منافقین کے معاملے کی تشریح کے بعد' اب سیاق کلام ان کو ایک طرف چھوڑ دیتا ہے۔ اور اب کلام کا رخ اطاعت کیش مومنین کی طرف پھر جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی اس اطاعت کی جزاء کیا ہو گی یعنی قیامت کے انعامات و اکرامات سے ادھر اس جہان میں ان کا صلہ کیا ہو گا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

"اس نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے' ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے' اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا' بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں"۔

یہ وعدہ ہے امت محمدیہ کے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا۔ وعدہ یہ ہے کہ ان کو اس زمین پر اقتدار اعلیٰ دیا جائے گا اور جس دین اسلام کو اللہ نے ان کے لیے پسند کیا ہے اس کو غلبہ نصیب ہو گا۔ ان کی حالت خوف کو حالات امن و سکون سے بدل دے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ سچ ہوتا ہے اللہ کا وعدہ ہمیشہ واقع ہوتا ہے اور اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ سوال یہ ہے کہ وہ کس قسم کے مومن ہیں جن کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین پر اقتدار دیا جائے گا۔

اس ایمان کی حقیقت جس کے نتیجے میں اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ مومنین کو زمین کا اقتدار اعلیٰ عطا کیا جائے گا' ایک عظیم حقیقت ہے اور وہ حقیقت پوری انسانی زندگی کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ یہ حقیقت جب کسی انسان کے دل میں

بیٹھ جاتی ہے تو اس کا ظہور اور اعلان عملی شکل میں ہوتا ہے۔ اس شخص کی تمام سرگرمیاں اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔ یہ مرد مومن رضائے الٰہی کے لیے کام شروع کر دیتا ہے۔ اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام و قوانین کے سامنے 'چھوٹے اور بڑے معاملات میں سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ پھر کسی معاملے میں اس کے نفس کی کوئی خواہش باقی نہیں رہتی۔ نہ اس کے دل میں کوئی شہوت ہوتی ہے نہ اس کی فطرت میں کوئی کجی رہتی ہے اور یہ مومن ان تمام باتوں میں اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت شروع کر دیتا ہے۔

یہ ایمان ایسا ہوتا ہے کہ جس کے اندر انسان پوری طرح غرق ہو جاتا ہے۔ اس کے خیالات اس ایمان میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں' اس کے دل کی دھڑکن ایمان ہوتی ہے۔ اس کی روح کی دلچسپیاں ایمانی معاملات میں ہوتی ہیں۔ اس کی فطرت کے میلانات اور اس کے جسم کی حرکات اور اس کے اعضا کی گردشیں' اس کا اپنے رب کے ساتھ سلوک اور اس کا عوام الناس کے ساتھ برتاؤ سب کے سب اللہ کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں اور یہ باتیں سب کی سب آیت استخلاف میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود بیان کرتے ہیں کہ اس اقتدار اعلیٰ کی اعطاء کب ہوگی۔

يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا (۲۴: ۵۵) "وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں"۔ شرک کی کئی اقسام ہیں۔ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف عقائد میں' عمل میں' شعور میں متوجہ ہونا بھی شرک ہے۔

معلوم ہوا کہ ایمان ایک مکمل نظام زندگی کا نام ہے۔ اس میں اللہ کے تمام احکام و اوامر شامل ہیں۔ اور جب یہ تمام احکام انسانی زندگی میں عملاً قائم ہوں تو اقتدار اعلیٰ کے تمام اسباب فراہم ہو جاتے ہیں۔ تیاری مکمل ہو جاتی ہے' وسائل فراہم ہو جاتے ہیں اور انسان پھر امانت کبریٰ اور اقتدار اعلیٰ کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے یعنی زمین پر اللہ کے خلیفہ ہونے کی امانت اس کے سپرد ہو جاتی ہے۔

استخلاف فی الارض یا زمین کے اقتدار اعلیٰ کا مفہوم کیا ہے؟ اس سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ کسی قوم کو حکومت' اقتدار اور آرڈر نافذ کرنے کے اختیارات مل جائیں بلکہ اللہ کا خلیفہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ان قوتوں کو کوئی اصلاح' تعمیر اور ترقی کے لیے استعمال کرے۔ اس کے ذریعے اس نظام زندگی کی راہ ہموار کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے بھیجا ہے تاکہ تمام انسانیت اس راہ پر چل نکلے اور انسان اس کرۂ ارض پر وہ کمال حاصل کرے جو اللہ نے اس کے لیے مقدر کیا ہے اور جس کی وجہ سے انسان مکرم ہوا ہے۔

اللہ کا خلیفہ وہ نہیں ہے جو دنیا میں فساد اور تخریب کا کام کرے بلکہ وہ ہوتا ہے جو اس دنیا کی اصلاح' تعمیر اور ترقی میں حصہ لے اور دنیا کو انصاف اور عدل دے۔ یہ نہ ہو کہ وہ انسانوں پر ظلم کرے اور انسانیت کے معیار کو بلند کرنے کے بجائے گرائے۔ وہ انسانوں کے اندر پائے جانے والے نظام کی اصلاح کرنے کے بجائے ظلم کرے۔ وہ یہ نہ کرے کہ اچھے انسانوں کو مقام حیوانیت تک گرائے بلکہ جو انسان حیوانیت تک گر گئے ہیں ان کو اٹھائے۔

یہ اقتدار' اقتدار اعلیٰ ہے جس کا وعدہ اللہ اہل ایمان سے کرتے ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں اس قسم کا اقتدار دیتا رہا ہے تاکہ اس کرۂ ارض پر اللہ کی منشا کو پورا کریں اور اللہ کی منشا کیا ہے؟ یہ کہ وہ یہاں انسانیت کو کمال انسانیت تک پہنچائیں' جس کمال تک پہنچنا اللہ نے یوم تخلیق ہی سے اس کے لیے مقدر کر دیا تھا۔ مگر وہ لوگ جو زمین میں اقتدار پر

Marfat.com

آتے ہیں اور اس کی وجہ سے فساد پھیلاتے ہیں' زمین میں سرکشی اور ظلم کو رائج کرتے ہیں اور انسانیت کو حیوانیت کے درجے تک گراتے ہیں تو یہ لوگ اللہ کی طرف سے اس زمین پر خلفاء نہیں ہیں بلکہ وہ شیطان کے پیروکار ہیں۔ ان کو یہ مقام بطور آزمائش دیا گیا ہے اور لوگوں پر ان کو بطور سزا مسلط کیا گیا ہے۔

ہم نے اس استخلاف کا جو مفہوم سمجھا ہے اس کی طرف خود اس آیت کے اندر اشارہ موجود ہے۔ کہا گیا ہے۔

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ (۲۴: ۵۵) "ان کے لیے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے"۔ اور دین تب متمکن ہو سکتا ہے کہ جب یہ مومنین کے دلوں کے اندر بیٹھ جائے۔ جب ان کی زندگی کے ہر عمل میں وہ مضبوطی سے نافذ ہو جائے۔ جب ان کی زندگیوں میں اور ان کے قلوب میں ایمان اچھی طرح بیٹھ جائے گا تو انہیں استخلاف فی الارض نصیب ہو گا۔ اللہ نے ان کے لیے جو دین پسند کیا ہے وہ زمین پر غالب ہو جائے اور ان کا دین جن باتوں کا حکم دیتا ہے ان میں اصلاح' عدل اور انسانی خواہشات پر کنٹرول شامل ہیں۔ نیز زمین کی تعمیر و ترقی اور زمین کے اندر جس قدر سہولیات اللہ نے رکھی ہیں ان سے استفادہ بھی دین کا حصہ ہے۔ نیز زمین کے اندر جس قدر نعمتیں رکھی ہیں اس سے استفادہ اور ان کی تلاش بھی اس میں شامل ہے بشرطیکہ ان تمام سرگرمیوں میں انسان کی سمت اور قبلہ اللہ ہی ہو۔

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (۲۴: ۵۵) "اور ان کی موجودہ حالت خوف کو امن سے بدل دے گا"۔ مسلمان مکہ میں خائف تھے۔ امن و امان کی حالت نہایت مشکوک تھی۔ وہ ہر وقت مسلح رہتے تھے اور کسی وقت بھی ان کو اسلحہ رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ یہاں تک کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجرت کے بعد بھی وہ اسلحہ بند رہتے تھے۔ ربیع ابن انس نے اس آیت کے بارے میں ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی مکہ میں دس سال سے زیادہ عرصہ صرف ایک خدا کی طرف دعوت دیتے رہے' صرف اللہ وحدہ کی عبادت کی طرف بلاتے رہے اور ہر قسم کے شرک سے ممانعت کرتے رہے۔ یہ دعوت وہ چھپ کر دیتے تھے ان کو ہر وقت خوف لاحق رہتا تھا۔ مسلمانوں کو جنگ کرنے کی ممانعت تھی۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں ان کو لڑنے کی اجازت دی گئی تو مدینہ میں بھی وہ اکثر حالت خوف میں رہتے تھے۔ وہ صبح و شام اسلحہ بند رہتے تھے۔ اس قسم کی زندگی پر انہوں نے طویل عرصہ تک صبر کیا۔ صحابہ کرام میں سے ایک شخص نے کہا' اے رسول اللہؐ" کیا ہم ہمیشہ اسی طرح خائف رہیں گے؟ کیا ایسا دور نہ آئے گا کہ ہم اس میں اپنے اسلحہ کو رکھ دیں اور امن و امان سے رہیں تو رسول اللہؐ نے فرمایا" ذرا تھوڑا سا اور صبر کرو' تم میں سے ایک شخص ایک عظیم مجمع میں ہو گا اور کسی کے پاس ایک چھوٹا سا لوہا بھی نہ ہو گا"۔ اس موقعہ پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جزیرۃ العرب پر غلبہ نصیب ہوا تو وہ ایمان لائے اور اسلحہ رکھ دیا۔ اس کے بعد اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لیا تو مسلمان حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان کی امارت میں امن سے رہے۔ اس کے بعد وہ ان واقعات میں پڑ گئے جن میں پڑ گئے تو اللہ نے پھر ان کو خوف میں مبتلا کر دیا تو انہوں نے پردے' شرطے وغیرہ اپنا لیے۔ وہ بدل گئے تو اللہ نے بھی ان کو بدل دیا۔

Marfat.com

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۲۴:۵۵) "اور اس کے بعد جو کفر کرے تو ایسے لوگ ہی فاسق ہیں"۔ یہ لوگ اللہ کی شرائط کے ترک کرنے والے ہیں اور اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنے والے ہیں۔ اللہ کا وعدہ ایک بار پورا ہو گیا اور یہ قائم رہا' اس وقت تک جب مسلمان اللہ کی شرائط کو پورا کرتے رہے یعنی

يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا (۲۴:۵۵) "وہ میری بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے"۔ نہ ان کی خواہشات نفسانیہ ان کے لیے الٰہ ہوں گی۔ وہ شرک نہ کریں گے اور اللہ کی بندگی پر قائم رہیں گے۔ اللہ کا یہ وعدہ اب بھی ہر گروہ مومن کے لیے قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔ کسی بھی وقت جب گروہ مومن اللہ کا خلیفہ نہیں ہوتا' متمکن فی الارض نہیں ہوتا اور امن سے نہیں ہوتا تو وہ اس لیے کہ وہ اس وعدے اور اس پیمان کی وسیع تر شرائط کو پورا نہیں کر رہا ہوتا۔ ایمان اور عہد الٰہی کے تقاضے وہ پورے نہیں کر رہا ہوتا۔ لیکن جب امت آزمائش میں کامیاب ہو جاتی ہے اور امتحان پاس کر لیتی ہے یا خوف میں مبتلا ہوتی ہے تو اللہ سے امن طلب کرتی ہے۔ وہ ذلیل ہوتی ہے تو اللہ سے عزت طلب کرتی ہے۔ وہ پسماندہ رہ جاتی ہے تو خلافت فی الارض کی طلبگار ہوتی ہے۔ یہ کام وہ ان وسائل کے ساتھ کرتی ہے، جو اللہ نے تجویز کیے ہیں اور ان شرائط کے ساتھ کرتی ہے جو اللہ نے مقرر کی ہیں تو پھر اس وقت اللہ کا وہ وعدہ متحقق ہوتا ہے جو اٹل ہوتا ہے۔ پھر امت مسلمہ کی راہ میں دنیا کی کوئی قوت نہیں ٹھہر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس وعدے کے بعد حکم دیا جاتا ہے۔ نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو اور اللہ اور رسول اللہؐ کی اطاعت کرو۔ اور مومن اور رسول اللہؐ ان کفار سے ہرگز مرعوب نہ ہوں جو اللہ' رسول اللہ اور دین اسلامؐ کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع ۱۳

"نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو اور رسولؐ کی اطاعت کرو' امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے متعلق اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ وہ زمین میں اللہ کو عاجز کر دیں گے۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے"۔

اللہ کی جانب تیاری کی یہ ہیں نہایت ہی مختصر شرائط۔ اتصال باللہ' تعلق باللہ اور نماز کے ذریعہ دل کو درست کرنا اور ایتائے زکوٰۃ کے ذریعہ بخل اور دولت پرستی کے جذبات پر قابو پانا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا' نہایت ہی خوشدلی کے ساتھ۔ چھوٹے اور بڑے معاملات میں اللہ کے احکام کو نافذ کرنا اور زندگی کا وہ منہج اختیار کرنا جو اللہ نے زندگی گزارنے کے لیے تجویز کیا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۲۴:۵۶) "امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا"۔ یعنی زمین میں تمہیں فساد'

خوف' بے چینی اور گمراہی سے بچائے گا۔ اور آخرت میں غضب الٰہی' عذاب الٰہی اور اللہ کے انتقام سے تمہیں بچائے گا۔

جب تم اپنے آپ کو اس طریقہ کار پر درست کر لو' تو پھر تمہارے لیے کفار کی قوت سے ڈرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کی زمین پر اللہ اور اللہ والوں کو عاجز نہیں کر سکتے۔ ان کی ظاہری قوت تمہاری راہ نہیں روک سکتی کیونکہ تمہارا ایمان قوی ہو گا۔ تمہارا نظام اور منہاج قوی ہو گا۔ تمہاری تیاری قوی ہو گی تمہاری قوت صرف مادی قوت تک محدود نہ ہو گی بلکہ تمہارے ساتھ روحانی قوت بھی ہو گی۔ جب تم ایک مومن کی طرح کفر سے ٹکراؤ گے تو تم عجیب و غریب خارق عادت معجزات صادر کرو گے۔

ان آیات میں اللہ نے جو وعدہ کیا ہے جو لوگ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ عظیم ایمانی حقیقت اپنے اندر پیدا کر لیں۔ تاریخ انسانی میں اس وعدے کی ایک تعبیر تو ضروری ہے بشرطیکہ جو شخص اس کی تعبیر چاہتا ہے وہ اس وعدے کی شرائط پر عمل پیرا ہو۔ جب بھی ان شرائط کو مکمل کیا جائے گا بغیر کسی شک' بغیر کسی دیر کے' یہ وعدہ پورا ہو جائے گا۔

جب بھی امت مسلمہ نے اللہ کی راہ اور اللہ کے منہاج پر چلنا شروع کیا ہے یا کرے گی' اور جب بھی اس نے اسلامی نظام حیات کو اپنی زندگی کا بحکم ربان تصور کیا ہے اور کرے گی اور جب بھی امت اس دین پر راضی ہوئی ہے اور ہو گی' کہ اس کے تمام معاملات اسلامی نظام کے مطابق ہوں تو اللہ کا وعدہ متحقق ہو گیا ہے اور ہو گا۔ اس کو اقتدار اعلیٰ نصیب ہوا ہے اور ہو گا۔ جب بھی امت نے ان شرائط کی مخالفت کی ہے اور کرے گی تو وہ ذلیل ہوئی ہے اور ہو گی۔ وہ دوسری اقوام کی دم چھلا بنی ہے اور بنی رہے گی۔ ذلیل ہوئی ہے اور ہو گی۔ دنیا کی اقوام کے مقام قیادت سے اسے گرایا گیا ہے اور گرائی جائے گی۔ اس پر خوف طاری ہوا ہے اور ہو گا۔ دشمنوں نے اسے اچک لیا ہے اور اچک لیا جائے گا۔

خبردار! یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اس کی شرائط معروف و معلوم ہیں۔ جو بھی چاہے شرائط پوری کر کے آزمالے اور جو اللہ کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرے گا تو اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔

---ooo---

Marfat.com

درس نمبر ۱۵۶ ایک نظر میں

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ وہ انسانی زندگی کے مختلف طور طریقوں کو منظم کرتا ہے۔ تمام تعلقات' تمام رابطوں' تمام حرکات و سکنات' اور تمام مسائل میں انسانی زندگی کی تنظیم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام روز مرہ کے انسانی آداب بھی سکھاتا ہے جس طرح وہ عمومی فرائض اور بڑے بڑے معاملات کی تعلیم دیتا ہے وہ ان تمام امور کے اندر نظم اور یکجہتی پیدا کرتا ہے اور زندگی کے تمام امور کو اللہ کی سمت موڑ دیتا ہے۔

یہ سورہ اس امر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس سورہ میں ایک طرف تو اسلام کے قوانین و حدود بتائے گئے ہیں اور دوسری طرف ایک جگہ بسنے والے انسانوں کے باہم ملاقات کے آداب سکھائے گئے ہیں یعنی قانون استیذان۔ اس کے ساتھ ساتھ اس پوری کائنات پر غور و فکر کے خالص فلسفیانہ اور سائنسی مضامین بھی لائے گئے ہیں۔ پھر اس میں اسلامی انقلاب کو روبعمل لانے کا دائمی منہاج بھی دیا گیا ہے کہ جب بھی تم اس پر عمل کرو گے زمین کا اقتدار اعلیٰ تمہیں مل جائے گا۔ اس سبق میں یہ آداب بھی سکھائے جاتے ہیں کہ جب تم کسی کے گھر ملنے کے لیے جاؤ تو اجازت طلب کرنے کے آداب یہ ہیں۔ پھر مجلس رسولؐ کے آداب یہ ہیں۔ پھر یہ کہ ملاقات اور کھانے پینے اور ضیافت کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کے آداب یہ ہیں۔ پھر باہم خطاب اور ہم کلام ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمکلام ہونے کے آداب یہ ہیں۔ یہ تمام آداب اور ہدایات ایسی ہیں جن کا تعلق اسلامی سوسائٹی کی تنظیم اور تربیت سے ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم اسلامی سوسائٹی کو چھوٹے بڑے تمام معاملات میں ترتیب دیتا ہے۔

Marfat.com

درس نمبر ۱۵۶ تشریح آیات

۵۸--- تا--- ۶۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ
صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ
الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾
وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' لازم ہے کہ تمہارے لونڈی غلام اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں' تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں: صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب کہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو' اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے وقت ہیں۔ ان کے بعد وہ بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے' نہ ان پر۔ تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے' اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنے ارشادات کی توضیح کرتا ہے' اور وہ علیم و حکیم ہے۔ اور جب تمہارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو چاہئے کہ اسی طرح اجازت لے کر آیا کریں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں' اس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے سامنے کھولتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے"۔

اس سورہ میں گھروں میں داخلہ کے طریق کار پر اس سے قبل بحث ہو چکی ہے یعنی گھر میں داخلہ سے قبل طلب اجازت

Marfat.com

Marfat.com

یہاں اب گھروں میں اندر آنے یا ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے گھروں کے اندر پردہ لازمی نہیں ہے جبکہ داخل ہونے کے احکام استیذان ان پر بھی لازمی ہیں۔

مثلاً خدام' غلام' وہ لڑکے جو عورتوں کے معاملات سے ابھی تک اچھی طرح واقف نہیں ہیں وہ بلا روک ٹوک گھروں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ الا یہ کہ تین اوقات میں یہ بھی نہیں آسکتے جن میں لوگ کپڑے اتار کر آرام کرتے ہیں۔ ان مخصوص اوقات میں ان لوگوں کو بھی اجازت سے اندر آنا چاہئے۔ وہ اوقات یہ ہیں' یعنی نماز فجر سے پہلے جب لوگ عموماً سونے کے کپڑوں میں ہوتے ہیں یا انہوں نے یہ کپڑے تبدیل نہیں کیے ہوتے اور باہر نکلنے کے کپڑے نہیں پہنے ہوتے اور دوپہر کے وقت جب لوگ قیلولہ کرتے ہیں اور عادی لباس اتار کر آرام کرتے ہیں اور نماز عشاء کے بعد کے وقت جب سب لوگ آرام کرتے ہیں اور گھروں کے لباس میں ہوتے ہیں۔

یہ اوقات "اوقات عورات" ہیں یعنی ان اوقات میں لوگ کپڑے اتار دیتے ہیں۔ ان اوقات میں خانگی نوکروں کے لیے لازم ہے کہ وہ گھر کے اندر اجازت لے کر جائیں اور ان نو عمر لڑکوں کے لیے بھی اجازت ضروری ہے جو اگرچہ بالغ نہ ہوئے ہوں لیکن سیانے ہو گئے ہوں۔ یہ اس لیے کہ ان کی نظریں اہل خانہ کے ننگے اجسام پر نہ پڑ جائیں۔ یہ وہ آداب ہیں جن کے سلسلے میں آج کے دور جدید میں بھی خانگی زندگی میں عمل نہیں کیا جاتا اور یہ پابندیاں نہ کرنے کے نفسیاتی' اعصابی اور اخلاقی اثرات کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ نوکروں کی نظریں مالکان خانہ پر نہیں پڑتیں اور یہ کہ قبل از بلوغ مراہق لڑکے ایسی باتوں سے بے خبر ہوتے ہیں حالانکہ ماہرین نفسیات یہ کہتے ہیں کہ بچپن میں بچوں کی نظریں جن مناظر پر پڑتی ہیں بعد کے زمانے میں ان کا اثر بھی بچے کی زندگی پر پڑتا ہے اور ان کی وجہ سے وہ ایسی نفسیاتی اور اعصابی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا علاج ہی نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ ہمارے دور میں علم النفس نے خوب ترقی کر لی ہے۔ اللہ علیم و خبیر ہے۔ اس نے اہل ایمان کو اس قسم کے بلند آداب سکھائے کیونکہ وہ ایک ایسی امت پیدا کرنا چاہتا تھا جس کے اعصاب صحیح و سلامت ہوں' جس کا سینہ صحیح ہو' جس کا شعور پاکیزہ ہو' جس کے دل پاک ہوں اور جس کے تصورات صاف اور ستھرے ہوں۔

ان تین اوقات کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ ان میں بالعموم لوگ لاپرواہی کی حالت میں ہوتے ہیں اور اس گمان پر کہ ان اوقات میں باہر کا کوئی آدمی اندر نہیں آتا' لوگ تن ڈھانپنے کی پرواہ نہیں کرتے۔ اگر تمام اوقات میں ملازمین خانہ اور چھوٹے لڑکوں کے لیے اجازت لینے کو لازم کر دیا جاتا تو اس پر عمل کرنے میں بڑی دقت ہوتی کیونکہ ملازم اور چھوٹے بچے ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں۔

طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۲۴ : ۵۸) "تمہیں ایک دوسرے کے پاس آنا جانا رہتا ہے"۔ یوں اللہ تعالیٰ نے پردہ داری کا بھی انتظام کر دیا' مشکل کو بھی دور کر دیا اور مشقت اور حرج کو بھی دور کر دیا۔ اگر دوسرے اجنبی بالغوں کی طرح ہر وقت ان کے لیے بھی اجازت لینا لازم کر دیا گیا ہوتا تو اس میں تمہارے لیے مشکلات ہوتیں۔

چھوٹے لڑکے جب سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اجنبی لوگوں کے حکم میں آ جائیں گے اور وہ اسی حکم میں آ جائیں گے جو عام حالت استیذان میں لوگوں کے لیے مقرر ہے۔

آخر میں کہا جاتا ہے۔

وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (۲۴ : ۵۸) ”اور اللہ علیم و حکیم ہے“۔ کیونکہ قانون سازی اور اخلاقی رویہ کے اثرات کے بارے میں انسانوں کے مزاج کو اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کے لیے کیا مفید ہے اور کیا مفید نہیں ہے۔

---oo0oo---

اس سے پہلے یہ حکم آیا تھا کہ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں تاکہ اسلامی معاشرے کے اندر کوئی جنسی فتنہ نہ آئے۔ یہاں ایسی بوڑھی عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے جن کے اندر مردوں کے ساتھ معاشرت کی کوئی رغبت باقی نہیں رہی ہے اور ان کے اجسام کے اندر بھی ایسی کوئی فتنہ سامانی نہیں ہے۔

وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾

”اور جو عورتیں جوانی سے گزری بیٹھی ہوں‘ نکاح کی امیدوار نہ ہوں‘ وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں‘ بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ تاہم وہ بھی حیاداری ہی برتیں تو ان کے حق میں اچھا ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے“۔

یہ عورتیں جو جوانی گزار بیٹھی ہیں‘ یہ اگر اپنے خارجی کپڑے اتار دیں تو ان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں ان پر بھی لازمی ہے کہ وہ اپنی عورات کو ظاہر نہ کریں اور نہ اپنی زینت کو ظاہر کریں۔ تاہم ان کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ ڈھکی چھپی رہیں اور اپنے کشادہ کپڑے اوڑھے رہیں۔ اس کو زیادہ عفت مآبی سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی عفت اور پاکیزگی کے لیے زیادہ قابل ترجیح امر ہے۔ کیونکہ تبرج اور اظہار زینت اور جنسی فتنے کے درمیان گہرا تعلق ہے اور حجاب اور پردے اور عفت و پاکیزگی کے درمیان گہرا تعلق ہے۔ یہ ہے اسلامی نظریہ پاکیزگی اور عفت۔ خلاصہ یہ کہ اسلام ان امور کو پردے میں رکھتا ہے جو دیکھنے والے کے لیے شہوت انگیز ہوں۔

وَ اللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۲۴ : ۶۰) ”اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے“۔ وہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اسے وہ باتیں بھی معلوم ہیں جو زبان سے ادا ہوتی ہیں اور وہ بھی معلوم ہیں جو دلوں میں گزرتی ہیں۔ اسلامی احکام کا دار و مدار نیت اور ضمیر کے احساس پر ہوتا ہے۔

---ooo---

اب قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کے احکام۔

Marfat.com

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى
الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا
مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ
اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
ع ۸ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

۱۴

"کوئی حرج نہیں اگر کوئی اندھا' یا لنگڑا' یا مریض (کسی کے گھر سے کھالے) اور نہ تمہارے اوپر اس میں کوئی مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے' یا اپنی ماں نانی کے گھروں سے' یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے' یا اپنی بہنوں کے گھروں سے' یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے' یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے' یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے' یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے' یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہاری سپردگی میں ہوں' یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم لوگ مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ البتہ جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو' دعائے خیر' اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی' بڑی بابرکت اور پاکیزہ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے آیات بیان کرتا ہے' توقع ہے کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لوگے"۔

روایات میں آتا ہے کہ لوگ ان مذکورہ گھروں سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے وہ اجازت نہ لیا کرتے تھے۔ اپنے ساتھ وہ فقراء اندھوں' لنگڑوں اور مریضوں کو بھی کھانا کھلاتے تھے۔ اب لوگوں نے یہ خیال کیا کہ مذکورہ بالا گھروں کے مالکوں سے بھی اجازت لینا ضروری ہے۔ یہ خیال مسلمانوں کے دلوں میں اس وقت پیدا ہوا جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ "اور آپس میں اپنے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ"۔ اہل ایمان اس قدر حساس تھے کہ وہ ہر وقت سوچتے رہتے تھے کہ کہیں ان سے قرآن کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کو اجازت دے دی کہ ان گھروں سے وہ کھانا کھا سکتے ہیں۔ اس طرح اندھے' لنگڑے اور مریض فقراء کو بھی مالکان سے کھانے کی حد تک اجازت لینے سے مستثنیٰ کر دیا گیا اور قریبی رشتہ داروں کو اجازت دے دی گئی کہ وہ اکیلے یا ان غرباء کے ساتھ اپنے رشتہ دار کے ہاں کھانا کھالیں۔ یہ ایسے حالات ہیں کہ اہل خانہ بالعموم ایسے

Marfat.com
Marfat.com

لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور لوگوں کا عام رویہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اس طرح کے گھروں سے کھانا کھاتے اور کھلاتے ہیں لیکن اس میں اسلامی معاشرے کے عمومی قواعد کا لحاظ رکھا جائے گا۔ یعنی

لا ضرر و لا ضرار "نہ نقصان دیتا ہے اور نہ نقصان اٹھاتا ہے"۔ اور لا یحل ما امرء مسلم الا بطیب نفس "حلال نہیں کسی مسلمان کا مال مگر اس کے دل کی خوشی کے ساتھ"۔ یہ آیت چونکہ ایک قانونی آیت ہے۔ اس لیے ہم اس کے طرز ادا پر قدرے بحث کریں گے۔ فقروں کی ترتیب اور تشکیل ایسی ہے کہ مفہوم شیشہ کی طرح صاف صاف ذہن میں آجاتا ہے۔ نیز رشتہ داریوں کی ترتیب کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ آغاز میں بیٹوں اور خاوند اور بیوی کے گھروں کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن ان سے مضمون کا آغاز کیا گیا اور ان کو بُيُوتِكُمْ "تمہارے گھروں" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ بیٹوں کے گھر اپنے گھر ہوتے ہیں اور بیوی کے لیے خاوند کا گھر اور خاوند کے لیے بیوی کا گھر اپنا گھر ہوتا ہے۔ اس کے بعد آباء و اجداد کے گھر کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ماں اور نانی کے گھروں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد بھائیوں کے گھروں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد بہنوں کے گھروں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد چچاؤں کے گھروں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد پھوپھیوں کے گھروں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ماموں کے گھروں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد خالاؤں کے گھروں کا ذکر ہے اور اس کے بعد اس شخص کے حق کا ذکر ہے جو اموال پر خازن اور نگران ہے۔ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بقدر ضرورت مال زیر نگرانی سے کھائے۔ اس کے ساتھ دوستوں کے گھر کا بھی ذکر ہے کہ ایک دوست ' دوست کے گھر سے کھانا کھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ دوست کے لیے اذیت اور ضرر کا باعث نہ بنے کیونکہ بسا اوقات دوست ' دوست کے گھر بغیر اجازت کے کھا پی سکتے ہیں۔

اب ان گھروں کے بیان کے بعد جن میں کھانا جائز ہے ' یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کھانا کس حال میں کھایا جائے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا (۲۴ : ۶۱) "اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم لوگ مل کر کھاؤ یا الگ الگ"۔ عربوں میں سے بعض لوگوں کا ایام جاہلیت میں رواج تھا کہ ان میں سے کوئی شخص بھی کسی ساتھی کے بغیر کھانا نہ کھاتا تھا۔ اگر کوئی مہمان یا ساتھی نہ ملتا تو وہ کھانا ہی نہ کھاتے تھے۔ اس رسم کو اللہ نے ختم کر دیا کیونکہ بعض اوقات اس سے مشکلات پیدا ہوتی تھیں۔ معاملے کو آسان کر دیا کہ کوئی اکیلے کھاتا ہے یا دوسروں کے ساتھ کھاتا ہے دونوں صورتیں مناسب ہیں۔

گھروں اور حالت طعام کے بیان کے بعد اب یہاں ان گھروں میں داخل ہونے کا طریقہ بتایا جاتا ہے جن میں کھانا کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً

(۲۴ : ۶۱) "البتہ جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو ' دعائے خیر اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی ' بڑی بابرکت اور پاکیزہ"۔ یہ ایک نہایت ہی لطیف تعبیر ہے اس قوی رابطے کی جو مذکورہ بالا رشتوں کے اندر

Marfat.com

Marfat.com

پایا جاتا ہے۔ یعنی اپنے نفسوں پر سلام کرو کیونکہ جو شخص اپنے رشتہ داروں یا دوستوں پر سلام کرتا ہے وہ دراصل اپنے اوپر سلامتی بھیجتا ہے اور جو سلام وہ کرتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ سلام کے اندر اللہ کی طرف سے ایک روحانی پھونک ہے اور دونوں فریقوں کے درمیان دین کا مضبوط رشتہ ہے' دینی رشتہ جو سلام کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ یہ نہایت ہی اٹوٹ رشتہ ہے۔

یوں اہل ایمان کو اپنے رب کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۲۴: ۶۱) "اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے آیات بیان کرتا ہے توقع ہے کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لوگے"۔ تمہیں یہ بات معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے طے کردہ نظام زندگی میں کس قدر حکمت پیش نظر رکھی گئی ہے اور کس قدر موزوں اور مقدس نظام ہے۔

---()()()---

اب روئے کلام رشتہ داروں کے درمیان تعلقات کے موضوع سے آگے بڑھ کر' اس عظیم خاندان کی شیرازہ بندی میں داخل ہوتا ہے جسے امت مسلمہ کہتے ہیں۔ اس خاندان کے سربراہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مسلمانوں کے سربراہ اور قائد ہیں۔ آپ کی مجلس کے بعض آداب کی تعلیم یہ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

۹ ۱۵ ع ۲

"مومن تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسولؐ کے ساتھ ہوں۔ تو اس سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں۔ اے نبیؐ" جو لوگ تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور رسولؐ کے ماننے والے ہیں' پس جب وہ اپنے کسی کام سے اجازت مانگیں تو جسے تم چاہو' اجازت دے دیا کرو۔ اور ایسے لوگوں

Marfat.com
Marfat.com

کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کیا کرو' اللہ یقیناً غفور و رحیم ہے۔ مسلمانو' اپنے درمیان رسولؐ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے سرک جاتے ہیں۔ رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔ خبردار رہو' آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ تم جس روش پر بھی ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ جس روز لوگ اس کی طرف پلٹائے جائیں گے وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے"۔

ابن اسحاق نے اس آیت کی شان نزول میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جنگ احزاب کے موقع پر جب قریش تمام اقوام کو جمع کر کے مدینہ پر چڑھا لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دفاع میں مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودنے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کام شروع کیا تاکہ اہل ایمان جوش و خروش سے کام کریں۔ خندق کھودنے کے کام میں مسلمانوں نے خوب جوش و خروش سے کام کیا۔ آپ نے بھی ایک نمونہ اور مثال قائم کی اور انہوں نے بھی مثال قائم کر دی۔ بعض منافقین نے اس کام میں رسول اللہؐ اور مسلمانوں سے پیچھے رہنے اور سست روی اختیار کرنے کا مظاہرہ کیا۔ وہ چھوٹے بڑے کاموں کا بہانہ بنا کر نکل جاتے اور بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیے بغیر کھسک جاتے تھے جبکہ مسلمانوں کا عمل یہ تھا کہ جب ان کو کوئی ضروری کام پیش آتا تو وہ رسول اللہؐ سے ذکر کرتے۔ آپؐ اجازت دیتے اور وہ شخص کام کر کے جلدی واپس کام پر آجاتا۔ اور یہ رویہ مسلمان زیادہ ثواب کمانے کی غرض سے اختیار کرتے۔ اس موقع پر اللہ نے یہ آیات نازل کیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ سے آخر تک سبب نزول جو بھی ہو' بہرحال ان آیات کے اندر جماعت مسلمہ کے تنظیمی قواعد و آداب کا ذکر کیا گیا ہے اور مسلمانوں کے قائد کے احکام کے سلسلے میں آداب بتائے گئے ہیں۔ اور جب تک کوئی جماعت اپنے امیر کے ساتھ ایسے ہی اصولوں کی گہرے جذبات اور ضمیر کی گہرائیوں سے پابندی نہ کرے گی اس وقت تک جماعت کا نظم و نسق درست نہیں ہو سکتا۔ ان آداب کو جماعت مسلمہ کے اندر ایک پختہ روایت' ایک معمول بہا عادت اور سخت قانون کی طرح جاری ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہو گا تو وہ جماعت نہ ہو گی بلکہ منتشر افراد کا ایک انبوہ ہو گا۔

وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ (۲۴: ۶۲) "اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسولؐ کے ساتھ ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر نہ جائیں"۔ امر جامع سے مراد وہ امر ہے' جس میں تمام جماعت مسلمہ کا اشتراک ضروری ہو۔ کسی مشاورت کا موقع ہو یا جنگ کا موقع ہو۔ یا عام اجتماعی کاموں کا موقع ہو۔ ایسے مواقع پر اہل ایمان کا فرض ہے کہ رسول اللہؐ سے اجازت لے کر جائیں۔ آپ کے بعد اپنے امام اور اپنے انچارج سے اجازت لے کر جائیں تاکہ مسلمانوں کی زندگی اور ان کے ادارے منظم طریقے سے چل سکیں اور ان میں طوائف الملوکی نہ ہو اور کوئی بھی کام پورے نظم اور وقار کے ساتھ ہو۔

یہ لوگ جو اس قسم کا ایمان لاتے ہیں' پھر اس قسم کے آداب پر عمل کرتے ہیں اور تحریک کی ڈیوٹی سے صرف اس وقت رخصت مانگتے ہیں جب وہ مجبور ہوں۔ اپنے ایمان اور اپنی تربیت کی وجہ سے وہ ڈیوٹی چھوڑ کر نہیں بھاگتے جبکہ

امت اور جماعت کو اجتماعی جدوجہد کی سخت ضرورت ہو لیکن قرآن مجید اجازت دینے اور نہ دینے کے فیصلے کا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتا ہے۔ آپ کے بعد یہ اختیار اب جماعت کے سربراہ کو حاصل ہے کہ وہ اجتماعی کاموں سے کسی کو مستثنیٰ کرتا ہے یا نہیں۔

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ (۲۴:۶۲) "پس جب وہ اپنے کسی کام سے اجازت مانگیں تو جسے تم چاہو اجازت دے دیا کرو"۔ اس سے قبل اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تنبیہ فرمائی تھی کہ کیوں آپ نے ان منافقین کو اجازت دی۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ "اللہ نے تمہیں معاف کر دیا کہ کیوں تم نے ان کو اجازت دی تاکہ تم پر یہ امر واضح ہو جاتا کہ خبیث کون ہے' اور پاک کون ہے"۔ یہاں یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دی گئی ہے کہ آپ کسی کو اختیار دیں یا نہ دیں۔ اس طرح مسلمانوں کے لیے ایک اور آسانی پیدا کر دی گئی کیونکہ بعض اوقات نہایت ہی اہم ضروریات لاحق ہو جاتی ہیں اس لیے جماعت کی قیادت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ موازنہ کرے کہ کسی کے لیے درپیش مہم میں جانا ضروری ہے یا کسی خصوصی ضرورت کے لئے پیچھے رہنا ضروری ہے۔ آخری اختیار قائد کو دے دیا گیا تاکہ وہ حالات کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرے۔

یہاں بہرحال اس طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے کہ انفرادی ضرورتوں پر قابو پایا جائے' مسائل کا حل نکالا جائے اور اجتماعی مہم کو ترجیح دی جائے۔ تاہم اگر کوئی شخص اپنی کسی جائز ضرورت کے لیے بھی پیچھے رہتا ہے تو یہ امر جائز ہونے کے باوجود بھی ایک قصور ہے اور اس پر اللہ سے مغفرت طلب کرنا ضروری ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۴:۶۲) "اور ایسے لوگوں کے حق میں' اللہ سے دعائے مغفرت کیا کرو' اللہ یقیناً غفور و رحیم ہے"۔ یوں ایک مومن کے ضمیر پر پابندی لگائی جاتی ہے کہ وہ اجازت طلب نہ کرے' اگر کوئی بھی صورت نکلے تو وہ اپنے آپ کو عذر طلب کرنے سے بچانے کی کوشش کرے۔

نیز یہاں یہ بھی بتا دیا گیا کہ جو لوگ اجازت طلب کرتے ہیں وہ درخواست استیذان نہایت ہی مؤدبانہ الفاظ میں پیش کریں اور عوام الناس کی طرح (یا محمد) یا (ابو القاسم) یا اور عوامی طریقے سے خطاب نہ کریں بلکہ مودبانہ الفاظ یا رسول اللہ' یا نبی اللہ کے الفاظ سے مخاطب کریں۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (۲۴:۶۳) "مسلمانو! اپنے درمیان رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا بلانا نہ سمجھ بیٹھو"۔ چاہئے کہ تمہارے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بھرے ہوئے ہوں۔ لہٰذا رسول اللہ کے احترام میں مناسب ترین الفاظ کا انتخاب کرو۔ یہ قیادت کے لیے ایک نہایت ہی ضروری اصول ہے اس لیے کہ کسی مربی' کسی استاد' کسی قائد کا مناسب احترام لازم ہے اور کارکنوں کے شعور اور سلوک میں قائد کے احترام اور محبت ہو۔ ایک کارکن اپنے قائد کے ساتھ ضرورت سے زیادہ بے تکلف نہ ہو۔

Marfat.com
Marfat.com

اس کے بعد منافقین کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کھسک جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی اوٹ لے کر بھاگ جاتے ہیں۔ اگر وہ مسلمانوں اور رسول اللہؐ کی نظروں سے اپنے آپ کو چھپاتے ہیں تو اللہ کی نظروں سے تو وہ چھپ نہیں سکتے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا (۲۴: ۶۳) "اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیے ہوئے چپکے سے کھسک جاتے ہیں"۔ یہ اس شخص کی عجیب تصویر کشی ہے جو مجلس کی نظروں سے چھپ چھپا کر کھسک جاتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ یہ شخص سامنے آکر اجازت لے کر نہیں جاتا بلکہ چور کی طرح چھپ کر اٹھتا ہے اور اس کی یہ حرکت شعور کے اندر اس شخص کے لیے حقارت پیدا کر دیتی ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

(۲۴: ۶۳) "رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے"۔ یہ ایک سخت تہدید آمیز تنبیہ اور مرعوب کن ڈراوا ہے۔ ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو امر رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں' جو رسول اللہؐ کے طریقوں سے مخالف طریقوں پر چلتے ہیں اور ذاتی کاموں اور ذاتی مفادات کے لیے اجتماعی ٹیموں کی صف سے چپکے سے نکل جاتے ہیں۔ ان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ ان کے اندر اختلافات پیدا ہو کر وہ فتنہ عظیم میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ان کی اقدار ہی نہ بدل جائیں' حق و باطل میں تمیز نہ رہے اور ان کا نظام متزلزل نہ ہو جائے۔ ان کے اندر پاک لوگوں اور خبیث لوگوں کا امتزاج ہو جائے' جماعتی معاملات میں فتور پڑ جائے اور جماعتی زندگی کی چولیں ڈھیلی ہو جائیں۔ اس طرح کہ کوئی شخص اپنے نفس کے بارے میں مطمئن نہ ہو۔ کوئی کسی حد پر نہ رکتا ہو۔ اور جماعت کے اندر سے خیر و شر کا معیار مٹ جائے۔ ایسے حالات تمام افراد جماعت کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں۔

اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۲۴: ۶۳) "یا ان پر دردناک عذاب آجائے"۔ چاہے یہ عذاب دنیا میں آجائے یا آخرت میں آئے۔ یہ عذاب اس لیے آئے گا کہ ان لوگوں نے حکم الٰہی کی مخالفت کی اور اس نظام کو ترک کر دیا جسے اللہ نے ان کے لیے پسند فرمایا تھا۔

یہ تنبیہ اور شدید ڈراوا یہاں ختم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ سورہ نور بھی ختم ہوتی ہے اور خاتمہ کلام پر لوگوں کو خبردار کیا جاتا ہے کہ اللہ تمہارے تمام کرتوتوں سے واقف ہے۔ جو اچھے کام کرتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور جو انحراف کی راہوں پر چل نکلے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور ایک دن وہ تمہارے سامنے تمہارا مکمل نامہ اعمال پیش کر دے گا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲۴: ۶۴) "خبردار رہو' آسمان و زمین میں جو کچھ ہے

اللہ کا ہے ۔ تم جس روش پر بھی ہو اللہ اس کو جانتا ہے ۔ جس روز لوگ اس کی طرف پلٹائے جائیں گے وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں ۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے"۔

یوں اس سورہ کا خاتمہ اس مضمون پر ہوتا ہے کہ اہل ایمان کی نظریں اللہ سے متعلق ہو جاتی ہیں اور ان کو اللہ کے خوف اور خشیت سے ڈرایا جاتا ہے کیونکہ صرف خدا اور خشیت الٰہی اور تقویٰ انسان کو درست رکھنے کی آخری گارنٹی ہے ۔ اللہ نے جو احکام اور نواہی دیئے ہیں ان پر عمل کرانے کا یہ آخری نگران ہے جو ہر مومن کے دل میں بیٹھا ہوتا ہے ۔ اس سورہ میں جو اخلاق ' جو آداب اور جو قوانین وضع کیے گئے ہیں اور سب کو اسلامی نظام کا برابر حصہ بنایا گیا ہے ان کا محافظ تقویٰ اور خدا خوفی کو قرار دیا گیا ہے ۔

ڈیفنس کراچی ' جنوری ۱۹۹۴ء

---()()()---

Marfat.com

فی ظلال القرآن

جلد ----- چہارم

پارہ ----- ۱۸

سورۃ الفرقان - ۲۵

۱--- تا--- ۲۰

Marfat.com

Marfat.com

سورۂ الفرقان ایک نظر میں

یہ سورت پوری کی پوری بظاہر مکی نظر آتی ہے۔ اس پوری سورت میں' مشرکین مکہ کی اسلام دشمنی' عناد' ہٹ دھرمی اور آپ کے خلاف مسلسل دست درازیوں' کج بحثیوں اور اسلام کی راہ کو مسلسل روکنے کی مخالفانہ کارروائیوں پر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔ اور اطمینان دلایا گیا کہ اس مقابلے اور کشمکش میں آپ کو کامیابی ہوگی۔ بعض لمحات ایسے بھی آتے ہیں کہ نظر یوں آرہا ہے کہ گویا حضور اکرمؐ کے زخموں پر مرہم لگائی جارہی ہے۔ آپ کے درد اور دکھ کا درماں کیا جارہا ہے۔ آپ کے سر پر قدرت کا دست شفقت ہے۔ آپ کو تسلی دی جارہی ہے اور آپ کے کاسہ دل کو اعتماد و اطمینان کے شراب طہور سے بھرا جارہا ہے اور اللہ کی نگرانی' رعایت و شفقت اور لطف و کرم کی بادنسیم کے خوشگوار جھونکے آپؐ کے چہرۂ مبارک کو چھو رہے ہیں۔

پھر یہ سورت' اس شدید جنگ کی تصویر کشی بھی کر رہی ہے' جو اللہ کے یہ بندے اور رسول ایک منکر حق انسانیت کے ساتھ برپا کیے ہوئے ہیں۔ یہ انسانیت اللہ و رسولؐ کی دشمنی پر اتر آتی ہے' اسلام کے خلاف سخت مجادلہ کر رہی ہے' اہل ایمان کو گھروں سے نکال رہی ہے نہایت ہی مکروہ انداز میں' مسلمانوں پر دست درازی کر رہی ہے اور سخت سرکشی اور عناد میں مبتلا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو واضح' ناطق اور بین دلائل کے ساتھ راہ حق اور صراط مستقیم کی طرف بلا رہے ہیں وہ اس راہ سے دور جارہی ہے۔

جس سوسائٹی کے سامنے حضور محترمؐ ان مشکل ترین حالات میں دعوت اسلامی پیش کر رہے ہیں اس عظیم دعوت کے بارے میں اس سوسائٹی کا تبصرہ یہ ہے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (۲۵: ٤) "جن لوگوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے"۔ یا ان کا تبصرہ یوں ہے:

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (۲۵: ۵) "یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ صبح و شام املا کرائی جاتی ہیں"۔ اور خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تبصرہ کچھ یوں ہے۔

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا "تم تو ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو"۔ اور رسول تو رسول ہیں ایک بشر ہیں۔ یہ لوگ خود اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ بات کرنے کی جرات کرتے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا (۲۵:۶۰) "ان لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمان کیا ہوتا ہے کیا جسے تو کہہ دے اسے ہم سجدہ کرتے پھریں۔ یہ دعوت ان کی نفرت میں اور اضافہ کر دیتی ہے"۔ اور ان کی ہٹ دھرمی کو یہ سورت یوں ریکارڈ کرتی ہے۔

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا (۲۵:۲۱) "کیوں نہ فرشتے ہمارے پاس بھیجے گئے یا کیوں نہ یوں ہوا کہ ہم اپنے رب کو دیکھیں"۔ یہ تھا اس سوسائٹی کا دعوت اسلامی کے بارے ردعمل۔

لیکن انسانیت کا یہ طرز عمل کوئی نیا نہیں ہے۔ نوح علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان تک انسانوں نے تمام رسولوں کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ ہمیشہ ہر رسول کی بشریت ہی پر اعتراض ہوا اور اب رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر بھی وہی اعتراض ہے۔

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا (۲۵:۷) "یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے' اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے' کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو) دھمکاتا"۔ انہوں نے یہ اعتراض بھی کیا کہ اس رسول کے پاس وافر مقدار میں مال بھی نہیں۔

اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا (۲۵:۸) "یا اس لیے کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ روزی حاصل کرتا"۔ اور انہوں نے قرآن کے طریقہ نزول پر بھی اعتراض کیا۔

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً (۲۵:۳۲) "اس شخص پر پورا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتارا گیا"۔ اس تمسخر' استہزاء' افتراء اور بے حیائی کا مقابلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ یہ مقابلہ آپ اکیلے کر رہے تھے۔ ایسے حالات میں کر رہے تھے کہ نہ آپ کے پاس کوئی مال تھا اور نہ جاہ و مرتبہ تھا۔ اور آپ ان حالات پر راضی برضا تھے اور رب ذوالجلال سے کوئی شکوہ و شکایت نہ کرتے تھے۔ آپ اللہ کی طرف متوجہ تھے' صرف اس کی رضا اور خوشنودی کے طلبگار تھے اور اس کے سوا آپ کا کوئی مقصد و مطلوب نہ تھا۔ طائف سے واپس ہوتے ہوئے نہایت مشکلات میں آپ اپنے رب سے یوں ہمکلام ہوئے "اے رب اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو پھر مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تجھے اس وقت تک آزمانے کا حق ہے جب تک تو راضی نہ ہو جائے"۔

ان مشکل حالات کے مقابلے میں' اس سورت سے یوں نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پناہ میں لے رہا ہے۔ اللہ حضور اکرمؐ کی مشکلات اور تکالیف پر آپ کو تسلی دیتا ہے۔ آپ کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مشکلات' آپ کی پریشانیوں کو کم کیا جاتا ہے۔ آپ کو ہمت دی جاتی ہے کہ آپ اپنی

Marfat.com

قوم کی ہٹ دھرمی' بے ادبی' گستاخی' اور دست درازی کو برداشت کریں۔ یہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ دراصل اپنے خالق اور رازق کے ساتھ گستاخی اور دست درازی کر رہے ہیں جبکہ ان کا خالق اس پوری کائنات کا مدبر اور خالق بھی ہے اور وہ اس پوری کائنات کو چلا رہا ہے تو یہ لوگ اگر اپنے رب کے ساتھ یہ رویہ اختیار کرتے ہیں تو رسول اللہ کو چاہئے کہ وہ ان کی ان حرکات کی کوئی پرواہ نہ کریں۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا (۲۵:۵۵) "اور اس خدا کو چھوڑ کر لوگ ان کو پوج رہے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں' نہ نقصان اور مزید یہ کہ کافر اپنے رب کے مقابلے میں ہر باغی کا مددگار بنا ہوا ہے"۔ اور دوسری جگہ ہے۔

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا (۲۵:۳) "لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں جو خود اپنے لیے کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے' جو نہ مارتے ہیں اور نہ جلا سکتے ہیں اور نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں"۔ اور دوسری جگہ ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ (۲۵: ۶۰) "ان لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمٰن کیا ہوتا ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورت میں ایک دوسرے انداز سے بھی تسلی دی جاتی ہے وہ یہ کہ کفار جس قدر گرے ہوئے ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ قابل نفرت ہے۔ یعنی آپ اعلیٰ زندگی اور اعلیٰ ماحول کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا (۴۳) أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا (۲۵:۴۴) "کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو' کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں۔ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے"۔

کفار آپ کے ساتھ جو مجادلہ اور مباحثہ اور کٹ حجتی کرتے تھے۔ اللہ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کے ان پوچ سوالات کا تسلی بخش جواب دیا جائے گا۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا (۲۵:۳۳) "اور جب کبھی وہ تمہارے سامنے کوئی نرالی بات لے کر آئے اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں دے دیا اور بہترین طریقے سے بات کھول دی"۔ آپ کی جدوجہد سے قبل بھی نبیوں نے یہ کام کیا' ان کی تکذیب کی گئی اور اللہ نے مکذبین کو ٹھکانے لگایا۔

Marfat.com
Marfat.com

قوم موسیٰ' قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود' اصحاب الرس' اور ان پیغمبروں کے زمانوں کے درمیان اور پیغمبروں کی اقوام کے حالات کو ذرا پڑھئے۔

اور قیامت! ذرا یہ بھی دیکھ لو کہ وہاں ان کا حشر کیا ہو گا۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِيْلًا

(۲۵:۳۴) "جو لوگ اوندھے منہ جہنم کی طرف دھکیلے جانے والے ہیں ان کا موقف بہت برا ہے اور ان کی راہ حد درجہ غلط ہے"۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا (۱۱) اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا (۱۲) وَ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا (۱۳) لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا

(۲۵:۱۴) "اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ اس گھڑی کو جھٹلا چکے ہیں اور جو اس گھڑی کو جھٹلائے اس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر رکھی ہے جب وہ دور سے ان کو دیکھے گی تو یہ اس کے غضب اور جوش کی آواز سن لیں گے اور جب یہ دست و پابستہ اس میں ایک تنگ جگہ ٹھونسے جائیں گے تو اپنی موت کو پکارنے لگیں گے۔ آج ایک موت کو نہیں' بہت سی موتوں کو پکارو"۔

وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا (۲۷) يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا (۲۵:۲۸) "اور منکرین حق کے لیے بڑا سخت دن ہو گا ظالم انسان اپنے ہاتھ چبائے گا اور کہے گا کاش میں نے رسولؐ کا ساتھ دیا ہوتا' ہائے میری کم بختی' کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا"۔

پھر آپؐ کو یوں بھی تسلی دی جاتی ہے کہ آپ کو جن مشکلات سے سابقہ درپیش ہے۔ یہ تمام حالات رسولان سابقہ کو بھی پیش آئے۔

وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (۲۵:۲۰) "اے نبیؐ ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے تھے وہ سب بھی کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرنے والے لوگ تھے"۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا

Marfat.com

"اے نبی' ہم نے تو اسی طرح مجرموں کو ہر نبی کا دشمن بنایا اور تمہارے لیے تمہارا رب ہی رہنمائی اور مدد کو کافی ہے"۔ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ صبر کریں اور اپنے پیروکاروں کو بھی صبر کرنے کی تلقین فرمائیں اور کافروں کے ساتھ قرآنی دلائل و براہین کے ذریعہ جہاد کریں۔ کیونکہ قرآن کے دلائل واضح' قوی اور وجدان کو گہرائی تک متاثر کرنے والے ہیں۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (۲۵:۵۲) "پس اے نبی کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور قرآن کو لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کرو"۔ اور آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ راہ جہاد میں مشکلات کو برداشت کرتے چلے جائیں اور اپنے رب اور مولیٰ پر توکل فرمائیں۔

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا (۲۵:۵۸) "اے نبی اس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اپنے بندوں کے گناہوں سے بس اس کا باخبر ہونا کافی ہے"۔

یوں اس سورت کے مضامین چلتے ہیں۔ ایک لمحے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی' تشفی' اطمینان اور اللہ کی طرف سے پناہ دی جاتی ہے۔ اگلے ہی لمحے میں مشرکین کی طرف سے اذیت رسانی' اور مشکلات آجاتی ہیں۔ پھر مکذبین کی ہلاکت و تباہی آجاتی ہے۔ یوں یہ سورت اپنے خاتمے کے قریب آپہنچتی ہے۔ اس میں خوشگوار بادنسیم کے جھونکے بھی ہیں۔ نرمی' خوشی اور مسرت کے لمحات بھی ہیں۔ اطمینان و سلامتی کے لوقات بھی ہیں۔ یوں یہ سورت آپہنچتی ہے۔ عباد الرحمٰن کی تصویر کشی کی پینٹنگ پر۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (۲۵:۶۳) "رحمٰن کے اصلی بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام"۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اس گمراہ سرکش اور کینہ پرور انسانیت کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے پاک و صاف ہوگئے ہیں اور وہ گویا انسانیت کے شجرۂ طیبہ کے پکے ہوئے پھل ہیں۔ جو بہت ہی میٹھا اور بہت ہی مفید اور موجب خیر و برکت ہے۔

سورت کا خاتمہ اس پر ہوتا ہے کہ اللہ کی نظروں میں یہ پوری انسانیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہے اگر اس بشریت میں یہ پاک لوگ اور موجب خیر و برکت افراد ہر وقت دست بدعا نہ رہتے تو اللہ کبھی انسانیت کو نیست و نابود کر دیتا۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا (۲۵:۷۷) "اے نبی' لوگوں سے کہو میرے رب کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے۔ اگر تم اس کو نہ پکارو' اب کہ تم نے جھٹلا دیا ہے۔ عنقریب وہ سزا پاؤ گے کہ جان چھڑانی محال ہوگی۔

Marfat.com

---(۱)(۱)(۱)---

یہ تھے اس سورت کے سائے اور موضوعات - یہی اس سورت کے محور تھے اور یہی اس کے موضوعات ہیں جس پر یہ بحث کرتی ہے - یہ سب مضامین و موضوعات باہم مربوط ہیں - اور ان کو منقسم نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے باوجود سورت کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن میں مذکورہ بالا موضوعات لیے گئے ہیں -

کلام کا آغاز حمد باری سے ہوتا ہے کہ جس نے از راہ کرم اپنے برگزیدہ بندے پر قرآن کریم نازل کیا ہے تاکہ یہ قرآن جہان والوں کے لیے ڈرلوے کا سامان ہو - اور ان کو عقیدۂ توحید کی تعلیم دی جائے کہ اللہ وحدہ زمین و آسمانوں کا مالک و خالق ہے - اور وہ اپنی حکمت اور تدبیر سے اس کائنات کو چلا رہا ہے - اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے - اور نہ اس کی بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے لیکن ان حقائق کے باوجود لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ایسی مخلوقات کو الٰہ بناتے ہیں جو اللہ کی پیدا کردہ ہیں اور ان میں قوت تخلیق نہیں ہے - یہ نظریاتی قرار داد ان الزامات و اتہامات کے بعد لائی گئی ہے جو انہوں نے حضور اکرمؐ پر عائد کیے اور جو بے حد اذیت ناک تھے - یہ کہ حضور اکرامؐ افتراء باندھتے ہیں' یہ کہ یہ پرانی کہانیاں ہیں جو کہیں سے نقل کرتے ہیں اور یہ کہ آپ تو ایک انسان ہیں جو بازاروں میں چلتے پھرتے اور کھانا کھاتے ہیں' پھر یہ کہ کیوں نہ ان کے ساتھ ایک فرشتہ نازل ہوا اور کیوں نہ ان پر بھاری خزانہ نازل ہوا' یا کیوں ان کے پاس باغات نہیں ہیں جن سے وہ کھاتے پیتے اور پھر انتہائی بے حیائی کے ساتھ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ آپ پاگل ہیں - یہاں اللہ کے بارے میں ان کی گستاخیاں پہلے لائی گئی ہیں - اور رسول اللہؐ کے بارے میں ان کی یہ گستاخیاں بعد میں تاکہ رسول اللہؐ کے لیے یہ بات باعث تسلی ہو کہ یہ تو اللہ کے بارے میں بھی یہ کچھ کہتے ہیں - ان وجوہات کی بنا پر اعلان کر دیا جاتا ہے کہ یہ لوگ گمراہ ہیں اور قیامت کے منکر ہیں - اور یہ اس عذاب کے مستحق ہیں جو ان کے لیے تیار کیا گیا ہے - یعنی جہنم کا عذاب جس کی نہایت تنگ جگہ میں ان کو باندھ کر گرایا جائے گا - اس کے بالمقابل مومنین کی حالت بتائی جاتی ہے جو کھلے اور وسیع باغات میں ہوں گے اور وہاں ان کے لیے وہ کچھ ہو گا جو وہ چاہیں گے - پھر قیامت کے دن ان لوگوں کے سامنے ان کے وہ معبود بھی پیش ہوں گے - وہ ان تمام باتوں کی تردید و تکذیب کر دیں گے جو یہ کرتے تھے اور جو غلط عقائد و نظریات یہ رکھتے تھے اور سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور منکرین کو جواب دیتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ تمام رسول کھانا کھاتے رہے ہیں اور بازاروں میں اپنی ضروریات کے لیے جاتے رہے ہیں -

دوسرے سبق میں مکذبین کی اس دست درازی اور سرکشی کو لیا جاتا ہے کہ رسول اللہ پر فرشتے کیوں نازل نہیں ہوئے یا یہ کہ ہم کو رب تعالیٰ دکھایا کیوں نہیں جاتا - اس کے بعد ان کے سامنے قیامت کا وہ منظر پیش کیا جاتا ہے جس میں فرشتوں کو دیکھ لیں گے لیکن ان کافروں پر وہ دن بہت ہی سخت ہو گا - اس دن کو ظالم اپنے ہاتھ کاٹیں گے - مارے حسرت کے اور یہ تمنائیں کریں گے کہ کاش وہ رسولؐ کے ساتھ راہ ہدایت لیتے اور یہ منظر بھی رسول اللہؐ کو تسلی دینے کے لیے لایا گیا' کہ آپ پریشان نہ ہوں' نہ ماننے والے قرآن کو چھوڑ کر خود اپنا نقصان کر رہے ہیں' وہ قرآن کے طریقہ نزول پر اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ نے پورے قرآن کریم کو ایک بار کیوں نہیں اتارا؟ ان کے سوال کے جواب میں قیامت کا ایک منظر پیش کیا جاتا ہے جس میں ان مکذبین کو منہ کے بل جہنم میں گرا لیا جاتا ہے - اور ان سے قبل قوم موسیٰ' قوم نوح' اقوام

Marfat.com

عاد و ثمود' اصحاب الرس اور دوسری اقوام کا انجام بھی بتایا جاتا ہے۔ اور بڑے تعجب سے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ قوم لوط کے کھنڈرات پر سے گزرتے ہیں لیکن عبرت نہیں پکڑتے۔ ان باتوں سے حضورؐ کو تسلی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ انتہائی تحقیر کے ساتھ کہتے تھے۔

اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا (۲۵: ۴۱) "کیا یہ شخص اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے"۔ اللہ ان کے اس توہین آمیز ریمارکس کے بدلے ان کی تعریف یوں فرماتا ہے کہ یہ لوگ حیوان ہیں بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۲۵: ۴۴) "یہ نہیں ہیں مگر مویشیوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ"۔ چوتھا سبق مظاہر کائنات کو لیتا ہے کہ کس طرح سایہ اپنا کام کرتا ہے۔ گردش لیل و نہار کا نظام' خوشگوار ہوائیں' بادلوں کو اٹھاتی ہوئی اور بارش برساتی ہوئی۔ پھر پانی سے انسان اور دوسری مخلوقات کی تخلیق کا عمل اور پھر ایسے احسن الخالقین کو چھوڑ کر لوگوں کی طرف سے ایسے معبودوں کی بندگی کرنا جو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ پھر منکرین کس طرح اس کے ساتھ شریک ٹھہرا کر سرکشی کرتے ہیں اور جب ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ رحمٰن کی بندگی کرو تو نہایت ہی بے حیائی کے ساتھ یہ کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے۔ حالانکہ رحمٰن تو یہ ہوتا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا (۲۵: ۶۱) وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (۲۵: ۶۲)

"بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور چمکتا ہوا چاند روشن کیا۔ وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا' ہر اس شخص کے لیے جو سبق لینا چاہے یا شکرگزار ہونا چاہئے"۔ اور آخری سبق میں بتایا جاتا ہے کہ اللہ کے صحیح بندے کیسے ہوتے ہیں' جو اس کی بندگی کرتے ہیں' سجدے کرتے ہیں اور وہ تمام صفات بتائی جاتی ہیں جو ان بندوں میں پائی جاتی ہیں اور لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کر کے عباد اللہ اور عباد الرحمٰن کی راہ اپنا سکتے ہیں۔ اور یہ مقام پا سکتے ہیں۔ اور اس جزاء کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا (۲۵: ۷۵)

"یہ لوگ ہیں جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی شکل میں پائیں گے۔ آداب و تسلیمات سے ان کا استقبال ہو گا"۔ آخر میں کہا جاتا ہے کہ اس دنیا میں اگر اللہ کے برگزیدہ بندے نہ ہوتے تو اللہ ان گمراہ انسانوں کی کوئی پرواہ ہی نہ کرتا۔ جو انکار اور تکذیب کرتے ہیں۔

ان لوگوں کی اس حقارت اور ناقابل التفات ہونے کو بھی یہاں اس لیے لایا گیا ہے کہ حضور کو تسلی ہو کہ یہ لوگ اگر نہیں مانتے تو یہ ہیں ہی ایسے۔ اس سورت کی فضا اور حضور کو تسلی دینے کے لیے یہ آخری ریمارکس سورت کے مضامین کے ساتھ نہایت ہی موزوں اور ہم آہنگ ہے۔ (یعنی اے پیغمبر' نہ اللہ ان کو اہمیت دیتا ہے اور نہ آپ دیں)

Marfat.com

Marfat.com

درس نمبر ۱۵۷ تشریح آیات

۱--- تا --- ۲۰

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی
الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا
یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّ
لَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

''نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لیے خبردار کر دینے والا ہو وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے' جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے' جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے' جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔ لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں' جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے' جو نہ مار سکتے ہیں' نہ جلا سکتے ہیں' نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں''۔

یہ آغاز ہی صاف صاف ظاہر کر دیتا ہے کہ اس سورت کا بڑا محور اور موضوع کیا ہے؟ یہ کہ یہ کتاب من جانب اللہ نازل شدہ ہے اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام انسانوں کے لیے ہے۔ یہ کہ اس دعوت کا

Marfat.com

Marfat.com

بنیادی پیغام یہ ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے' اس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ کوئی شریک ہے' وہ وحدہ اس پوری کائنات کا مالک ہے' وحدہ مدبر ہے اور اپنی حکمت و تدبیر کے ساتھ اسے چلا رہا ہے۔ ان حقائق کے باوجود شرک کرنے والے شرک کرتے ہیں۔ افتراء پردازی کرنے والے افتراء باندھتے ہیں اور جھگڑنے والے جھگڑتے ہیں اور حد سے بڑھنے والے حدود پار کرتے رہتے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا (۲۵: ۱) "نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان' اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لیے خبردار کر دینے والا ہو"۔ تبارک' برکت سے باب مفاعلہ ہے یعنی نہایت متبرک ہے۔ یعنی وہ بہت زیادہ فیوض و برکات والا ہے۔ یہاں اللہ جل شانہ' کا نام لینے کے بجائے اسم موصول سے ذات باری کو الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ (۲۵: ۱) لایا گیا ہے' کیونکہ یہاں سورت میں مباحثہ "صداقت و رسالت" پر ہے۔ اور اس کے ساتھ ذات باری کا گہرا تعلق ہے نیز نزول قرآن کے ساتھ بھی ذات باری کا تعلق ہے کہ یہ ذات ہی نازل کرنے والی ہے۔

یہاں قرآن مجید کو فرقان اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں جو تعلیمات دی گئی ہیں وہ حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کے درمیان بہت ہی واضح فرق کر دیتی ہیں بلکہ اس کے ذریعہ اسلامی نظام زندگی اور غیر اسلامی نظام زندگی کے درمیان اور عہد جاہلیت اور عہد اسلام کے درمیان واضح فرق و امتیاز دکھایا گیا ہے اس لیے کہ اسلام انسانی شعور اور انسانی ضمیر کے اندر ایک واضح طریق زندگی بٹھاتا ہے۔ پھر اس طریق زندگی کو انسانی زندگی کے اندر عملاً قائم کرتا ہے۔ اس طرح اس نظام کو اس کتاب و فرقان نے دنیا کے تمام نظاموں سے علیحدہ اور ممتاز کر کے رکھ دیا ہے۔ گویا قرآن فرقان بایں معنی ہے کہ یہ انسانیت کے لیے ایک عہد جدید ہے۔ تصورات و خیالات کے اعتبار سے بھی اور عملی زندگی کے اعتبار سے بھی یہ عہد جدید' عہد قدیم سے جدا اور ممتاز ہے۔ قرآن کریم اس وسیع مفہوم میں بھی فرقان ہے۔ یہ ایک نکتہ افتراق ہے کہ جہاں سے آگے اب انسانیت نے بلوغ حاصل کر لیا ہے اور اس کا زمانہ طفولیت اب ختم ہے۔ اب وہ دور ختم ہو گیا ہے کہ لوگوں کو مادی معجزات دکھائے جاتے تھے اور حق و باطل کا فرق سمجھایا جاتا تھا۔ اب تو قاضی عقل کے ذریعہ یہ فرق سمجھایا جائے گا۔ پھر اس سے قبل رسالتوں کا دائرہ محدود اور مقامی ہوتا تھا اور اب یہ رسالت عمومی رنگ اختیار کر گئی ہے۔ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا (۲۵: ۱) "تاکہ تمام جہاں والوں کے لیے ڈرانے والا ہو"۔ غرض ان تمام معنوں اور دائروں میں یہ کتاب فرقان ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم اور تعظیم کے مقام پر ان کے لیے عبدہ' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس کا بندہ' عبدہ' کے لفظ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور تکریم اسراء اور معراج کے موقعہ پر بھی کی گئی تھی۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰي بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰي

(۱۷: ۱) "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی"۔ اور سورت جن میں جب آپ کو رب کریم کے سامنے کھڑے ہو کر دعا اور مناجات کی حالت میں دکھایا گیا ہے وہاں بھی آپ کے لیے

Marfat.com

لفظ عبداللہ استعمال ہوا ہے اور جس طرح یہاں آپ کے لیے تنزیل قرآن کے وقت عبدہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح سورت کہف میں بھی استعمال ہوا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجَا "تعریف ہے اس ذات کے لیے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہ چھوڑی"۔ ان مقامات پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بندے کا لفظ استعمال کرنا رفعت شان ہے۔ اور آپ کی بہت بڑی تکریم ہے۔ انسان کے لیے اعلیٰ ترین مقام یہ ہے کہ وہ اللہ کا بندہ بن جائے۔ اس لیے یہاں آپ کے لیے بندے کا لفظ استعمال ہوا۔ اس سے آگے مقام الوہیت ہے جو اللہ وحدہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اللہ کے ساتھ نہ کوئی شریک ہے اور نہ اللہ کے ساتھ مشارکت کا کوئی شبہ ہو سکتا ہے چاہے نزول قرآن کا مقام ہو' چاہے انسان کو آسمانوں پر لے جایا گیا ہو' چاہے ایک بشر اپنے اعلیٰ مقام معرفت و مناجات میں ہو' ایسے مقامات ہی بعض متبعین انبیائے سابقہ کے لیے مغالطے کا سبب بنے ہیں۔ ایسے ہی مقامات سمجھ کر عقیدت مندوں نے بعض انبیاء کو خدا کا بیٹا قرار دینے کے افسانوی عقائد گھڑے یا انہوں نے بندے اور خدا کے درمیان بندگی اور خدائی کے تعلق کے سوا کسی اور قسم کے رابطے کا تصور اپنایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انبیاء کی تکریم اور اعزاز کا مقام آتا ہے تو قرآن کریم میں ان کے لیے بندے کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تصور یہ دلانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ اور بلند مقام ہے جس تک کوئی بشر ترقی کر سکتا ہے۔

یہاں بتایا جاتا ہے کہ اپنے اس برگزیدہ بندے پر قرآن نازل کرنے کا مقصد لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا (۲۵: ۱) "تاکہ وہ سارے جہاں کے لیے خبردار کر دینے والا ہو"۔ یہ آیات مکی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء ہی سے پوری دنیا کے لیے رسول مقرر کر دیا گیا تھا۔ بعض مستشرقین نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ دعوت اسلامی ابتداء میں ایک مقامی دعوت تھی لیکن بعد میں جب اسے عالمی فتوحات حاصل ہو گئیں تو اس نے ایک عالمی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ ان لوگوں کی یہ رائے غلط تھی' یہ دعوت ابتداء ہی سے عالمی تھی۔ اگر قرآن کی تعلیمات پر پوری طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مزاج ہی عالمی ہے۔ اس دعوت کو پھیلانے کے لئے اسلام نے جو طریق کار اور جو وسائل اختیار کیے وہ سب کے سب عالمی تھے۔ اور ان تعلیمات کا مقصد ہی یہ تھا کہ پوری انسانیت کو ایک دور سے نکال کر دوسرے دور میں داخل کیا جائے۔ اس کے اندر سے ایک نظام کو ختم کر کے اسے ایک دوسرا نظام دیا جائے اور یہ کام اس کتاب فرقان کے ذریعے کیا جائے جو اللہ نے تمام جہاں کے لوگوں کو انجام بد سے خبردار کرنے کے لیے نازل کی ہے۔ اور اپنے بندے پر نازل کرے تاکہ وہ تمام لوگوں کے لیے خبردار کرنے والے کا کام کرے۔ یہ دعوت تو عالمی تھی لیکن رسول اللہؐ چونکہ مکہ میں رہنے والے تھے اس لیے ان کا پہلا مقابلہ اہل مکہ ہی سے ہونا تھا۔ اس لیے اس دعوت کا انکار اور مقابلہ اہل مکہ نے کیا تھا۔

غرض وہ ذات بڑی متبرک ہے جس نے اپنے اس عظیم بندے پر یہ کتاب نازل کی جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور جو ایک معیار حق ہے۔

اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ

Marfat.com

فِي الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (۲۵ : ۲) ”وہ جو زمین و آسمان کی بادشاہی کا مالک ہے، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کی تقدیر مقرر کی“۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اسم ذات کے استعمال کے بجائے اسم موصولہ کا استعمال ہوا یعنی الذی مقصد یہ ہے کہ جن صفات کا ذکر کیا جا رہا ہے ان کے ساتھ اللہ کا دائمی اور مسلسل تعلق ہے۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۲۵ : ۲) ”وہ جو زمین و آسمان کا مالک ہے“۔ زمین و آسمان پر اس کا مکمل کنٹرول ہے۔ یہ اس کے قبضہ میں ہیں۔ وہ ان کے اندر پوری طرح متصرف ہے اور زمین و آسمان کے اندر تمام تغیرات اس کی مرضی اور حکم سے رونما ہوتے ہیں۔

وَ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا (۲۵ : ۲) ”اس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا“۔ تناسل تو وہ قدرتی قانون ہے جسے اللہ نے اپنی مخلوق کے اندر جاری کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ ”زندگی“ کا تسلسل قائم رہے۔ جہاں تک ذات باری کا تعلق ہے تو وہ جب ہمیشہ باقی ہے اور لازوال ہے تو وہ سلسلہ تناسل کی محتاج ہی نہیں ہے۔

وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ (۲۵ : ۲) ”جس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے“۔ زمین و آسمان کے اندر جس قدر مخلوق ہے اگر اس کا مشاہدہ اور تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کا نقشہ کسی ایک ہی خالق نے تخلیق کیا ہے۔ ہر چیز کے اندر ایک ہی ناموس قدرت ہے اور تمام مخلوق کے اندر تصرف اور تغیر بھی ایک ہی ذات کا نظر آتا ہے۔

وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (۲۵ : ۲) ”جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔ اس کا ایک حجم اور اس کی ایک شکل مقرر کی۔ اس کے لیے ایک کام اور فرض منصبی متعین کیا۔ اس کا زمان و مکان متعین کیا۔ اور اس کو اس کائنات کے عظیم وجود کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔

اس کائنات کے وجود اور انداز کے انداز تخلیق و ترکیب پر جن علماء نے غور کیا ہے اور جو انسان بھی اس پر کبھی غور کرے گا وہ حیران رہ جائے گا۔ جوں جوں تخلیق کائنات کے راز ہائے نہفتہ واشگفتہ ہوں گے اس کو یقین ہوتا جائے گا کہ یہ کائنات از خود بطور اتفاق وجود میں نہیں آگئی ہے۔ اس کی ترکیب اس قدر دقیق اور باریک ہے کہ انسان اس کے مظاہر اور اثرات ہی کو معلوم کرنے سے عاجز ہے جبکہ ہم نے ابھی تک اس کائنات کا ایک حقیر پہلو ہی مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن جوں جوں ہماری دریافت آگے بڑھتی ہے۔ ہمیں اس کائنات کے اندر نہایت ہی حکیمانہ ضوابط کار فرما نظر آتے ہیں۔ یہ ضوابط اس کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ ہمارا علم جس قدر آگے بڑھتا ہے ہمیں یہ آیت اچھی طرح سمجھ آجاتی ہے۔

وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (۲۵ : ۲) ”اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک مکمل تقدیر مقرر کی“۔ مسٹر اے کریسی مورسن، صدر سائنس اکیڈمی نیویارک، اپنی کتاب ”انسان اکیلا نہیں کھڑا ہے“ میں لکھتے ہیں:

”اس حقیقت کو دیکھ کر انسان حیرت سے دہشت زدہ ہو جاتا جب وہ اس کائنات کی موجودہ شکل میں منظم کیے جانے پر غور کرتا ہے۔ یہ نہایت ہی حکیمانہ تنظیم ہے۔ اگر زمین کا چھلکا اپنی موجودہ مقدار کے مقابلے میں چند قدم اور زیادہ دبیز

Marfat.com
Marfat.com

ہوتا تو اور نباتات کا وجود ہی ختم ہو جاتا"۔

"اگر ہوا اپنے موجودہ مقام سے ذرا زیادہ اونچی ہوتی تو آج جو لاکھوں شہاب ثاقب بالائی فضا میں جل جاتے ہیں' ان کی زد اس کرۂ ارضی پر پڑتی کیونکہ ان شہابوں کی رفتار ۴۶ میل فی سیکنڈ ہوتی ہے۔ اس طرح یہ جہاں گرتے' وہاں پر اس چیز کو جلا دیتے جو جلنے کے قابل ہوتی اور اگر ان کی رفتار کم ہو کر بندوق کی گولی کی مقدار پر آجائے تو یہ سب زمین پر آکر چپک جاتے اور اس کے خوفناک نتائج نکلتے۔ رہا انسان تو اس کے پاس سے اگر ایک چھوٹا سا شہاب ثاقب گزر جائے جس کی رفتار بندوق کی گولی سے نو گنا زیادہ ہوتی ہے تو صرف اس کے گزرنے کی رفتار کی گرمی سے وہ چھوٹے چھوٹے ذروں میں بدل جائے"۔

"اللہ نے اس ہوا کو ایک خاص مقدار کے مطابق کثیف بنایا ہے اور اس کی اس کثافت سے وہ شعاعیں گزر سکتی ہیں جو فصلوں پر وہی اثرات ڈالتی ہیں' جو جراثیم کو قتل کرتی ہیں اور وٹامن پیدا کرتی ہیں' لیکن یہ شعاعیں انسان کو نقصان نہیں پہنچاتیں الا یہ کہ انسان ان کے اندر ضرورت سے زیادہ رہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ زمین سے ہر وقت زہریلی گیس نکلتی رہتی ہیں لیکن ہوا ان گیسوں سے متاثر ہو کر اس مسلسل آلودگی کی وجہ سے بھی اس کی وہ نسبت نہیں بدلتی جو صحت انسانی کے لیے ضروری ہے۔ اور اس توازن کو یہ وسیع سمندر قائم رکھتے ہیں جن کی وجہ سے ہر قسم کی زندگی' غذا' بارش' معتدل جائے رہائش اور نباتات کو زندگی حاصل ہوتی ہے اور خود انسان کی زندگی قائم ہے"۔

"اس ہوا میں اس وقت آکسیجن ۲۱ فیصد ہے' اگر یہ بڑھ کر ۵۰ فیصد ہو جائے تو وہ تمام مواد جو اس وقت جلنے کے قابل ہے' سب کا سب آگ پکڑ لے۔ ایک چنگاری جنگلات کو آگ لگا دے اور تمام جنگلات ایک دھماکے سے اڑ جائیں اور اگر ہوا کے اندر آکسیجن کی مقدار ۱۰ فیصد ہو جائے یا اور کم ہو جائے تو انسانی زندگی شاید صدیوں بعد اپنے آپ کو اس نسبت کے ساتھ ساتھ ہم آہنگ تو کر ہی دے لیکن انسانی تمدن موجودہ بے شمار چیزوں سے محروم ہو جائے' مثلاً آگ اور دیگر انرجیز سے"۔

"ان مخلوقات کی ضابطہ بندی اور ان کے اندر قدرتی توازن بھی نہایت ہی عجیب ہے کہ کوئی حیوان' خواہ وہ جس قدر عظیم الجثہ اور ہوشیار کیوں نہ ہو' اس کے لیے اس جہاں پر غلبہ حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

ہاں انسان نے یہ کام کیا کہ اس نے نباتات اور حیوانات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر کے قدرت کے پیدا کردہ اس توازن کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ اور انسان کو اس کی اس حرکت کی سخت سزا بھی ملی اس طرح کہ اس توازن کو خراب کرنے کی وجہ سے حیوانات' حشرات اور نباتات کو مختلف بیماریوں کو سامنا کرنا پڑا"۔

"وجود انسان کے حوالے سے اس توازن کی جو اہمیت ہے اس کی حقیقت درج ذیل واقعہ سے اچھی طرح معلوم ہو سکتی ہے۔ کئی سال ہوئے آسٹریلیا میں ایک قسم کے خاردار خربوزے کی کاشت کی گئی۔ یہ کاشت بطور حفاظتی باڑ کی گئی لیکن یہ فصل اس قدر پھیل گئی کہ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں اس قدر رقبے کو گھیر لیا جو انگلینڈ کے برابر تھا۔ اس نے شہروں کے شہر اجاڑ دیئے اور لوگوں کی فصل تباہ ہو گئی' یہاں تک کہ لوگوں کے لیے فصل بونا مشکل ہو گئی۔ لوگوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس کے پھیلاؤ پر کنٹرول کیا جائے مگر ممکن ہی نہ ہوا۔ پورے آسٹریلیا کے لیے یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اس پر خاردار خربوزے کی یہ فصل قابض ہو جائے' کوئی چیز اس کے لیے رکاوٹ نہ تھی"۔

Marfat.com
Marfat.com

"علماء حشرات الارض پوری دنیا میں پھیل گئے' تحقیقات شروع کر دی یہاں تک کہ انہوں نے ایک کیڑا دریافت کر لیا جس کی خوراک صرف یہ خربوزہ تھا۔ یہ کیڑا بھی اسی تیزی سے پھیل رہا تھا جس تیزی سے یہ خاردار خربوزہ پھیلتا تھا۔ آسٹریلیا میں اس کیڑے کے سامنے بھی کوئی طبعی رکاوٹ نہ تھی' یہ کیڑا اس قدر پھیلا کہ اس نے خاردار خربوزے کو ختم کر کے رکھ دیا۔ جونہی یہ خربوزہ ختم ہوا اس کیڑے نے بھی ختم ہونا شروع کر دیا۔ اس کی نہایت ہی قلیل مقدار باقی رہ گئی۔ یہ گویا قدرت نے اس خربوزے کے پھیلاؤ کے خلاف باقی رکھی۔ یوں قدرت نے ضابطے اور توازن کو قائم رکھنے کا یہ انتظام کیا"۔

"سوال یہ ہے کہ ملیریا کے مچھر نے کیوں نہ اس پوری دنیا پر غلبہ پایا کہ ہمارے آباء و اجداد اس سے مرجاتے۔ یا اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر وہ حاصل کر لیتے۔ اسی طرح زرد بخار کے مچھر کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے' ایک موسم میں تو اس نے اس قدر پیش قدمی کی کہ نیویارک تک پہنچ گیا۔ بحر منجمد میں بھی کئی قسم کے مچھر پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ..... کا زیادہ پھیلاؤ کن اسباب کی وجہ سے نہ ہوا۔ اور یہ اپنے گرم منطقوں تک ہی محدود رہی اور اس طرح اس کی افواج کی زد سے انسان بچ سکا ورنہ کرۂ ارض پر سے انسان کا وجود ہی ختم ہو جاتا۔ انسان طاعون' دوسری مہلک وباؤں' مہلک جراثیم کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ خود انسان کے پاس ان چیزوں سے بچنے کی دوائیں تو کل تک نہ تھیں پھر کیسے بچا۔ پھر کل تک تو انسان حفظان صحت کے بنیادی اصولوں سے بھی نابلد تھا۔ کیا ایسے حالات میں نوع انسان کا باقی رہنا ایک معجزہ نہیں ہے"۔

"پھر دیکھئے کہ حشرات الارض کے اس طرح کے بھیمڑے نہیں ہیں جس طرح کہ انسان کے ہیں۔ یہ حشرات بعض نالیوں کے ذریعے سانس لیتے ہیں جو ان کے جسم میں ہیں۔ جب یہ حشرات ایک حد تک بڑے ہو جاتے ہیں تو ان نالیوں سے اس قدر آکسیجن داخل نہیں ہو سکتی جو ان کے جسم کے لیے کافی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی کیڑا چند انچ سے زیادہ بڑا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ان حشرات کے پر بھی زیادہ طویل نہیں ہوتے۔ ان کیڑے مکوڑوں کی تخلیق اور تشکیل کے نظام کی رو ہی سے وہ ایک مقدار سے زیادہ بڑے نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ قدرت کے نظام نے ان کے پھیلاؤ کو روک دیا ہے۔ اس طرح اس دنیا کو ان کی زد سے بچا لیا گیا۔ اگر حشرات الارض کے لیے تحدید کا یہ اصول نہ رکھا گیا ہوتا تو اس کرۂ ارض پر انسان کا زندہ رہنا ہی ممکن نہ تھا۔ ذرا فطری انسان کے بارے میں سوچیں کہ اس کے مقابلے میں شیر کے جسم کے برابر سرخ مکھی یا اس کے مقابلے میں شیر کے جسم کے برابر مکڑی آجائے تو کیا انسان ایسی چیزوں کا مقابلہ کر سکتا ہے؟"

"حیوانات کی جسمانی طبیعی ساخت میں بعض دوسرے معجزات بھی ہیں کہ اگر حیوانات کے لیے یہ قدرتی انتظامات نہ ہوتے تو کوئی حیوان بلکہ کوئی پودا اس جہاں میں موجود ہی نہ ہوتا"۔

آئے دن انسانوں پر ایسے انکشافات ہو رہے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مخلوق کے اندر نہایت دقیق اور لطیف توازن رکھا ہوا ہے اور کائنات کی تمام مخلوقات کے لیے ایک متعین مقدار اور وزن مقرر ہے۔ جوں جوں انسانی علم آگے بڑھتا ہے انسان اس آیت کے مفہوم کو سمجھنے لگتا ہے۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (۲۵ : ۲) "اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی"۔ لیکن یہ بے حد افسوسناک بات ہے کہ مشرکین اس حقیقت کو پا نہیں رہے۔

Marfat.com

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (۲۵: ۳) "لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں جو خود اپنے لیے کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے' جو نہ مارتے ہیں اور نہ جلا سکتے ہیں اور نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں"۔

یوں اللہ تعالیٰ ان کے خود ساختہ خداؤں کو' خدائی کے تمام خصائص سے عاری کر دیتا ہے۔

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا (۲۵: ۳) "وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے"۔ جبکہ رب تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے۔

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ (۲۵: ۳) "وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں"۔ یعنی ان کو خود اللہ نے پیدا کیا ہے' اور ان کو وجود بخشا ہے۔ سب کا خالق اللہ ہے' چاہے وہ ملائکہ ہوں' جن ہوں' بشر ہوں' درخت ہوں یا پتھر ہوں۔

وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (۲۵: ۳) "وہ خود اپنے لیے بھی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے"۔ ان کی بندگی کرنے والوں کا نفع و نقصان تو دور کی بات ہے۔ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ کوئی اپنے لیے نفع کا اختیار نہیں رکھتا مگر نقصان تو دے سکتا ہے مگر یہ الٰہ ایسے ہیں کہ اپنے لیے کسی نقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتے۔ اس لیے اس کو نفع سے بھی پہلے لایا گیا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو نقصان پہنچانا تو بہت ہی آسان کام ہے لیکن یہ لوگ وہ بھی نہیں پہنچا سکتے۔ اس کے بعد ان خصائص کا ذکر کیا جاتا ہے جو صرف اللہ کی خصوصیات میں سے ہیں۔

لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (۲۵: ۳) "جو نہ مار سکتے ہیں' نہ جلا سکتے ہیں اور نہ مارے ہوؤں کو پھر اٹھا سکتے ہیں"۔ نہ وہ زندہ کو مار سکتے ہیں' نہ زندگی کو پیدا کر سکتے ہیں' اور نہ مردے کو دوبارہ زندگی دے سکتے ہیں۔ اگر وہ یہ کام نہیں کر سکتے تو پھر وہ کس چیز کے خدا ہیں۔ اور وہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے مشرکین نے ان کو خدا بنا رکھا ہے۔

یہ کھلی گمراہی ہے اور اس کے بعد ان سے وہ باتیں بعید نہیں جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ اللہ کے بارے میں یہ باتیں کرتے ہیں تو رسول اللہؐ کے بارے میں وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ ان سے مستبعد نہیں ہے۔ کسی انسان کی کیا اس سے بھی کوئی بات قبیح ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ پر الزام لگائے' حالانکہ اللہ مالک خالق اور مدبر اور مقدر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا گناہ سب سے گھناؤنا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تمہاری تخلیق کی ہے"۔ ان تجعل لله ندا وهو خلقك (متفق علیہ)۔

---()()()---

مقام الوہیت پر ان کی گستاخی کے ذکر کے بعد اب مقام رسالت پر ان کی دست درازی کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس پر

Marfat.com
Marfat.com

ایسی تنقید کی جاتی ہے۔ جس سے ان کے اس اعتراض کا چھوٹا اور پوچ ہونا اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۝ وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

"جن لوگوں نے نبیؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے"۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں "یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں"۔ اے نبیؐ ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے' اس نے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے"۔

یہ تھا وہ جھوٹ جو اہل قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر باندھتے تھے۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ بہت ہی بڑا افتراء ہے۔ کیونکہ قریش کے کبراء عوام کو جن باتوں کی تعلیم دیتے تھے' ان سے یہ بات کس طرح مخفی رہ سکتی تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس قرآن کی تلاوت فرما رہے ہیں وہ بشری اسالیب کلام سے بالکل ایک مختلف کلام ہے۔ وہ اس بات کو اپنے دل میں اچھی طرح محسوس کرتے تھے کیونکہ وہ انسانی اسالیب کلام سے اچھی طرح واقف تھے۔ جب وہ قرآن سنتے تھے تو وہ خود بھی اس سے بے حد متاثر ہو جاتے تھے۔ پھر بعثت سے قبل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کو پورا پورا یقین تھا کہ حضرت محمدؐ صادق اور امین ہیں۔ وہ نہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ نہ خیانت کرنے والے تھے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھیں۔ ایک بات اللہ نے نہیں کہی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

وہ ایک تو عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ الزام لگاتے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کو دوسرے عرب کے مقابلے میں مکہ میں ایک قسم کی دینی سیادت حاصل تھی اور اس کی وجہ سے عربوں میں ان کا ممتاز مقام تھا' اس وجہ سے وہ عام عربوں میں یہ الزام پھیلاتے تھے کیونکہ عام عرب اسالیب کلام سے واقف نہ تھے۔ اور نہ وہ قرآن اور عام کلام میں فرق کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ کہتے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (۲۵ : ۴) "یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے اور اس پر اسے خود گھڑ لیا ہے اور اس پر کچھ دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے"۔ روایات میں تین یا زیادہ عجمی غلاموں کے نام لیے گئے ہیں کہ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (۲۵ : ۴) میں یہ لوگ اس طرف اشارہ کرتے تھے۔ یہ بات کس قدر بے تکی تھی۔ یہ اس قابل ہی نہ تھی کہ اس پر کوئی بحث کی جائے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس قسم کا کلام چند عجمی

Marfat.com

غلاموں کی لداوت بتایا جا سکتا تھا تو آخر انہوں نے اس کے جواب میں کیوں ایسا کلام نہ بتایا۔ اس طرح تو وہ بڑی آسانی کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کو باطل کر سکتے تھے جبکہ قرآن کریم نے ان کو بار بار چیلنج بھی کیا اور وہ بار بار ایسا کلام لانے میں ناکام بھی رہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے یہاں ان کی اس بات کا کوئی جواب ہی نہیں دیا بلکہ اس کی واضح تردید کر دی۔

فَقَدْ جَآءُ وْا ظُلْمًا وَّ زُوْرًا (۲۵: ٤) "برا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں"۔ یہ سچائی پر ظلم کرتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کرتے ہیں' اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں' ان کا جھوٹ واضح ہے اور بادی النظر میں باطل ہے۔ جس کی تردید کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

مزید الزامات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن مجید کے متعلق

وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (۲۵: ۵) "کہتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں"۔ قرآن کریم نے اقوام سابقہ کے قصص نقل کیے ہیں۔ یہ عبرت' نصیحت' تربیت اور ہدایت کی خاطر۔ ان سچے قصوں کے بارے میں وہ کہتے ہیں۔

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (۲۵: ۵) کہ یہ پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ یہ اس کے لیے نوٹ کر لی جائیں تاکہ اس پر صبح و شام پڑھی جائیں کیونکہ حضورؐ خود تو امی تھے' لکھ پڑھ نہ سکتے تھے اور خود حضور اکرمؐ ان کہانیوں کو پھر خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ان کے اس دعویٰ کے اندر ہی شکست پوشیدہ ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہی بے بنیاد ہے۔ اس قدر پوچ کہ اس پر بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ قرآن کریم نے قصص کو جس انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ جس مقصد کے لیے لائے جاتے ہیں۔ ان سے جو استدلال کیا جاتا ہے اور جس طرح نفاست کے ساتھ وہ اپنے مقصد کو پورا کرتے ہیں اور ان سے جس گہرائی کے ساتھ مقاصد عالیہ ثابت ہوتے ہیں' ان میں اور پرانے قصے کہانیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ پرانے قصوں میں کوئی فکر اور کوئی نظریہ نہیں ہوتا' نہ ان قصوں کے پیش نظر کچھ مقاصد ہوتے ہیں۔ یہ قصے محض تفریح کی لیے اور فارغ اوقات میں اپنے آپ کو مصروف کرنے کے لیے' لکھے اور پڑھے جاتے ہیں فقط۔ (تفصیلات کے لیے دیکھئے "التصویر الفنی فی القرآن" کا فصل "القصہ"۔

انہوں نے قرآن کریم کو اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (۲۵: ۵) کہا ہے' اشارہ اس طرف ہے کہ یہ قصے بہت ہی پرانے زمانے کے ہیں۔ لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لازماً وہ لوگ پڑھتے ہوں گے۔ ان کا علم حاصل کرنے چلے آتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کے اس الزام کا رد یوں کرتا ہے کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا نزول اس ذات کی طرف سے ہو رہا ہے جو ہر علم والے سے زیادہ علیم ہے۔ وہ تمام اسرار و رموز کا جاننے والا ہے یعنی اللہ اور اللہ پر اولین اور آخرین کا کوئی علم پوشیدہ نہیں ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۲۵:۶) "کہو نبیؐ ان سے کہ اسے نازل کیا ہے' اس نے جو زمین و آسمان کا بھید جانتا ہے"۔ قصص گویان دنیا کہاں اور وہ علیم و خبیر کہاں۔ انسان کا محدود علم اور ارض و سما کے وسیع علم رکھنے والے اللہ کے علم کامل و شامل کا مقابلہ ہی کیا ہے۔ ایک حقیر قطرہ اور ایک بحر ناپید کنار کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بڑی غلطی کر رہے ہیں جو رسول اللہؐ پر یہ بوگس اور پوچ الزام عائد کرتے ہیں جبکہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کے قائل ہیں حالانکہ اللہ نے ان کی تخلیق کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اس عظیم گناہ سے وہ باز آ سکتے ہیں۔ اللہ جو زمین و آسمانوں کے بھیدوں کا واقف ہے۔ وہ ان کی افترا پردازیوں اور ان کی سازشوں سے خوب خبردار ہے لیکن اس کے باوجود وہ غفور و رحیم ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۲۵:۶)

اسی موضوع پر بات مزید آگے بڑھتی ہے۔ رسول اللہؐ کے بارے میں ان کے مزید اعتراضات کہ آپ بشر کیوں ہیں اور دوسرے لغو مطالبات کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ﴿۷﴾ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ يَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

ع ۹ ۱ ۱۶

"کہتے ہیں "یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو) دھمکاتا؟ یا اور کچھ نہیں تو اس کے لیے کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا' یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ (اطمینان کی) روزی حاصل کرتا' اور یہ ظالم کہتے ہیں "تم لوگ تو ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو"۔ دیکھو کیسی کیسی حجتیں یہ لوگ تمہارے آگے پیش کر رہے ہیں' ایسے بہکے ہیں کہ کوئی ٹھکانے کی بات ان کو نہیں سوجھتی۔ بڑا بابرکت ہے وہ جو اگر چاہے تو ان کی تجویز کردہ چیزوں سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر تم کو دے سکتا ہے' (ایک نہیں) بہت سے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں' اور بڑے بڑے محل"۔

یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا' چلتا پھرتا انسان ہے اور تمام تصرفات و حرکات انسانوں جیسے کرتا ہے۔ یہ وہی گھسا پٹا

Marfat.com

اعتراض ہے جو لوگ ہمیشہ رسولوں پر کرتے چلے آئے ہیں کہ فلاں شخص نے رسول ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ دیکھو بھائی فلاں کا بیٹا بھی اب رسول بن گیا۔ یہ تو ہم جیسا انسان ہے جس طرح ہم کھاتے پیتے ہیں اور چلتے پھرتے ہیں۔ یہ بھی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ رسول اللہ ہو اور اللہ کی طرف سے اس پر وحی آ رہی ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کا اتصال اور رابطہ عالم بالا سے ہو جائے۔ اور یہ عالم بالا سے ہدایات لے رہا ہو۔ جبکہ وہ ہمارے جیسا گوشت و پوست کا بنا ہوا انسان ہے۔ آخر ہماری طرف وحی کیوں نہیں آتی۔ اور وہ جس علم کا دعویٰ کرتا ہے وہ ہمارے پاس کیوں نہیں آتا۔ جبکہ ہمارے اور اس رسول کے درمیان کوئی بات ایسی نہیں ہے جو امتیازی ہو۔

اس لحاظ سے یہ بات واقعی انوکھی معلوم ہوتی ہے اور مستبعد نظر آتی۔ لیکن دوسرے لحاظ سے طبعی اور معقول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اپنی روح پھونکی ہے اور اسی روح کی وجہ سے انسان' انسان بنا ہے اور اسی وجہ سے اللہ نے اسے خلافت ارضی سپرد کی ہے حالانکہ انسان ایک محدود علم رکھتا ہے۔ اس کا تجربہ محدود ہے اور اس کے پاس بہت کم وسائل ہیں اس لیے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو یہ عظیم فریضہ ادا کرنے کے لیے بے آسرا اور بغیر معاونت کے چھوڑ دے اور بغیر ہدایت اور راہنمائی کے یوں ہی چھوڑ دے۔ جبکہ اس کے اندر اللہ نے یہ صلاحیت بھی رکھی کہ وہ عالم بالا سے تعلق بھی قائم کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے کسی ایک انسان کو اس مقصد کے لیے چن لے کہ وہ عالم بالا کی ہدایات اخذ کرے اور لوگوں تک پہنچائے۔ اور اس شخص کو اللہ اس مقصد کے لیے خصوصی استعداد بھی دے تاکہ جب بھی ان پر کوئی مسئلہ مشتبہ ہو تو یہ شخص اللہ کی ہدایت کی روشنی میں اسے حل کر دے اور جب بھی راہ ہدایت کے اختیار کرنے میں ان کو ضرورت ہو وہ ان کی معاونت کرے۔

یہ تو انسان کے لیے' اس پہلو سے' اور اس شکل میں ایک بہت بڑا اعزاز ہے لیکن بعض لوگ ایسے ہیں جو اس اعزاز کو سمجھتے نہیں ہیں۔ نہ وہ انسان کے اس اعزاز اور تکریم کی قدر کرتے ہیں۔ اس لیے جن لوگوں کے ذہن میں یہ بات نہیں بیٹھتی۔ وہ اس اعزاز کا انکار کرتے ہیں کہ انسانوں میں سے کوئی شخص کس طرح رسول ہو سکتا ہے۔ انسانوں کے مقابلے میں اس مقصد کے لیے فرشتہ زیادہ موزوں تھا۔

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا (۲۵:۷) "کیوں نہ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ ساتھ چلتا اور نہ ماننے والوں کو دھمکاتا"۔ جبکہ اللہ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ انسان کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ نے انسان کو اس کی بعض خصوصیات کی وجہ سے مکرم بنایا تھا اور یہ خصائص خود انسان کے اندر عالم بالا کی طرف سے پھونکی ہوئی روحانیت کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے۔

پھر ایک انسان کو انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجنے کی ایک اور حکمت بھی ہے۔ ایک انسان انسانوں جیسے احساسات رکھتا ہے وہ انسان جیسا ذوق رکھتا ہے۔ پھر اس کے تجربات بھی ایسے ہوتے ہیں جو دوسرے انسانوں جیسے ہوتے ہیں۔ وہ ان کے دکھ درد اور ان کی خواہشات کو انسان ہونے کے ناطے سمجھ سکتا ہے۔ وہ ان کے جذبات اور میلانات کو بھی سمجھ سکتا ہے۔ وہ انسانوں کی ضروریات اور ان کی ذمہ داریوں سے بھی واقف ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ان کی کمزوریوں اور نقائص کا خیال کرتا ہے' وہ ان کی قوت اور ان کی استعداد سے پر امید بھی ہوتا ہے۔ اور ان کو لے کر قدم بقدم آگے چلتا ہے' وہ ان

Marfat.com

کے تاثرات اور ان کے ردعمل سے اچھی طرح باخبر ہوتا ہے۔کیونکہ وہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ اور انہی کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے مبعوث ہوا ہے اور اللہ کی ہدایت اور امداد سے ان کی راہنمائی کر رہا ہے۔

پھر ان لوگوں کے لیے بھی ممکن ہے کہ وہ حضرت رسول اکرمؐ کی پیروی کریں کیونکہ وہ انہی جیسا انسان ہے۔ وہ ان انسانوں کو لے کر آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے۔ وہ ان کے اندر رہ کر ایک اخلاقی نمونہ پیش کرتا ہے۔ اور ان کو عملاً ان اخلاق و فرائض کی تعلیم دیتا ہے جو اللہ نے ان پر فرض کیے ہیں اور جن کا اللہ ان سے مطالبہ فرماتا ہے۔ گویا وہ اس نظریہ اور عمل کا ایک نمونہ ہوتا ہے جسے وہ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس کی زندگی' اس کے اعمال اور اس کی تمام حرکات ایک کھلی کتاب ہوتی ہے' جسے وہ ان کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ اس کتاب کی ایک ایک سطر کو نقل کرتے ہیں اور اس کتاب کے ایک ایک لفظ کو حقیقت کا روپ عطا کرتے ہیں اور وہ دیکھتے ہیں کہ ان کا رسول ہر بات کو عملاً پیش کرتا ہے تو وہ بھی اس کی تقلید کرتے ہیں کیونکہ یہ نظریہ اور ہدایت ایک شخص کی زندگی میں عملاً نظر آتی ہے۔ اگر رسول کوئی فرشتہ ہوتا تو لوگ نہ اس کے عمل دیکھ سکتے اور نہ اس کی تقلید کے بارے میں سوچ سکتے۔ کیونکہ ان کے اندر آغاز ہی سے یہ بات آجاتی کہ وہ تو ایک فرشتہ ہے۔ اس کا مزاج ہی ایسا ہے اور ہم ضعیف انسان ہیں۔ ہم اس جیسا طرز عمل کب اختیار کر سکتے ہیں۔ یا ہم اس کی تقلید کس طرح کر سکتے ہیں یا اس جیسا نمونہ وہ کس طرح پیش کر سکتے ہیں۔

یہ تھی اللہ کی حکمت جس نے ہر چیز کی تخلیق کی اور اسے پوری پوری طرح برابر کیا۔ یہ اس کی حکمت تھی کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ وہ ان کی قیادت کر سکے اور رسول کے بشر ہونے پر اعتراض دراصل اس حکمت سے جہالت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ پھر اس میں اللہ کی طرف سے انسان کی عزت افزائی بھی ہے اور جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں وہ انسان کی تکریم کی نفی کرتے ہیں۔

ان کا دوسرا اعتراض اس سے بھی زیادہ سادگی اور جہالت پر مبنی تھا کہ یہ رسول بازاروں میں پھرتا ہے اور اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کرتا ہے اور محنت کرتا ہے تو کیوں اللہ نے اسے اس قدر دولت نہ دی کہ وہ اپنی ضروریات کی طرف سے بے غم ہو جائے۔ اور بغیر محنت کے اسے ضروریات ملتی رہیں۔

اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا (۲۵:۸) "یا اس کے لیے کوئی خزانہ ہوتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ روزی حاصل کرتا"۔ اللہ نے یہ نہ چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی خزانہ ہوتا یا آپؐ کسی بڑے باغ کے مالک ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے لیے ایک نمونہ بنا رہا تھا تاکہ آپؐ رسالت کے منصب کے فرائض کو اٹھائیں اور ان فرائض کے ساتھ ساتھ آپؐ اپنی امت کے دوسرے انسانوں کی طرح بطور انسان اپنی ذمہ داریاں خود اٹھائیں۔ اپنے رزق کے لیے خود سعی کریں تاکہ امت میں سے کوئی شخص یہ اعتراض نہ کر سکے کہ یہ شخص کوئی کاروبار کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قناعت اختیار کرنے والے تھے۔ اس لیے آپ کو ضروریات زندگی کے لیے بہت زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ تبلیغ رسالت کے فرائض کی ادائیگی کے لیے فارغ ہو گئے تھے۔ لہٰذا اس سلسلے میں آپؐ کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں آئی۔ چنانچہ آپ اپنی ضروریات کے لیے بھی بقدر ضرورت جدوجہد فرماتے تھے۔ اور رسالت کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے

Marfat.com
Marfat.com

تاکہ آپ کو نمونہ بناکر آپ کی امت کا ہر فرد تبلیغ رسالت کے فرائض کا کچھ حصہ اپنے ذمہ لے اور اپنی ضروریات کے لیے بھی جدوجہد کرے۔ بعد کے ادوار میں دولت کا ایک سیلاب آپ کے قدموں میں جاری ہو گیا۔ اور اللہ نے رسول کی زندگی کو اس پہلو سے بھی آزمایا تاکہ لوگوں کے لیے یہ پہلو بھی نمونہ ہو۔ چنانچہ آپ نے کبھی دولت کے اس سیلاب کی طرف توجہ نہیں دی۔ آپ ہوا کے طوفان کی طرح غنی تھے۔ چنانچہ آپ نے دولت مندی کے فتنے پر بھی قابو پایا۔ یوں لوگوں کے دلوں سے دولت مندی کی ہوس کو بھی نکال دیا۔ تاکہ لوگ یہ اعتراض نہ کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغام لے کر نکلے 'ایک غریب آدمی تھے 'آپ کی کوئی مالی سرگرمی نہ تھی 'نہ مالی حیثیت تھی اور اب آپ لاکھوں اربوں میں کھیل رہے ہیں۔ ہر طرف سے آپ پر مال و دولت کی بارش ہے لیکن حضور نے دولت کے اس سیلاب کو بھی اپنے آپ سے دور رکھا اور دعوت اسلامی کے کام میں اسی طرح مشغول ہو گئے جس طرح کہ وہ زمانہ فقر میں مشغول تھے۔

مال کیا چیز ہے 'خزانوں کی حقیقت کیا ہے؟ باغات کی کیا حیثیت ہے۔ جب ایک ضعیف اور فانی انسان خدا تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کے لئے اس پورے کرۂ ارض اور مافیہا کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے نزدیک اس پوری کائنات میں بسنے والی اس پوری مخلوقات کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ لیکن اس کی یہ حالت تب ہوتی ہے کہ جب اس نے خالق کائنات تک رسائی حاصل کر لی جو قلیل و کثیر کا بخشنے والا ہے لیکن اس وقت لوگ اس حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر تھے۔

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (۲۵:۸) "اور یہ ظالم کہتے ہیں تم تو ایک سحرزدہ آدمی کے پیچھے لگ گئے"۔ یہ وہ ظالمانہ بات ہے جو اللہ نے ان لوگوں کی زبان سے نقل کیا ہے۔ سورت اسرا میں بھی ان لوگوں کا یہ الزام لفظاً اللہ نے نقل فرمایا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (۲۵:۹) "دیکھئے 'یہ لوگ آپ کے بارے میں کیسی باتیں کرتے ہیں 'یہ گمراہ ہو چکے ہیں 'اب ان کی استطاعت ہی میں یہ بات نہیں رہی کہ یہ راہ راست پالیں"۔ اس سورت اور سورہ اسرا کا مضمون و موضوع ایک ہی جیسا ہے اور یہ دونوں سورتوں کی بات ایک ہی ماحول میں ہو رہی ہے۔ دونوں جگہ ان لوگون نے یہ اعتراض کیا ہے 'انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ کیا ہے اور ذاتی نقص نکالا ہے یعنی وہ لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ اس شخص کی عقل ماری گئی ہے 'کیونکہ یہ عجیب و غریب باتیں کرتا ہے 'ایک عام نارمل شخص ایسی باتیں نہیں کیا کرتا۔ لیکن اس اعتراض سے ان کے لاشعور سے یہ بات خود بخود باہر رہ گئی کہ رسول اللہ جو باتیں فرماتے ہیں وہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ عام طور پر بڑے سے بڑا عقلمند شخص بھی ایسی باتیں نہیں کرتا۔ یہ باتیں انسانی طاقت سے بالا باتیں ہیں۔ اس لیے ان پر رد کرتے وقت بھی اللہ نے ان کے اس رویے پر صرف تعجب کا اظہار کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ (۲۵:۹) "دیکھو 'یہ تمہارے بارے میں کیا حجتیں کرتے ہیں"۔ آپ کو سحرزدہ لوگوں کے ساتھ مشابہ قرار دیتے ہیں 'کبھی کہتے ہیں کہ آپ اپنی طرف سے باتیں بناتے ہیں 'کبھی کہتے ہیں کہ پرانے زمانے کی باتیں ہیں جو آپ لکھواتے ہیں۔ یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں۔ اور سچائی سے دور کی باتیں ہیں۔ یہ

Marfat.com
Marfat.com

سچائی کے تمام راستوں سے بے راہ ہو گئے ہیں۔ اور اب ان کے اندر ہدایت کی راہ پانے کی استطاعت ہی نہیں رہی۔

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (۲۵: ۹) اب یہ بحث یوں ختم کی جاتی ہے کہ یہ لوگ جو تجاویز دیتے ہیں وہ احمقانہ ہیں۔ ان کے تصورات دنیا پرستی کے محدود دائرے میں محدود ہیں۔ یہ کنوئیں کے مینڈک کی طرح اپنی دنیا ہی میں مگن ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ رسالتؐ کے مقابلے میں چند ٹکوں کی قیمت زیادہ ہے لہٰذا رسولؐ کے پاس ٹکے ہونے چاہئیں۔ اس پر ہدایت الٰہی کے بجائے خزانہ عامرہ نازل ہونا چاہئے تھا' یا اس کے مقابلے میں ایک باغ اس کے پاس ہونا چاہئے تھا جس میں وہ صبح و شام کھاتا۔ یہ تھی ان کی سوچ' لیکن اگر اللہ چاہتا اور اس کی اسکیم یہ ہوتی تو وہ اپنے رسولؐ کو اس سے بھی زیادہ دیتا جس کا یہ کہتے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ يَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا (۲۵: ۱۰) "بڑا بابرکت ہے وہ جو اگر چاہے تو ان کی تجویز کردہ چیزوں سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر تم کو دے سکتا ہے۔ بہت سے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور بڑے بڑے محل"۔ لیکن اللہ کی مشیت یہ تھی کہ آپ کو ایسے باغات و محلات سے بھی زیادہ قیمتی دولت دے۔ یعنی باغات اور محلات دینے والے کے ساتھ تعلق اور دوستی۔ یہ شعور کہ محمد اس کی نگرانی میں ہیں۔ اس کے قبضے میں ہیں اس کی ہدایت اور توفیق کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ اور آپؐ اس مٹھاس کو ہر وقت چکھتے رہتے ہیں۔ یہ روحانی غذا آپ کو ہر وقت دی جاتی ہے اور اس کے مقابلے میں جسمانی غذا کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ دنیا کا مال و منال خواہ کم ہو یا زیادہ' اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کاش کہ وہ اس فرق کو سمجھتے کہ آپ کو جو دولت دی گئی ہے وہ کس قدر قیمتی ہے۔ اور اس کے مقابلے میں دنیا کے باغ و راغ کچھ بھی نہیں۔

یہاں تک تو قرآن نے خدا اور رسول اللہؐ پر ان کے اعتراضات کو نقل فرمایا' اب بات ان کے فکر و نظر کے فساد کے ایک دوسرے میدان میں داخل ہوتی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ لوگ ضلال بعید میں مبتلا ہیں اور یہ تو قیام قیامت کے منکر ہیں۔ یہ چونکہ قیامت کی جوابدہی کے منکر ہیں اس لیے یہ اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ باتیں کرتے ہیں۔ ظلم کرتے ہیں افتراء باندھتے ہیں کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ان کو قیامت کی جوابدہی کا کوئی ڈر نہیں ہے۔ اگر ان کے دل میں اللہ کے سامنے حاضر ہونے اور حساب دینے کا ڈر ہوتا تو وہ یہ افتراء پردازیاں ہرگز نہ کرتے۔ یہاں اب قیامت کے مناظر میں سے ایک ایسا منظر لایا جاتا ہے جو سخت سے سخت دل کو بھی ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ جس کو دیکھ کر پوری طرح بجھے ہوئے دلوں میں بھی آگ لگ جاتی ہے۔ اور وہ بھی اس دن کی ہولناکی سے کانپ اٹھتے ہیں۔ ان کافروں کے لیے یہ ہولناکی اور اہل ایمان کے لیے یہ حسن انجام۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱

Marfat.com

Marfat.com

إِذَا رَأَتْهُمْ مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾ وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا
مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿١٣﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا
وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٤﴾ قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ
كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا ﴿١٥﴾ لَّهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ
وَعْدًا مَّسْئُولًا ﴿١٦﴾

"اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ "اس گھڑی" کو جھٹلا چکے ہیں --- اور جو اس گھڑی کو جھٹلائے اس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کر رکھی ہے۔ وہ جب دور سے ان کو دیکھے گی تو یہ اس کے غضب اور جوش کی آوازیں سن لیں گے اور جب یہ دست و پابستہ اس میں ایک تنگ جگہ ٹھونسے جائیں گے تو اپنی موت کو پکارنے لگیں گے' (اس وقت ان سے کہا جائے گا) آج ایک موت کو نہیں بہت سی موتوں کو پکارو"۔ ان سے پوچھو یہ انجام اچھا ہے یا وہ ابدی جنت جس کا وعدہ خدا ترس پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے' جو ان کے عمل کی جزا اور ان کے سفر کی آخری منزل ہوگی' جس میں ان کی ہر خواہش پوری ہوگی' جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' جس کا عطا کرنا تمہارے رب کے ذمے ایک واجب الادا وعدہ ہے"۔

یعنی وہ کفر اور ضلالت کی حدوں کو پار کر کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ وہ قیامت کا انکار کر رہے ہیں۔ قرآن کا انداز تعبیر "بل" کا لفظ استعمال کر کے' ان کی گمراہی یوں مجسم کرتا ہے کہ وہ اس راہ پر بہت دور چلے گئے ہیں یعنی پہلی باتوں کو چھوڑو' انہوں نے تو قیامت کا انکار کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ انکشاف کیا جاتا ہے کہ ان فتنہ پردازوں کے لیے کس قدر خوفناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔ یہ آگ ہے جو حاضر ہے' دہکائی ہوئی ہے۔

وَأَعْتَدْنَا لِمَن كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا (۲۵: ۱۱) "اور جو اس گھڑی کو جھٹلائے' اس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے"۔ یہاں قرآن کریم مجسم اور مشخص انداز میں آگ کو پیش کرتا ہے۔ تجسیم اور تشخیص قرآن مجید کا وہ انداز ہے جس میں ایسی اشیاء' ایسے معانی اور ایسے مفہومات کو زندہ شخص کے انداز میں پیش کرتا ہے جن کے لیے زندہ ہونا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید مفاہیم و مناظر کو زندہ اشخاص کی شکل میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ کلام کے اندر اعلیٰ درجے کا اعجاز پیدا ہو جاتا ہے۔

ذرا سوچئے۔ ہم دہکتی ہوئی آگ کے سامنے کھڑے ہیں۔ یہ آگ ہمارے سامنے ایک زندہ غضبناک شخص کا روپ اختیار کرتی ہے کہ یہ دور سے ان مکذبین کو دیکھتی ہے۔ دیکھتے ہی یہ آگ غیض و غضب میں مبتلا ہو جاتی ہے اور یہ لوگ دور سے اس کے اظہار غضب اور سخت کلامی کو پا لیتے ہیں گویا وہ دور ہی سے ان پر حملہ آور ہونے کے لیے جوش دکھاتی ہے۔ اور جوش انتقام میں آپے سے باہر ہو رہی ہے حالانکہ یہ لوگ ابھی تک راستے میں ہوتے ہیں' پہنچے نہیں ہوتے۔ غرض یہ ایک نہایت ہی جھنجھوڑنے والا منظر ہے جسے دیکھنے والوں کی ٹانگوں پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

دیکھئے اب یہ پہنچ گئی اپنی منزل تک۔ اب یہ لوگ کھلے نہیں چھوڑے جاتے کہ ہاتھ پاؤں سے یہ آگ کے ساتھ مقابلہ کریں اور آگ انہیں شکست دے دے۔ یہ اس سے بچنے کی کوشش کریں۔ اور وہ انہیں پکڑ لے۔ بلکہ انہیں پکڑ کر اس میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اس حال میں کہ ان کے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور ان کو آگ کے کھلے ہال میں بھی نہیں پھینک دیا جاتا بلکہ دوزخ کی آگ کے ایک نہایت ہی تنگ مقام پر ان کو اندر کر دیا جاتا ہے۔ جس میں یہ بمشکل سماتے ہیں' اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اب یہ لوگ اس آگ سے رہائی پانے کے بارے میں بے حد مایوس ہوگئے ہیں۔ نہایت ہی کرب میں ہیں۔ اب مایوس ہوکر یہ صرف ہلاکت اور موت کی دعا کرتے ہیں۔

وَ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا (۲۵:۱۳) "اور جب یہ اس میں تنگ جگہ ٹھونسے جائیں گے تو اپنی موت کو پکارنے لگیں گے"۔ لیکن اب جہنم میں موت تو نہ پوری ہونے والی آرزو ہے۔ جبکہ یہ لوگ اس عذاب سے صرف موت کے ذریعہ ہی خلاصی پا سکتے ہیں کیونکہ یہ درد و کرب ناقابل برداشت ہے لیکن ان کو ان کی اس درخواست اور اس تمنا کا جواب بھی استہزاء اور مذاق کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ جس طرح وہ رسولوں کے ساتھ مذاق کرتے تھے۔ یہ ایک تلخ مذاق ہے۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا (۲۵:۱۴) "آج ایک موت کو نہیں بہت سی موتوں کو پکارو"۔ کیونکہ ایک بار کی ہلاکت تو تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ نہ ایک بار کی موت تمہارے لیے کافی ہے۔ تم بار بار مروگے اور بار بار زندہ ہوگے۔

ان کے اس حال کو پیش کرنے کے بعد اب ان کے بالمقابل متقین مومنین کے انجام کی ایک جھلک بھی دکھائی جاتی ہے' جو اللہ سے ڈرتے تھے جو اللہ کے سامنے حاضر ہونے کی امید رکھتے تھے اور قیامت پر ان کا پختہ ایمان تھا۔ یہ انجام بھی ان کفار کو خطاب کرتے ہوئے نہایت ہی طنزیہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا (۲۵:۱۵) لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا (۲۵:۱۶) "ان سے پوچھو یہ انجام اچھا ہے یا وہ ابدی جنت جس کا وعدہ خدا ترس پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے' جو ان کے عمل کی جزا اور ان کے سفر کی آخری منزل ہوگی' جس میں ان کی ہر خواہش پوری ہوگی' جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' جس کا عطا کرنا تمہارے رب کے ذمے ایک واجب الادا وعدہ ہے"۔ یہ شرمسار کنندہ عذاب بہتر ہے یا وہ باغات دائمی بہتر ہیں جو اللہ نے متقین کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ اللہ نے متقین کو یہ حق دیا ہے کہ یہ اس کا مطالبہ کریں۔ اور یہ طلب کریں کہ اے اللہ اپنا وعدہ پورا کیجئے اور اللہ وعدہ خلافی کرنے والا تو ہے نہیں۔ پھر یہ بھی ان کو اختیار دیا گیا ہے کہ جو چاہیں وہاں طلب کریں۔ کیا ان دونوں مقامات کے درمیان موازنہ کرنے کی بھی کوئی بات ہے کہ ان سے موازنے کے لیے کہا جا رہا ہے۔ دراصل یہ ان کے ساتھ نہایت ہی تلخ مذاق ہے اور یہ ان کے اس مذاق کا جواب

Marfat.com
Marfat.com

ہے جو وہ یہاں اس رسول مقبول سے کرتے تھے۔

اب آخرت کا ایک دوسرا منظر جس کی تکذیب کرنے والے تکذیب کرتے تھے۔ یہ مشرکین کا اجتماع ہے ان کے ساتھ ان کے شرکاء بھی موجود ہیں جن کو یہ لوگ اللہ اور شفیع سمجھتے تھے۔ یہ سب اللہ کے سامنے کھڑے اپنی اپنی جوابدہی کر رہے ہیں۔ سوال ہو رہے ہیں اور وہ جواب دے رہے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿١٨﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُم بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ وَمَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾

"اور وہی دن ہو گا جب کہ (تمہارا رب) ان لوگوں کو بھی گھیر لائے گا اور ان کے ان معبودوں کو بھی بلائے گا جنہیں آج یہ اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہیں' پھر وہ ان سے پوچھے گا "کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ یا یہ خود راہ راست سے بھٹک گئے تھے؟" وہ عرض کریں گے "پاک ہے آپ کی ذات' ہماری تو یہ بھی مجال نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مولیٰ بنائیں۔ مگر آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامان زندگی دیا حتیٰ کہ یہ سبق بھول گئے اور شامت زدہ ہو کر رہے"۔ یوں جھٹلا دیں گے وہ (تمہارے معبود) تمہاری ان باتوں کو جو آج تم کہہ رہے ہو' پھر تم نہ اپنی شامت کو ٹال سکو گے نہ کہیں سے مدد پا سکو گے اور جو بھی تم میں سے ظلم کرے اسے ہم سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے"۔

جن لوگوں کی مشرکین بندگی کرتے تھے بعض اوقات تو وہ بت ہوتے تھے' کبھی وہ ملائکہ اور جن ہوتے تھے اور کبھی دوسرے معبود ہوتے تھے۔ جن کو اللہ خوب جانتا ہے' لیکن اس کھلے میدان میں ان سے یہ سوال کرنا جواب طلب کرنا جب کہ سب کو اس مقصد کے لیے جمع کیا گیا ہو گا' زیادہ تشہیر اور شرمندہ کرنے کے لیے ہو گا۔ تشہیر جرم اور شرمندہ کرنا بھی دراصل ایک قسم کی سزا ہے اور جواب جو آ رہا ہے وہ ان نام نہاد الٰہوں کی طرف سے اللہ کے سامنے مکمل طور پر جھکنا ثابت کرتا ہے۔ اب یہ اللہ قہار اور مالک الملک کے سامنے مطیع فرمان کھڑے ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنی الوہیت کا انکار کرتے ہیں بلکہ وہ اس بات سے بھی انکار کرتے ہیں کہ ان بے وقوفوں سے ان کی کوئی دوستی یا تعلق تھا۔ اس سے زیادہ مشرکین کے لیے اور شرمندگی کیا ہو گی کہ جن کو وہ الٰہ سمجھتے ہیں وہ ان کے اس تعلق سے بھی منکر ہوں گے۔

قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا (۲۵:۱۸) "وہ عرض کریں گے "پاک

Marfat.com
Marfat.com

ہے آپ کی ذات' ہماری تو یہ بھی مجال نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مولیٰ بنائیں۔ مگر آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامان زندگی دیا حتیٰ کہ یہ سبق بھول گئے اور شامت زدہ ہو کر رہے"۔ تو زندگی کا یہ مال و متاع جو مسلسل ان لوگوں کو حاصل رہا' جبکہ ان کو یہ معرفت بھی نہ تھی کہ یہ انعامات دینے والا بھی کوئی ہے اور نہ وہ دینے والے کا کوئی شکر ادا کرتے تھے تو اس غفلت نے ان کے دلوں سے ان انعامات کا احساس ہی دور کر دیا۔ یہ لوگ سب کچھ بھول گئے۔ چنانچہ ان کے دل اس طرح خشک اور غیر آباد ہو گئے جس طرح خشک سالی کے نتیجے میں زمین غیر آباد ہو کر بے آب و گیاہ ہو جاتی ہے۔ یہاں لفظ بوار استعمال ہوا ہے جو ہلاکت کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن ہلاکت کے ساتھ اس کے مفہوم میں خشک سالی اور بے آب و گیاہ ہونا بھی داخل ہے یعنی دلوں کی خشکی اور زندگی کا خلا۔

چنانچہ یہاں اس مقام پر انہیں توہین آمیز خطاب کے ذریعہ شرمسار کیا جاتا ہے :

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا (۲۵ : ۱۹) "یوں جھٹلا دیں گے وہ (تمہارے معبود) تمہاری ان باتوں کو جو آج تم کہہ رہے ہو' پھر تم نہ اپنی شامت کو ٹال سکو گے نہ کہیں سے مدد پا سکو گے"۔ یعنی نہ اس مصیبت کا منہ کسی اور طرف موڑ سکو گے اور نہ کسی جانب سے تمہیں کوئی امداد مل سکے گی۔

یہ منظر تو آخرت کا چل رہا ہے اور حشر کا میدان ہے لیکن بیچ میں ایک جھلک دنیا کی بھی دکھا دی جاتی ہے۔ یہ مکذبین اب زمین پر اس دنیا ہی میں نظر آتے ہیں۔ اور ان سے کہا جاتا ہے۔

وَمَنْ يَّظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا (۲۵ : ۱۹) "اور جو تم میں سے ظلم کرے اسے ہم سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے"۔ اور قرآن کریم کا ایک مخصوص اسلوب ہے کہ وہ دلوں کو اس وقت چھوتا ہے جب وہ قبولیت کے لیے تیار ہوتے ہیں اور قیامت کا خوفناک منظر دیکھ کر وہ بات ماننے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔

---oooo---

اب جبکہ انہوں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا کہ ان لوگوں نے افتراء' تکذیب اور استہزاء کی انتہا کر دی ہے اور یہاں تک انہوں نے رسول اللہ کی بشریت' اس کی بازاروں میں چلت پھرت اور کھانے پینے پر بھی اعتراض کر دیا ہے' تو حضور اکرمؐ کی طرف روئے سخن پھر جاتا ہے اور آپ کو تسلی دی جاتی ہے اور آپ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ صرف آپؐ ہی کو رسول ایسا نہیں بنایا گیا کہ ان لوگوں کو تعجب ہو رہا ہے بلکہ تمام رسول ایسے ہی تھے جس طرح آپؐ ہیں اور ان کے حالات بھی ایسے تھے جس طرح آپؐ کے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ
۲
۱۱ع كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝۲۰ ع

Marfat.com
Marfat.com

"اے نبی' تم سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجے تھے وہ سب بھی کھانا کھانے والے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے لوگ ہی تھے۔ دراصل ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ کیا تم صبر کرتے ہو؟ تمہارا رب سب کچھ دیکھتا ہے"۔

اگر یہ لوگ اعتراضات کر رہے ہیں تو یہ آپ کی ذات پر معترض نہیں ہیں۔ یہ تو ان کی ایک سنت اور اللہ کے ایک مستقل طریقہ کار پر یہ لوگ معترض ہیں۔ یہ طریق کار طے شدہ ہے۔ مقرر اور متعین ہے۔ اور اس کا ایک متعین انجام ہے۔

وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً (۲۵: ۲۰) "دراصل ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا ہے"۔ تاکہ جو لوگ اللہ کی حکمت اور تدبیر کو نہیں جانتے۔ وہ اعتراض کرتے رہیں اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اس کی حکمت اور اس کے تصرفات کو جانتے ہیں وہ صبر کرتے رہیں اور دعوت اسلامی غالب ہو اور غلبے کا مقابلہ کرنے اور اس مقابلے اور کشمکش میں انسانی وسائل استعمال کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اس کشمکش میں جو شخص ثابت قدم رہے وہ کامیاب ہوئے۔

اَتَصْبِرُوْنَ (۲۵: ۲۰) "کیا تم صبر کرتے ہو؟" یعنی کیا تم مشکلات پر صبر کرو گے۔ تو

وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا (۲۵: ۲۰) "تمہارا رب سب کچھ دیکھتا ہے"۔ وہ تمام لوگوں کے مزاج کو دیکھ رہا ہے۔ تمام دلوں کو دیکھ رہا ہے' اور تمام لوگوں کے حالات اور انجام کا اسے علم ہے۔ تمہارا پورا اجر ملے گا۔

وَ كَانَ رَبُّكَ (۲۵: ۲۰) میں اللہ نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب کہہ کر پکارا ہے۔ اس انداز بیان سے دل پر خوب اثر ہوتا ہے۔ دل تر و تازہ ہو جاتا ہے۔ اسے تسلی ہوتی ہے اور سکون ملتا ہے۔ اور وہ از سر نو جدوجہد کے لیے تیار ہوتا ہے۔ یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ اے محمدؐ ہم دیکھ رہے ہیں' تمہارے ساتھ ہیں' فکر مت کرو' نہ صرف یہ کہ ظاہری حالات ہماری نظر میں ہیں بلکہ نہایت خفیہ اور دلوں کی بات بھی ہماری نظر میں ہے۔ اس انداز بیان سے اللہ اپنے آپ کو اپنے بندوں کے قریب تر کرتا ہے۔

---oOo---

Marfat.com

فی ظلال القرآن

پارہ ـــــــ ۱۹

سورۃ الفرقان - ۲۵

۲۱ ـــ تا ـــ ۷۷

سورۃ الشعراء - ۲۶

۱ ـــ تا ـــ ۲۲۷

سورۃ النمل - ۲۷

۱ ـــ تا ـــ ۱۵۹

Marfat.com
Marfat.com

درس نمبر ۱۵۸ ایک نظر میں

اس سبق کا آغاز بھی اسی انداز سے ہوتا ہے جس سے درس سابق کا ہوا تھا اور مضمون بھی اسی انداز سے چلتا ہے' البتہ یہاں مشرکین کے اعتراضات کا رخ رب تعالیٰ کی طرف ہے۔ یہاں وہ اللہ پر اعتراضات کرتے ہیں اور اللہ کو اپنا لائحہ عمل دیتے ہیں۔ گویا اس سبق میں وہ اپنی سرکشی میں ترقی کرتے ہوئے رسول اللہؐ پر اعتراضات کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور خدا پر اعتراضات کرتے ہیں۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور دل جوئی کا ایک انداز ہے کہ یہ لوگ صرف آپ ہی پر اعتراضات نہیں کرتے بلکہ ان کی گستاخی اللہ کے جناب میں بھی ہے۔ البتہ یہاں جواب دینے کے بجائے نہایت ہی شتابی سے ان کو قیامت کے مناظر میں سے بعض مناظر کی جھلکیاں دکھا دی جاتی ہیں۔ اور یہی ان کی گستاخی کا مناسب جواب ہے۔ ان کی گستاخی یہ تھی۔

لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا (۲۵ : ۲۱) "کیوں نہ فرشتے ہمارے پاس بھیجے جائیں یا ہم اپنے رب کو دیکھیں"۔ اس کے بعد ان کا یہ اعتراض نقل کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم ٹکڑوں کی شکل میں کیوں اترا ہے۔ اس کا جواب دیا جاتا ہے اور یہ بیان کر دیا جاتا ہے کہ کیوں قرآن مجید مسلسل ٹکڑوں کی شکل میں اترا۔ رسول اللہؐ کو تسلی دی جاتی ہے کہ جب بھی وہ مباحثہ کر کے کوئی بات لاتے ہیں' ہم بھی نئی تاویل آپ کو دے دیتے ہیں اور بہترین تفسیر اور تشریح کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ اور آپؐ کے مخاطبین کے غور کے لیے بعض مکذبین کی ہلاکت کے وقت کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے کہ یہ اقوام کس طرح ہلاک کی گئیں۔ ذرا قوم لوط کے کھنڈرات پر تو غور کرو۔ تم رات دن ان پر سے گزرتے ہو۔ قرآن کریم ان پر سخت گرفت کرتا ہے کہ جب یہ رات دن ان کھنڈرات کو دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ یہ سب باتیں اس لیے لائی گئی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر جو اعتراضات کرتے تھے' اس کا ایک بیان یہاں دے دیا جائے۔ یہ واقعات دے کر ان پر ایک زور دار تبصرہ کیا جاتا ہے۔ اس میں ان کا نہایت ہی حقارت آمیز نقشہ کھینچا جاتا ہے اور نہایت ہی حقیقت پسندانہ'

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۲۵ : ۴۴) "یہ تو بس حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں"۔

---ooo---

Marfat.com

درس نمبر ۱۵۸ تشریح آیات

۲۱--- تا --- ۴۴

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

”جو لوگ ہمارے حضور پیش ہونے کا اندیشہ نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں ”کیوں نہ فرشتے ہمارے پاس بھیجے جائیں؟ یا پھر ہم اپنے رب کو دیکھیں“۔ بڑا گھمنڈ لے بیٹھے یہ اپنے نفس میں اور حد سے گزر گئے اپنی سرکشی میں۔ جس روز یہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ مجرموں کے لیے کسی بشارت کا دن نہ ہو گا۔ چیخ اٹھیں گے کہ پناہ بخدا' اور جو کچھ بھی ان کا کیا دھرا ہے اسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے بس وہی لوگ جو جنت کے مستحق ہیں اس دن اچھی جگہ ٹھہریں گے اور دوپہر گزارنے کو عمدہ مقام پائیں گے۔ آسمان کو چیرتا ہوا ایک بادل اس روز نمودار ہو گا اور فرشتوں کے پرے کے پرے اتار دیئے جائیں گے۔ اس روز حقیقی بادشاہی صرف رحمٰن کی ہو گی اور وہ منکرین کے لیے بڑا سخت دن ہو گا۔ ظالم انسان اپنے ہاتھ چبائے گا اور کہے گا ”کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی' کاش میں نے فلاں شخص کو

Marfat.com

دوست نہ بنایا ہوتا۔اس کے بہکائے میں آکر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی' شیطان انسان کے حق میں بڑا ہی بے وفا نکلا"۔

مشرکین کو ہماری ملاقات کی امید نہیں ہے اور نہ وہ اس کا انتظار کرتے ہیں اور نہ وہ اس کو کوئی اہمیت دیتے ہیں نہ اپنی زندگی اور اس کی سرگرمیوں کو وہ اس نظریہ کے مطابق قائم کرتے ہیں۔چنانچہ ان کے دلوں میں نہ اللہ کا خوف ہے' نہ اللہ کی محبت اور وقار ہے۔اس لیے اللہ کے حوالے سے بھی ان کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں جو کبھی بھی ایسے شخص کی زبان سے نہیں نکل سکتے جسے خدا کا خوف ہو۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَوْ لَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰي رَبَّنَا

(۲۵:۲۱) "جو لوگ ہمارے حضور پیش ہونے کا اندیشہ نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں "کیوں نہ فرشتے ہمارے پاس بھیجے جائیں؟ یا پھر ہم اپنے رب کو دیکھیں"۔یہ لوگ اس بات کو مستبعد سمجھتے تھے کہ کوئی رسول بشر بھی ہو سکتا ہے۔اس لیے وہ مطالبہ کرتے تھے کہ جس عقیدے کی طرف ہمیں دعوت دی جا رہی ہے' کوئی فرشتہ اترے اور وہ اس پر شہادت دے۔یا یہ کہ وہ خود باری تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اس کی تصدیق کریں۔یہ دراصل اللہ کے مقام اور مرتبہ پر دست درازی ہے اور اس جاہل اور سرکش کا مطالبہ ہے جو مقام رب العالمین کا کوئی احساس نہیں رکھتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدر اسی طرح نہیں کرتا جس طرح حق تعالیٰ کی قدر ہونا چاہئے۔یہ گستاخی کرنے والے کون ہوتے ہیں اور ان کی اللہ کے مقابلے میں حیثیت ہی کیا ہے جو برگزیدہ' جبار اور کبیر ہے۔یہ اللہ کی عظیم مملکت اور اللہ کی اس عظیم کائنات میں حیثیت ہی کیا رکھتے ہیں۔ایک حقیر ذرے کی حیثیت تو ان کی ہے۔انسان کی اس کائنات میں کوئی حیثیت اگر بنتی بھی ہے تو تب بنتی ہے کہ وہ اپنا تعلق اللہ سے جوڑ کر اور اپنا وزن ایمان کے ذریعہ بڑھا کر اپنی کچھ حیثیت پیدا کرے۔چنانچہ اس آیت کے اندر بات ختم کرنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ بتا دیتا ہے کہ اس گستاخی کا سبب کیا ہے۔

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا (۲۵:۲۱) "بڑا گھمنڈ لیے بیٹھے ہیں یہ اپنے نفسوں میں اور حد سے گزر گئے ہیں یہ اپنی سرکشی میں"۔وہ اپنے خیال میں بہت بڑی شے ہیں۔چنانچہ وہ گھمنڈ میں مبتلا ہیں اور اس گھمنڈ کی وجہ سے بہت ہی بڑی سرکشی میں مبتلا ہیں۔یہ اپنے اندر اس قدر مست ہیں کہ حقیقی قدروں کا صحیح وزن نہیں کر سکتے۔اب ان لوگوں کی عادت یہ ہے کہ یہ لوگ صرف اپنے نفس کا احساس کرتے ہیں۔ان کا نفس ان کی نظروں میں اس قدر بڑی چیز ہے کہ اس کائنات میں وہ اپنے نفس ہی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں۔اس قدر بڑی چیز کہ اللہ جل شانہ کو بھی اس کے سامنے ظاہر ہونا چاہئے تاکہ وہ اسے دیکھ کر اس کی تصدیق کریں اور اس پر ایمان لائیں۔

ان کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اللہ بطور مذاق اور استہزاء ان کے سامنے ان کی بدحالی اور لاچاری کا ایک نقشہ پیش کرتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب قیامت کے دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے (ملائکہ کا دیکھنا بھی ان کے مطالبات میں سے ایک مطالبہ تھا) تو اس دن ان پر برا دن ہو گا۔ان کا حال یہ ہو گا کہ ان کے سامنے وہ عذاب موجود ہو گا جو ٹلنے والا نہ ہو گا' اس سے نجات کی ان کو کوئی صورت نظر ہی نہ آئے گی اور یہ عذاب اور جزاء کا دن ہو گا۔

Marfat.com
Marfat.com

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (۲۵:۲۲) وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (۲۵:۲۳) "جس روز یہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ مجرموں کے لیے کسی بشارت کا دن ہو نہ گا۔ چیخ اٹھیں گے کہ پناہ بخدا' اور جو کچھ بھی ان کا کیا دھرا ہے اسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے"۔ جس دن ان کے اس مطالبے پر عمل ہو گا اور فرشتے سامنے آ جائیں گے۔ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ یہ ان فرشتوں کو دیکھ لیں گے۔ لیکن اس دن ان کے لیے کوئی خوشخبری نہ ہو گی بلکہ ان کے لیے عذاب کی خبر ہو گی۔ تو ان کا مطالبہ عجیب انداز میں پورا ہو گا۔ اس دن تو وہ یوں گویا ہوں گے۔ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (۲۵:۲۲) "خدا کی پناہ"۔ حرام اور ممنوع۔ یہ جملہ وہ شرت بچنے کے لیے کہتے تھے۔ دشمنوں کو کہتے تھے۔ یہ وہ دشمنوں کے ہلاک ہونے اور ان کے شرت محفوظ ہونے کے لیے کہتے تھے۔ یہ فقرہ قیامت میں ان کی زبان سے نکل پڑے گا۔ جس طرح یہ فقرہ وہ دنیا میں شرت پناہ مانگنے کے لیے بول دیتے تھے۔ آج ان کو خدا کی پناہ نصیب کب ہو سکتی ہے۔ آج وہ لاکھ مرتبہ خدا کی پناہ مانگیں' ان کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (۲۵:۲۳) "اور وہ جو انہوں نے کیا دھرا ہے اسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے"۔ یہ عمل ایک لحظہ میں مکمل ہو جائے گا۔ ان کے تمام اعمال غبار کی شکل میں اڑا دیئے جائیں گے۔ انداز تعبیر کو ذرا دیکھئے۔ ہمارا خیال اس طرح دیکھتا ہے کہ ایک صاحب جسم ذات آتی ہے اور ان کے اعمال کو لے کر غبار کی طرح اڑا دیتی ہے۔ یہ ہے قرآن کریم کا انداز تجسیم اور تخیل۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں اعمال صالحہ کی شکل میں جو کچھ جمع کیا تھا وہ غبار کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ان کے یہ اعمال ایمان پر مبنی نہ تھے۔ ایمان کے ذریعہ ہی انسان اللہ تک پہنچتا ہے۔ ایمان اعمال صالحہ کو ایک منہاج اور ایک پختگی اور دوام بخشتا ہے اور یہ اعمال ایک مقصد اور ایک سمت رکھتے ہیں۔ نہ یہ کسی وقتی جذبے کے تحت صادر ہوتے ہیں اور نہ کسی ایسے شخص کی دوڑ دھوپ ہوتی ہے جس کو صحیح راہ اور سمت معلوم ہی نہیں ویسے ہی ادھر ادھر بھاگتا ہے۔ یا محض بے مقصد دوڑ دھوپ ہے۔ اسلام میں کسی ایسے عمل صالح کی کوئی قیمت نہیں ہے جس کی کوئی سمت' کوئی مقصد اور کوئی روح متعین نہ ہو۔ کیونکہ ایسے اعمال کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہوتا۔

اس کائنات میں انسان کا وجود' اس کے اعمال' اس کی زندگی کی دوڑ دھوپ دراصل اس کائنات کی حقیقت سے مربوط ہیں۔ یہ انسان بھی ناموس فطرت کا ایک پرزہ ہے۔ اور یہ پوری کائنات ذات باری سے مربوط ہے۔ اس میں انسان اور اس کی تمام سرگرمیاں شامل ہیں۔ اگر انسان کی تگ و دو اور اس کی حرکت اور دوڑ دھوپ اس اصلی نورت سے کٹ جائے تو وہ بے مقصد ہو جاتی ہے۔ وہ ضائع ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی وزن اور قدر و قیمت عند اللہ نہیں ہوتی۔ اس کے اعمال کا نہ کوئی حساب ہو گا اور نہ ہی اس کی کوئی قدر و قیمت ہو گی بلکہ اسلامی نظر میں اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ وہ محض ہوا اور غبار ہے۔

ایمان انسان کو رب تک پہنچاتا ہے۔ اس طرح پھر اللہ رب العالمین کے ہاں اس کے اعمال کا بھی وزن ہوتا ہے۔ اور اس کائنات کے حساب میں اس کا حساب رکھا جاتا ہے اور اس کے اعمال اس کائنات کی تعمیر و ترقی میں دکھائے جاتے

Marfat.com
Marfat.com

ہیں۔ ان مشرکوں کا چونکہ ایمان نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کے اعمال کو کالعدم کر دیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے نہایت ہی مجسم اور حسی انداز تعبیر اختیار کیا ہے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰي مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (۲۵:۲۳) "اور ہم ان اعمال کی طرف بڑھے جو انہوں نے کیے تھے تو ان اعمال کو غبار کی طرح اڑا دیا"۔

اور مومنین کا حال کیا ہو گا۔ تقابل کے لیے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ یہ اصحاب جنت ہیں۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا (۲۵:۲۴) "پس وہی لوگ جو جنت کے مستحق ہیں اس دن اچھی جگہ ٹھہریں گے اور وہ دوپہر گزارنے کو عمدہ مقام پائیں گے"۔ وہ نہایت آرام' خوشی اور استقلال کے ساتھ گھنے سایوں میں رہیں گے۔ اور یہاں مستقر کا لفظ کافروں کے اعمال کی ناپختگی اور ہوا میں غبار کی طرح اڑ جانے کے بالمقابل لایا گیا ہے اور دوپہر کا آرام اور سکون مقابل ہے۔ اہل کفر کے جزع و فزع کا' کہ وہ بے اختیار ہو کر اب خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور کہتے ہیں حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (۲۵:۲۲) کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ اللہ ان کے سامنے بادلوں کے سایہ میں آئے اور فرشتے آپ کے ساتھ ہوں۔ یہ مطالبے وہ بنی اسرائیل کی کہانیاں سن کر کرتے تھے کہ ان کے مطابق اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائے میں اتر رہا ہے۔ یا ایک آگ کے عمودی شعلے کی شکل میں۔ چنانچہ قرآن کریم ایک دوسرے انداز میں قیامت کے دن ان کے مطالبے کے پورا ہونے کا ایک منظر پیش کرتا ہے جس دن فرشتے اتریں گے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا (۲۵:۲۵) اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَي الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا (۲۵:۲۶) "اس روز ایک بادل آسمان کو چیرتا ہوا نمودار ہو گا اور فرشتوں کے پرے کے پرے اتار دیئے جائیں گے۔ اس روز حقیقی بادشاہی صرف رحمٰن کی ہو گی۔ اور وہ منکرین کے لیے سخت دن ہو گا"۔ یہ آیت اور قرآن کریم کی بے شمار دوسری آیات یہ بتلاتی ہیں کہ اس دن نہایت ہی بڑے فلکیاتی واقعات و حادثات ہوں گے۔ اور تمام ایسی آیات کا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کائنات جو ہمیں نظر آتی ہے اور اس کا یہ نظام جو ہمیں نظر آتا ہے' یہ سب کا سب درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کے تمام افلاک' کواکب اور ستارے باہم ٹکرا جائیں گے۔ اس کائنات کے نظام' اشیاء کے باہم روابط' اور یہ چیز کی موجودہ شکل بدل جائے گی اور یہ حادثہ اس دنیا کا اختتام ہو گا۔ یہ کائناتی انقلاب صرف زمین تک محدود نہ ہو گا۔ اس کی زد میں تمام ستارے' تمام آسمان اور تمام کواکب آئیں گے۔ یہاں مناسب ہے کہ یہاں اس انقلاب کے بعض مناظر پیش کر دیئے جائیں جو متعدد سورتوں میں آئے ہیں۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (۱) وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (۲) وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (۳) ------ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (۶) (۸۱: ۱ تا ۳ و ۶) "جب

Marfat.com
Marfat.com

سورج لپیٹ دیا جائے گا جب تارے بکھر جائیں گے 'جب پہاڑ ملائے جائیں گے ۔۔۔۔۔اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے"۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (۱) وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (۲) وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ (۳) وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (٤) (۸۲ : ۱ تا ٤) "جب آسمان پھٹ جائے گا' جب تارے بکھر جائیں گے اور سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے اور جب قبریں کھول دی جائیں گی"۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (۱) وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (۲) وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ (۳) وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ (٤) وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (٥) (٨٤ : ۱ تا ٥) "جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے فرمان کی تعمیل کرے گا اور اس کے لیے حق یہی ہے اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے 'اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی اور اس کے لیے حق یہی ہے (کہ اس کی تعمیل کرے)

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا (٤) وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (٥) فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (٦) (٥٦ : ٤ تا ٦) "جب زمین یکبارگی ہلا ڈالی جائے گی اور پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے کہ پراگندہ بن کر رہ جائیں گے"۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ (۱۳) وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً (۱٤) فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (۱٥) وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (۱٦) (٦٩ : ۱۳ تا ۱٦) "پھر جب ایک دفعہ صور میں پھونک مار دی جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔اس روز وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا"۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ (۸) وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (۹) (۷۰ : ۸ – ۹) "جس دن آسمان پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنے ہوئے اون جیسے ہو جائیں گے"۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (۱) وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (۲) (۹۹ : ۱ – ۲) "جب زمین اپنی پوری قوت کے ساتھ ہلا ڈالی جائے گی اور زمین اپنے اندر کے بوجھ باہر نکال دے گی"۔

Marfat.com

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (٤) وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (٥) (١٠١ : ٤ - ٥) "وہ دن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنے ہوئے اون کی طرح ہوں گے"۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ (١٠) يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (١١) (٤٤ : ١٠ - ١١) "اچھا انتظار کرو جب آسمان صریح دھواں لائے گا اور وہ لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ ہے دردناک سزا"۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا (٧٣ : ١٤) "جب زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑوں کا ایسا ہو جائے گا جیسے ریت کے ڈھیر ہیں جو بکھرے جا رہے ہیں"۔

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِه (٧٣ : ١٨) "آسمان پھٹا جا رہا ہو گا اس دن"۔

كَلَّا اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا (٨٩ : ٢١) "ہرگز نہیں جب زمین پے در پے کوٹ کوٹ کر ریگ زار بنا دی جائے گی"۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ (٧) وَخَسَفَ الْقَمَرُ (٧) وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (٩) (٧٥ : ٧ تا ٩) "پھر جب دیدے پتھرا جائیں گے اور چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند اور سورج ملا کر ایک کر دیئے جائیں گے"۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ (٨) وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ (٩) وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (١٠) (٧٧ : ٨ تا ١٠) "پھر جب ستارے ماند پڑ جائیں گے اور آسمان پھاڑ دیا جائے گا اور پہاڑ دھنک ڈالے جائیں گے"۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا (١٠٥) فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا (١٠٦) لَّا تَرٰي فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (١٠٧) (٢٠ : ١٠٥ تا ١٠٧) "یہ اگر آپ سے پوچھتے ہیں کہ اس دن پہاڑ کہاں چلے جائیں گے۔ کہو میرا رب ان کو دھول بنا کر اڑا دے گا اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا دے گا کہ اس میں کوئی بھی کجی اور سلوٹ نہ دیکھو گے"۔

وَتَرَي الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ --- (٢٧ : ٨٨)

Marfat.com

"آج تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خوب ہوئے ہیں مگر اس وقت یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے"۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً (۱۸ : ۴۷) "جب ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو بالکل برہنہ پاؤ گے"۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (۱۴ : ۴۸) "اس روز جبکہ زمین و آسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر دیے جائیں گے"۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (۲۱ : ۱۰۴) "وہ دن جبکہ آسمان کو ہم یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیئے جاتے ہیں"۔ یہ تمام آیات بتاتی ہیں کہ ہماری اس دنیا کا انجام نہایت ہی خوفناک ہو گا۔ اس میں اس زمین کو بلا مارا جائے گا اور اجسام عظیمہ ایک دوسرے کے ساتھ دھماکے سے ٹکرا جائیں گے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے۔ سمندر پھٹ جائیں گے یعنی کرۂ ارض کے اضطرابات کی وجہ سے یا سمندروں کے زلزلے پھٹ جائیں گے اور تابکاری سے پانیوں میں آگ لگ جائے گی۔ چمکدار ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گا۔ کواکب ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو جائیں گے۔ تمام آسمانی دوریاں ختم ہو جائیں گی۔ شمس و قمر ایک ہو جائیں گے۔ آسمان کبھی سیاہ دھوئیں کی طرح ہو گا اور کبھی آگ کے شعلے کی طرح ہو گا۔ غرض یہ ایک ہولناک گھڑی ہو گی اور اس میں انسان سخت خوفزدہ ہو گا۔

غرض ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کو اس بات سے ڈراتا ہے ہیں کہ اس روز آسمان کو چیرتا ایک بادل نمودار ہوں گے اور اس دن فرشتوں کے پرے کافرین پر نازل ہوں گے 'جیسا کہ ان کا مطالبہ تھا۔ یہ مطالبہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لیے نہ کرتے تھے یہ فرشتے اللہ کے حکم سے اللہ کا عذاب لے کر آئیں گے۔

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا (۲۵ : ۲۶) "اور منکرین کے لیے یہ بڑا سخت دن ہو گا"۔ کیونکہ اس دن میں سخت عذاب سامنے ہو گا اس لیے وہ ایک ہولناک دن ہو گا۔ یہ لوگ کم علمی سے نزول ملائکہ کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ ملائکہ عذاب لے کر آتے ہیں۔

اس کے بعد قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر لایا جاتا ہے۔ اس میں یہ گمراہ اور ظالم بہت زیادہ شرمندہ ہوں گے۔ یہ منظر بہت ہی طویل ہے۔ اس قدر طویل کہ ناظرین یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ منظر چلتا ہی رہے گا۔ یہ ظالم نہایت ندامت اور حسرت کی وجہ سے ہاتھ کاٹ رہا ہے 'خود اپنے ہاتھ۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا (۲۵ : ۲۷) يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا (۲۵ : ۲۸) لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ

Marfat.com

Marfat.com

اِذْ جَآءَنِيْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا (۲۵:۲۹) "ظالم انسان اپنے ہاتھ چبائے گا اور کہے گا "کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی' کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس کے بہکائے میں آکر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی' شیطان انسان کے حق میں بڑا ہی بے وفا نکلا"۔ یہ شخص اس گہرے تاسف کا اظہار کر رہا ہے اور اس کے ماحول پر سناٹا چھایا ہوا ہے۔ یہ شخص اپنی حسرتناک آواز کو بلند کرتے چلا جاتا ہے۔ اس کی چیخیں اس قدر دلدوز ہیں اور ان کا اثر اس قدر طویل ہے کہ یہ محفل طویل ہوتی جا رہی ہے۔ اثرات عمیق ہوتے جا رہے ہیں۔ یہاں تک آج بھی ان آیات کا پڑھنے والا گہرا تاسف لے لیتا ہے۔ منظر کو دیکھنے والے شریک غم ہو جاتے ہیں۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰي يَدَيْهِ (۲۵:۲۷) "اس دن یہ ظالم اپنے ہاتھ چبائے گا"۔ یہ صرف ایک ہاتھ کو نہ چبائے گا بلکہ دونوں ہاتھوں کو چبائے گا۔ کبھی اس کو کبھی اس کو۔ یہ شدت غم کی وجہ سے اپنے ہاتھوں پر اپنا غصہ اتارے گا۔ ہاتھوں کو چبانا اشارہ اس طرف ہے کہ اس دن ظالم کی نفسیاتی حالت کیا ہو گی۔ اس کے غم اور اندوہ کو نہایت ہی مجسم فعل اور حرکت کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے یعنی غم کو یہ برداشت نہ کر سکے گا۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا (۲۵:۲۷) "کہے گا کاش میں نے رسول اللہؐ کا ساتھ دیا ہوتا"۔ رسول کے طریقے پر چلا ہوتا۔ رسول سے علیحدہ نہ ہوا ہوتا۔ گمراہ نہ ہوا ہوتا۔ وہ رسول جس کی رسالت کا وہ منکر تھا' اس لیے کہ یہ رسول بشر کیوں ہے۔

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا (۲۵:۲۸) "میری کم بختی! کاش میں فلاں کو اپنا دوست نہ بناتا"۔ فلاں کو عام کر دیا ہے۔ کسی کا نام نہیں لیا تاکہ اس میں تمام گمراہ کنند گان شامل ہو جائیں۔ تمام دوست جو دوستوں کو گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں لیکن روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کا سبب نزول عقبہ ابن ابی معیط ہے۔ یہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت ہی بیٹھتا اٹھتا تھا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضیافت کے لیے بلایا تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہاری دعوت اس وقت تک قبول نہ کروں گا جب تک تم دو باتوں کی شہادت نہ دو۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا۔ ابی ابن خلف بھی اس کا دوست تھا۔ اس نے اسے بہت ہی شرمندہ کیا۔ اور کہا تو بے دین ہو گیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں نے محمدؐ کے دین کو قبول نہیں کیا۔ لیکن اس نے کہا کہ میں تمہاری دعوت اس وقت تک قبول نہ کروں گا جب تم کلمہ شہادت ادا نہ کرو۔ حالانکہ وہ میرے گھر میں تھے اور میرا کھانا نہ کھاتے تھے۔ مجھے اس سے بڑی شرم آئی کہ وہ میرا کھانا نہ کھائے۔ اس لیے میں نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ تو ابی ابن خلف نے کہا خدا کی قسم میں تم سے تب راضی ہوں گا کہ تم اس کی گردن دبا کر اس کے منہ پر تھوکو۔ حضورؐ اسے دارالندوہ میں سجدہ کرتے ہوئے مل گئے۔ اور اس (بدبخت) نے ایسا ہی کیا۔ اسے حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ مکہ سے باہر تم جب بھی مجھے ملو گے میں تمہارا سر اڑا دوں گا۔ یہ شخص بدر کے دن گرفتار ہوا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دو۔

Marfat.com
Marfat.com

لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ (۲۵ : ۲۹) "اس کے بہکاوے میں آکر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس گئی تھی"۔ یہ دراصل شیطان تھا جو گمراہ کر رہا تھا یا شیطان کا مددگار تھا۔

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا (۲۵ : ۲۹) "اور شیطان انسان کے حق میں بڑا ہی بے وفا نکلا"۔ وہ انسان کو شرمندگی کے انجام تک پہنچاتا ہے۔ اور جب سچائی کا وقت آتا ہے کہ ہمیشہ شیطان بھاگ جایا کرتے ہیں۔ خصوصاً ہولناک اور کربناک مناظر و مواقع میں۔

یوں قرآن کریم نے ان لوگوں کے دلوں کو جھنجھوڑا۔ ان کے سامنے ان کے انجام کو کپکپا دینے والے مناظر کی شکل میں پیش کیا۔ اس طرح کہ گویا وہ ایک واقعہ ہے جسے دیکھا جا رہا ہے۔ حالانکہ وہ لوگ ابھی اس زمین پر ہی ہیں جو اللہ کی تکذیب کر رہے ہیں اور اللہ کے سامنے پیش ہونے کا بڑی حقارت کے ساتھ انکار کر رہے ہیں اور ایسے مطالبات کر رہے ہیں جو بیہودہ ہیں۔ حالانکہ وہاں نہایت ہی خوفناک صورت حال سے دوچار ہونے والے ہیں اور نہایت ہی شرمساری اور ندامت سے دوچار ہوں گے لیکن اس وقت ندامت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اب روئے سخن مناظر قیامت سے اس دنیا کی طرف آجاتا ہے۔ رسول اللہؐ کے حوالے سے انہوں نے جو موقف اختیار کر رکھا ہے اس پر بات ہوتی ہے۔ اب ان کا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید سب کا سب ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہیں ہو گیا۔ موجودہ انداز نزول قرآن قابل اعتراض ہے۔ اس سوال و جواب کا خاتمہ بھی قیامت کے منظر پر ہوتا ہے کہ جس طرح ان کا اعتراض الٹا ہے' اسی طرح وہ جہنم میں الٹے ڈالے جائیں گے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا
وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً
وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ
بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى ۲
وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع ۱۴

"اور رسول کہے گا کہ اے میرے رب' میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانہ تضحیک بنا لیا تھا۔ اے نبیؐ' ہم نے تو اسی طرح مجرموں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے اور تمہارے لیے تمہارا رب ہی رہنمائی اور مدد کو کافی ہے۔ منکرین کہتے ہیں اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا؟"۔ ہاں ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح

Marfat.com
Marfat.com

ہم تمہارے ذہن نشین کرتے ہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دی ہے اور (اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ جب کبھی وہ تمہارے سامنے کوئی نرالی بات (یا عجیب سوال) لے کر آئے' اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں دے دیا اور بہترین طریقے سے بات کھول دی۔ جو لوگ اوندھے منہ جہنم کی طرف دھکیلے جانے والے ہیں' ان کا موقف بہت برا ہے اور ان کی راہ حد درجہ غلط"۔

انہوں نے اس قرآن کو چھوڑ دیا جو اللہ نے اپنے بندے پر نازل کیا تھا تاکہ ان کو ڈرائے۔ اور ان کو بصیرت عطا کرے۔ انہوں نے قرآن کو اس طرح چھوڑا کہ اسے سننے سے بھی دور بھاگے' مبادا اس خوف کے کہ اگر انہوں نے سن لیا تو وہ اپنی بے پناہ تاثیر سے ان کو متاثر کرے گا۔ اور وہ اس کے اثرات کو مسترد نہ کر سکیں گے۔ انہوں نے اگر سنا بھی تو اس کے مضامین پر غور و فکر نہ کیا تاکہ وہ سچائی کو پا سکیں اور اس کی راہ پر چلیں۔ انہوں نے اسے اس طرح چھوڑا کہ اسے اپنا دستور حیات نہ بنایا۔ حالانکہ وہ نازل اسی لیے کیا گیا تھا کہ وہ اسے نظام حیات بنائیں۔

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (۲۵: ۳۰) "اور رسول کہے گا اے میرے رب' میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانہ تضحیک بنا لیا تھا"۔ اور رب تعالیٰ تو جانتا تھا کہ ایسا ہوا ہے لیکن یہ فریاد اور انابت الی اللہ کے طور پر دعا ہے اور اللہ کو بھی معلوم ہے اور اللہ اس کی شہادت دے رہا ہے کہ رسولؐ نے اس سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے لیکن یہ قوم کا قصور ہے کہ اس نے اس قرآن کو نہ سنا اور نہ اس پر غور کیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ یہ تو تمام نبیوں کو پیش آنے والا ایک عام طرز عمل ہے۔ یہ سنت جاریہ ہے اور تمام رسولوں نے ایسی ہی صورت حالات کا مقابلہ کیا۔ تمام انبیاء کو ایسے حالات پیش آئے کہ ان کی اقوام نے قرآن کریم اور ان کی دعوت کے ساتھ مذاق کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا لیکن اللہ کی مدد اپنے رسولوں کے ساتھ شامل رہی اور اللہ نے اپنے رسولوں کو ایسے راستے بتائے کہ وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہو کر رہے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا

(۲۵: ۳۱) "اے نبیؐ' ہم نے تو اسی طرح مجرموں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے اور تمہارے لیے تمہارا رب ہی راہنمائی اور مدد کے لیے کافی ہے"۔ اللہ کی حکمت اچھے انجام تک پہنچنے والی ہے۔ کسی اسلامی تحریک کے مقابلے میں جب مجرم اٹھ کھڑے ہوں اور مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں تو اس سے تحریک کے اندر قوت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس طرح تحریک سنجیدہ ہو جاتی ہے۔ ایک سچی دعوت اور جھوٹی دعوت کے درمیان فرق ہی یہ ہوتا ہے کہ سچی دعوت کے مقابلے میں لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک سچی دعوت کے حاملین کو مشکلیں پیش آتی ہیں۔ اور یہ کشمکش ہی دعوت حق کو باطل دعوتوں سے ممیز کرتی ہے۔ اس کشمکش کے نتیجے میں سچے پیروکار چھٹ کر جم جاتے ہیں اور باطل کے حاملین بھاگ جاتے ہیں۔ دعوت کی پشت پر وہی لوگ رہ جاتے ہیں جو خالص اور مخلص ہوں جو مفادات کے بندے نہیں ہوتے۔ صرف اور صرف دعوت اسلامی ہی ان کا نصب العین ہوتی ہے۔ اور وہ صرف رضائے الٰہی چاہنے والے ہوتے ہیں۔

اگر دعوت اسلامی کا کام آسان ہوتا اور اس کے سامنے ردعمل واہ واہ کا ہوتا اور داعی کی راہ پر پھول بچھائے جاتے

Marfat.com

Marfat.com

اور کوئی دشمن اور ناقد نہ ہوتا تو ہر کہ ومہ دعوت اسلامی کا حامل ہو جاتا۔کیونکہ نہ کوئی عناد کرنے والا ہوتا اور نہ کوئی جھٹلانے والا اور پھر دعوت حق اور دعوت باطل کے درمیان کوئی فرق بھی نہ ہوتا اور دنیا میں انتشار اور فتنہ برپا ہو جاتا۔ لیکن ہر سچی دعوت کے مقابلے میں اللہ نے دشمن اور مدعی پیدا کر دیئے اور اللہ نے داعیوں کے لیے جدوجہد کرنا اور مقابلہ کرنا ضروری قرار دیا اور راہ حق میں قربانی دینا اور مشکلات برداشت کرنا زاد راہ قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی راہ میں جدوجہد وہی کرتا ہے جو سچا ہو۔مشکلات اور قربانیوں کو وہی شخص برداشت کرتا ہے جو سچا مومن ہو۔ایسے لوگ جو اپنے آرام اور عیش و عشرت کو دعوت حق کی راہ میں قربان کرتے ہیں۔اور حیات دنیا کی لذتوں کو خیر باد کہتے ہیں بلکہ وہ اس راہ میں جان تک دے دیتے ہیں اگر دعوت کا تقاضا ہو کہ اب جان دینے کا وقت آگیا ہے۔اس عظیم جدوجہد کے لیے وہی لوگ تیار ہوتے ہیں جو مضبوط اور ثابت قدم ہوں جو پکے مومن ہوں۔پختہ ایمان رکھتے ہوں۔وہ اس اجر کے زیادہ مشتاق ہوں جو اللہ کے ہاں ہے بجائے اس اجر کے جو لوگوں کے پاس ہے۔جب یہ صورت حالات پیش آجائے تو پھر سچی دعوت اور جھوٹی دعوت کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ایسے حالات میں دعوت اسلامی کی صفوں کی تطہیر ہو جاتی ہے اور مضبوط قوی اور ثابت قدم لوگ چھٹ کر جدا ہو جاتے ہیں اور کمزور لوگ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔پھر دعوت اسلامی ان لوگوں کو لے کر آگے بڑھتی ہے جنہوں نے ثابت قدمی کا امتحان پاس کر لیا ہوتا ہے۔ اور وہی لوگ پھر اس دعوت کے امین اور لیڈر ہوتے ہیں اور یہی اس کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔یہ لوگ بھاری قیمت ادا کر کے اس مقام تک پہنچتے ہیں۔یہ لوگ سچائی کے ساتھ اس دعوت کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔پختہ ایمان کے ساتھ' تجربے اور آزمائشوں نے ان کو بتا دیا ہوتا ہے کہ اس دعوت کو مشکل سے مشکل حالات میں انہوں نے کس طرح لے کر چلنا ہے۔شدائد اور مشکلات نے ان کی پوری قوت کو حساس بنا لیا ہوتا ہے اور ان کی قوت کا سرچشمہ اور طاقت کا ذخیرہ بڑھ جاتا ہے اور وہ مشکل سے مشکل صورت حالات میں دعوت کے جھنڈے اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس دنیا میں عموماً یوں ہوتا ہے کہ دعوت اسلامی کے حاملین اور ان کے مخالفین کے درمیان جو کشمکش برپا ہوتی ہے۔ لوگوں کی ایک عظیم تعداد اس میں غیر جانبدار ہو کر تماشا دیکھتی ہے۔یہ تماشا بین آبادی جب دیکھتی ہے کہ دعوت اسلامی کے حاملین اپنے نظریہ اور مقصد کی خاطر عظیم قربانیاں دے رہے ہیں اور بے حد و حساب مشکلات برداشت کر رہے ہیں اور بڑی ثابت قدمی اور یکسوئی کے ساتھ اپنی راہ پر جا رہے ہیں تو پھر یہ تماشا بین عوام الناس سوچنے لگتے ہیں کہ دعوت اسلامی کے حاملین آخر کیوں اس قدر قربانیاں دے رہے ہیں اور مشکلات برداشت کر رہے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ مقاصد بہت ہی مفید' بہت ہی قیمتی ہوں گے اور وہ جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانی دے رہے ہیں شاید ان چیزوں سے وہ مقاصد زیادہ قیمتی ہوں۔اب یہ لوگ دعوت اسلامی کی اصل قدر و قیمت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔جب بات عامۃ الناس کی سمجھ میں آجاتی ہے تو وہ پھر فوج در فوج دعوت اسلامی میں داخل ہوتے ہیں اور وہ تماشا دیکھنے کے بجائے اب خود تماشا بن جاتے ہیں۔

یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے اللہ نے ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے ایک دشمن پیدا کیا۔یہ مجرمین دعوت اسلامی کی راہ روکنے کی سعی کرتے ہیں۔پھر نبی اور ان کے بعد ہر حامل حق ان مجرمین کا مقابلہ کرتے ہیں۔ان کو مشکلات درپیش آتی ہیں اور وہ اپنی راہ میں چلتے ہی جاتے ہیں۔اور ایسے لوگوں کے لیے کامیابی مقدر ہوتی ہے۔اور ان کو اچھی طرح علم ہوتا

Marfat.com

ہے کہ آخر کار وہ اس انجام تک پہنچیں گے۔ آخر میں ان کو ہدایت اور نصرت مل جاتی ہے۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا (۲۵: ۳۱) "اور تمہارے لیے تمہارا رب ہی راہنمائی اور مدد کو کافی ہے"۔ انبیاء کے راستے میں مجرمین کا نمودار ہونا ایک طبیعی امر ہے۔ اس لیے کہ دعوت حق ہمیشہ اپنے مناسب اور مقرر وقت پر نمودار ہوتی ہے جبکہ کوئی مخصوص سوسائٹی فساد پذیر ہو جاتی ہے یا پوری انسانیت فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔ لوگوں کے قلب و نظر فساد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دنیا کا نظام بگڑ جاتا ہے۔ لوگوں کے باہم روابط بگڑ جاتے ہیں۔ اس فساد اور بگاڑ کی پشت پر مجرم لوگ ہوتے ہیں' جو ایک طرف فساد کرتے ہیں پھر وہ اس فساد اور بگاڑ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ اس فساد کے ہم مسلک اور ہم مشرب ہوتے ہیں۔ ان کی خواہشات اسی فساد زدہ معاشرے میں پوری ہوتی ہیں۔ اور ان کے وجود میں جو فساد اور بگاڑ ہوتا ہے اس کے لیے وجہ جواز وہ معاشرے سے نکالتے ہیں کہ بس معاشرہ ہی ایسا ہے۔ اس لیے یہ بالکل طبیعی بات ہے کہ ایسے لوگ انبیاء کی راہ روک کر کھڑے ہو جائیں اور انبیاء کے دور کے بعد ان لوگوں کی راہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں جو انبیاء کی دعوت کو لے کر رکھتے ہیں کیونکہ یہ مجرم دراصل ان کے بگڑے ہوئے وجود کا دفاع ہوتا ہے' اس لیے کہ حشرات میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو پاک و صاف اور خوشبو دار اور شفاف ماحول میں زندہ ہی نہیں رہتے' فوراً مر جاتے ہیں اس لئے کہ یہ گندے ماحول میں رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔ بعض کیڑے ایسے ہوتے ہیں جو صاف پانی میں مر جاتے ہیں' کیونکہ وہ صرف گندے اور سڑے ہوئے پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ یہی حال ان مجرموں کا ہوتا ہے لہٰذا یہ طبیعی امر ہے کہ وہ دعوت حق کے دشمن ہوں اور اس کے مقابلے میں جان دینے کے لیے تیار ہوں اور یہ بھی بالکل طبیعی امر ہے کہ آخر میں دعوت اسلامی کو کامیابی ہو کیونکہ دعوت اسلامی زندگی کی ترقی پذیر لائنوں پر چلنے والی ہوتی ہے۔ اور اس طرح دعوت اسلامی کو وہ عروج نصیب ہوتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرمایا ہوتا ہے۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا (۲۵: ۳۱) "اور تمہارے لیے تمہارا رب ہی راہنمائی اور مدد کو کافی ہے"۔ اس کے بعد اب کفار کے اعتراضات بابت طریقہ نزول قرآن نقل کیے جاتے ہیں اور ان کی تردید کی جاتی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (۲۵: ۳۲) "منکرین کہتے ہیں اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا؟"--- ہاں ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے ہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دی ہے"۔

قرآن کریم نازل ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ اس کے ذریعے ایک امت کی تربیت کی جائے۔ ایک نیا معاشرہ وجود میں لایا جائے۔ اس معاشرے میں ایک نیا نظام وجود میں لایا جائے۔ اور تربیت اس بات کی محتاج ہے کہ انسان کو بار بار تلقین کی جائے اور وہ متاثر ہوتا جائے۔ اور یہ تاثیر اور تاثر ایک مسلسل حرکت کے ذریعہ جاری رہے کیونکہ انقلاب انسانوں کے اندر پیدا کرنا مطلوب ہوتا ہے اور انسان ایک ایسی ذات ہے کہ اسے صرف ایک شب و روز میں تربیت نہیں دی جا سکتی کہ

Marfat.com
Marfat.com

بس اس کے ہاتھ میں ایک نئے نظام پر مشتمل ایک کتاب پکڑا دی جائے۔اور اس میں جدید معاشرے کے مکمل خدوخال ہوں بلکہ انسانوں کی تربیت یوں ہوتی ہے کہ اسے تدریج کے ساتھ ایک طویل عرصے کے بعد بدلا جاتا ہے۔اور یہ تبدیلی اس کے اندر آہستہ آہستہ آتی رہتی ہے۔ ہر دن کی غذا کے بعد دوسرے دن وہ زیادہ غذا کے لیے تیار ہوتا ہے اور دوسرے دن کی خوراک وہ پھر بڑی خوشی سے لیتا ہے اور بڑے مزے سے قبول کرتا ہے۔

قرآن کریم زندگی کا ایک مکمل نظام لے کر آیا ہے اور قرآن کریم نے انسانوں کی تربیت کے لیے بھی ایک فطری منہاج اختیار کیا۔یہ منہاج اس ذات کی طرف سے تھا جس نے انسان کو پیدا کیا تھا اس لیے قرآن کریم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا گیا تاکہ وہ جماعت مسلمہ کی حقیقی اور زندہ موجود ضروریات کو پورا کرتا چلا جائے۔کیونکہ یہ جماعت آہستہ آہستہ تعمیر ہو رہی تھی۔وہ اپنی استعداد کے مطابق' اپنی قوت کے مطابق ایک ایک قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ ٹھیک ٹھیک اللہ کے حقیقی منہاج تربیت کے مطابق۔چنانچہ قرآن مجید کو بیک وقت منہاج تربیت اور نظام زندگی کی تشکیل کے لیے اتارا گیا۔اس لیے اس کا متفرق نزول لازمی تھا۔یہ محض کوئی علمی ثقافتی اور ادبی کتاب نہ تھی کہ مکمل شکل میں اسے تصنیف کر کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھما دیا جاتا۔اور لوگ اسے پڑھتے رہتے اور مزے لیتے رہتے۔اور بس اس پر عمل کی ضرورت نہ ہوتی۔بلکہ یہ تو حرف حرف' کلمہ اور ایک ایک حکم کے طور پر آیا۔اس کی ہر آیت حکم الیوم (آرڈر آف دی ڈے) کے طور پر آئی۔مسلمان حکم پاتے اور ان پر عمل کرتے۔جیسا کہ ایک فوجی احکام لیتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔وہ اس حکم کو لیتا ہے سمجھتا ہے اور نافذ کر دیتا ہے۔خود بھی اس کی کیفیت میں ڈوب جاتا ہے اور معاشرے کو اس میں غرق کر دیتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ قرآن متفرق طور پر نازل ہوا ہے' تاکہ رسول کے قلب کے اندر اچھی طرح جاگزیں ہو۔حضورؐ سے پہلے خود اس پر ثابت قدم ہو جائیں اور ایک ایک جز کے بعد اس کا دوسرا جز آئے اور اس پر عمل ہوتا رہے۔

كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (۲۵: ۳۲) "ہاں ایسا ہی کیا گیا تاکہ ہم اس کو اچھی طرح ہمارے ذہن نشین کرتے رہیں اور ہم نے اسے ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دی"۔ ترتیل کا مفہوم یہاں اللہ کی حکمت کے مطابق آگے پیچھے نازل کرنا ہے' اللہ کے علم کے مطابق اور لوگوں کی ضرورت کے مطابق اور اللہ کی اس حکمت کے مطابق جس کی رو سے اللہ جانتے تھے کہ لوگوں کے اندر کس قدر احکام و ہدایات قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی ہے۔

قرآن کریم نے اپنے پے در پے منہاج نزول کے ذریعہ ان لوگوں کی تربیت کے میدان میں معجزات دکھائے۔لوگ اس کے نزول سے دن بدن تاثرات لیتے رہے۔اور ان کے اخلاق کی تشکیل آہستہ آہستہ ہوتی رہی۔جب مسلمانوں نے قرآن مجید کا منہاج تربیت فراموش کر دیا اور قرآن مجید کو انہوں نے محض علم و ثقافت کے طور پر پڑھنا شروع کر دیا اور قرآن کو ایک ایسی کتاب تصور کر لیا جسے فقط پڑھا جاتا ہے' اس کے مطابق معاشرے کو ڈھالنا ضروری نہیں ہے' اس کی کیفیات میں ڈوبنا ضروری نہیں ہے اور نہ اس کے مطابق نظام زندگی قائم کرنا ضروری ہے تو مسلمانوں نے اس قرآن سے نفع لینا ترک کر دیا اور قرآن نے ان کو نفع دینا چھوڑ دیا کیونکہ مسلمانوں نے وہ منہاج تربیت ہی ترک کر دیا جو ان کے

Marfat.com

لیے علیم و خبیر نے قرآن میں منضبط کیا تھا۔ یعنی یہ کہ اسے ایک ایک کر کے عمل میں لایا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین جو نکتہ اعتراض اٹھاتے تھے۔ جو نئے نئے اعتراضات کرتے تھے جو مطالبات کرتے تھے۔ یہ قرآن اپنے منہاج نزول متفرق کے ذریعے ایک ایک کا تشفی بخش جواب دے دیتا تھا۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا (۲۵: ۳۳) "اور جب کبھی وہ تمہارے سامنے کوئی نرالی بات لے کر آئے اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں دے دیا اور بہترین طریقے سے بات کھول دی"۔ یہ لوگ باطل طریقے سے مجادلہ کرتے تھے اور اللہ ان کے جواب میں حق اتارتا تھا جو باطل کا سر کچل کر رکھ دیتا تھا۔ کیونکہ قرآن مجید کی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ دنیا میں حق جم جائے۔ محض بحث و مباحثے میں کامیابی مقصود نہ تھی بلکہ حق کو دنیا میں قوت دینا' واضح کرنا اور غالب کرنا مقصود تھا۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ آپؐ کے اور آپؐ کی قوم کے درمیان ہر قسم کے مجادلے میں آپؐ کی مدد کرے گا۔ کیونکہ آپؐ حق پر ہیں اور حق کے ساتھ اللہ آپؐ کی امداد کرتا ہے اور باطل کو مٹاتا ہے۔ تو اللہ کی جانب ہوئی حجت بالغہ کے مقابلے میں ان کا مجادلہ اور مباحثہ کس طرح ٹھہر سکتا تھا کیونکہ آپؐ کے پاس رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی سچائی تھی جو ایک گولے کی طرح باطل کے سر پر لگتی تھی اور اسے کچل کر رکھ دیتی تھی۔

یہ بات اب اس مضمون پر ختم ہوتی ہے کہ کس طرح وہ قیامت کے دن جہنم رسید کیے جائیں گے۔ کیونکہ وہ حق کا انکار کرتے تھے اور اسلام کے خلاف مجادلے میں اور مقابلے میں وہ الٹی منطق استعمال کرتے تھے' اس لیے قیامت میں بھی انہیں منہ کے بل الٹا کر لایا جائے گا۔

الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا

(۲۵: ۳۴) "جو لوگ اوندھے منہ جہنم کی طرف دھکیلے جانے والے ہیں' ان کا موقف بہت برا ہے اور ان کی راہ حد درجہ غلط"۔ حشر کے دن ان کی حالت کو ذرا دیکھئے' منہ کے بل اٹھیں گے نہایت ہی توہین آمیز انداز میں۔ اس لیے کہ دنیا میں یہ تکبر کی وجہ سے منہ پھیرتے تھے۔ ان کا یہ منظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے' تاکہ آپؐ کو تسلی ہو کہ یہ لوگ اس وقت آپؐ کو اذیت دیتے ہیں لیکن ان کا انجام بہت ہی برا ہونے والا ہے۔ اور اس کا ایک منظر آپؐ کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ مجرد یہ منظر ہی ان کی اکڑ کو ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور یہ لوگ ایسے مناظر سے ڈر کر متاثر بھی ہوتے تھے مگر پھر بھی حجت کر کے اپنے اوپر اس برے انجام کو لازم کرتے تھے اور اس عناد کی وجہ سے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

---ooo---

اب روئے سخن ان سابق اقوام کی طرف پھر جاتا ہے جنہوں نے تکذیب کی اور ہلاک کر دیئے گئے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ﴿۳۵﴾

Marfat.com
Marfat.com

فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

"ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو مددگار کے طور پر لگایا اور ان سے کہا کہ جاؤ اس قوم کی طرف جس نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے۔ آخر کار ان لوگوں کو ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا۔ یہی حال قوم نوح کا ہوا۔ جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ ہم نے ان کو غرق کر دیا اور دنیا بھر کے لوگوں کے لیے ایک نشان عبرت بنا دیا اور ان ظالموں کے لیے ایک دردناک عذاب ہم نے مہیا کر رکھا ہے۔ اسی طرح عاد اور ثمود اور اصحاب الرس اور بیچ کی صدیوں کے بہت سے لوگ تباہ کیے گئے ان میں سے ہر ایک کو ہم نے (پہلے تباہ ہونے والوں کی) مثالیں دے دے کر سمجھایا اور آخر کار ہر ایک کو غارت کر دیا اور اس بستی پر تو ان کا گزر ہو چکا ہے جس پر بدترین بارش برسائی گئی تھی۔ کیا انہوں نے اس کا حال دیکھا نہ ہو گا؟ مگر یہ موت کے بعد دوسری زندگی کی توقع ہی نہیں رکھتے"۔

یہ چند مثالیں سرسری مثالیں ہیں جن میں مکذبین کا انجام دکھایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جاتی ہے ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر اور امدادی رسول بنایا جاتا ہے اور ان کو اس قوم کے مقابلے میں بھیجا جاتا ہے جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا۔

اَلْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا (۲۵:۳۶) یہ تھے فرعون اور اس کے سردار جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ آیات الٰہیہ کا انکار حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو منصب رسالت عطا کیے جانے سے پہلے بھی کرتے تھے۔ کیونکہ اللہ کی آیات تو قائم و دائم ہیں۔ اس کائنات میں بھی ہیں اور انفس میں بھی ہیں' رسولوں کا کام صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ابھی دوسری آیت ختم نہیں ہوئی کہ بڑی سختی سے انجام بتا دیا جاتا ہے۔

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا (۲۵:۳۶) "آخر کار ان لوگوں کو ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا ہے"۔

اس کے بعد قوم نوح کا حال

كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ (۲۵:۳۷) "انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو غرق کر دیا"۔

قوم نوح نے تو صرف ایک رسول حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت نوح نے جو عقیدہ ان

Marfat.com

کے سامنے پیش کیا تھا وہ تمام نبیوں کا عقیدہ تھا۔ جب انہوں نے حضرت نوح کو جھٹلایا تو گویا تمام رسولوں کو جھٹلا دیا۔

وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً (۲۵: ۳۷) "اور ان کو دنیا بھر کے لوگوں کے لیے نشان عبرت بنا دیا"۔ کیونکہ طوفان کا معجزہ کبھی بھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ جو شخص بھی طوفان کے اس واقعہ پر غور کرے گا اسے عبرت حاصل ہو گی۔

وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا (۲۵: ۳۷) "اور ان ظالموں کے لیے ایک دردناک عذاب ہم نے تیار کر رکھا ہے"۔ یہ عذاب حاضر و موجود ہے۔ کسی تیاری کی ضرورت نہ ہو گی۔ ظالمین کا لفظ ضمیر کی جگہ استعمال کیا گیا تاکہ یہ ان کا دائمی لقب ہو اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ عذاب ان کو ان کے ظلم کی وجہ سے دیا جائے گا۔ پھر عاد، ثمود اور اصحاب الرس (وہ لوگ جن کے کنویں کی دیواریں نہ اٹھائی گئی تھیں، یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ یمامہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے اور انہوں نے اپنے نبی کو قتل کر دیا تھا۔ ابن جریر نے تو کہا ہے کہ یہ اصحاب الاخدود ہیں جنہوں نے مومنین کو جلا دیا تھا۔ جس کا ذکر سورہ بروج میں آیا ہے)۔ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ جو بعد کے ادوار میں آتے رہے سب کو اللہ نے ہلاک کر کے نشان عبرت بنایا۔ انہوں نے پیغمبروں کی دعوت پر غور نہ کیا اور ہلاکت سے نہ بچ سکے۔

یہ تمام مثالیں، قوم موسیٰ، نوح، عاد، ثمود، اصحاب الرس، درمیان زمانوں کی اقوام اور وہ قوم (لوط) جس پر بری بارش کی گئی۔ یہ سب اقوام ایک ہی راہ اور ایک ہی انجام تک پہنچیں۔ اور سب کو اللہ نے نشانہ عبرت بنایا۔

وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا (۲۵: ۴۰) "سب کو ہم نے ہلاک کر دیا بے دردی سے"۔ کیونکہ انہوں نے نبیوں کی تکذیب کی اور جو اقوام نبیوں کی تکذیب کرتی ہیں وہ ٹوٹ پھوٹ اور ہلاکت کے انجام سے دوچار ہوتی ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ ان ساری اقوام کے المناک انجام پر نہایت ہی سرسری نظر ڈالتا ہے اور یہ سریع الحرکت بیان آکر حضرت لوط کی قوم کے بیان پر ختم ہوتا ہے جو ان کے اسفار شتاء و صیف میں شاہراہ عام پر ان کو خوب نظر آتا ہے۔ اللہ نے اس قوم کو آتش فشانی کے عمل کے ذریعہ ہلاک کیا۔ ان پر پتھروں کی بارش کر دی گئی۔ اور اس طرح ان کو پوری طرح ہلاک کر دیا گیا۔ تعجب ہے کہ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے اور سنتے ہوئے یہ لوگ پھر بھی مکذبین کے انجام سے کوئی عبرت نہیں لیتے۔ یہ قیامت کا خوف اپنے دل میں نہیں رکھتے۔ اللہ کے سامنے پیشی سے نہیں ڈرتے۔ یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کے دل پتھر بن گئے ہیں، مسخ ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں انہوں نے کینہ، عناد، استکبار اور مذاق کا رویہ اختیار کیا ہے اور قرآن پر یہ طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔

اقوام مکذبہ پر اس سرسری نظر کے بعد روئے سخن اب ان لوگوں کے مزاحیہ انداز کی طرف پھر جاتا ہے۔ اس سے قبل انہوں نے اللہ کی شان میں بھی ایسی ہی گستاخی کی تھی۔ اور کہا تھا کہ یہ قرآن موجودہ انداز سے کیوں نازل ہو رہا ہے۔ ایک ایک سورہ، ایک ایک آیت۔ نیز اس سے قبل وہ مناظر بھی دکھائے جا چکے ہیں جو قیامت میں ان کے انتظار میں ہیں۔ اور پھر وہ نشانات عبرت بھی دکھائے جا چکے ہیں جو اس کرۂ ارض پر مکذبین کو ہلاک کر کے تاریخ کا حصہ بنائے گئے ہیں۔ یہ سب باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ لوگ جو مزاح کرتے تھے۔ اب قرآن مجید کا بیان آتا ہے اور اس پر تبصرہ کر کے بتایا جاتا ہے کہ یہ لوگ تو حیوانوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

Marfat.com

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ
لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ
الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ
عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ
ع ۴ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

۲ ”یہ لوگ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق بنا لیتے ہیں (کہتے ہیں) ”کیا یہ شخص ہے جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اس نے تو ہمیں گمراہ کر کے اپنے معبودوں سے برگشتہ ہی کر دیا ہوتا۔ اگر ہم ان کی عقیدت پر جم نہ گئے ہوتے“۔ اچھا' وہ وقت دور نہیں ہے جب عذاب دیکھ کر انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہی میں دور نکل گیا تھا۔ کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو۔ کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں' بلکہ ان سے بھی گئے گزرے“۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں دیکھے سنے ہوئے تھے۔ قبل بعثت آپ ان کے ہاں اک نہایت معتبر شخص تھے۔ آپ بنی ہاشم کے ایک چوٹی کے فرد تھے جو قریش کے چوٹی کے لوگ تھے۔ اپنے اخلاق کی وجہ سے بھی آپ بڑے مرتبے اور مقام کی شخصیت تھے اور بعثت سے قبل صادق اور امین مشہور تھے۔ جب تعمیر خانہ کعبہ کے وقت حجر اسود رکھنے کے مسئلے پر قریش کے اندر اختلافات پیدا ہو گئے تو تمام لوگ اس بات پر تیار ہو گئے کہ آپ اس پتھر کو نصب کر دیں اور جب آپ نے ان کو صفا پر بلایا اور ان سے پوچھا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے اس طرف ایک فوج آپ لوگوں پر حملہ آور ہو رہی ہے تو کیا آپ میری بات کو تسلیم کریں گے تو سب نے کہا' ہاں آپ ہمارے ہاں متہم نہیں ہیں۔

لیکن بعثت کے بعد قرآنی دعوت پیش کرنے کے بعد وہی تھے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاق کرتے تھے۔

اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا (۲۵: ۴۱) ”کیا یہ شخص ہے جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے“۔ یہ فقرہ وہ بطور مذاق کہتے تھے۔ کیا یہ بات تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وہ مذاق کرنا چاہتے تھے یا قرآن کریم میں کوئی ایسی بات تھی جس کے ساتھ مذاق کیا جا سکتا تھا۔ نہیں' یہ دونوں باتیں نہ تھیں بلکہ یہ بات وہ کبرائے قریش کے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کہتے تھے۔ اس طرح وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت کی کردار کشی کرنا چاہتے تھے۔ اور اس طرح وہ قرآن کریم کے بے پناہ اثرات کو کنٹرول کرنا چاہتے تھے۔ یہ انہوں نے اس جدید دعوت کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک تدبیر اختیار کی تھی کیونکہ سابقہ معاشرے میں ان کو جو مقام اور مرتبہ

Marfat.com

حاصل تھا' اس کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ نیز ان کے بعض اقتصادی مفادات سابقہ نظام جاہلیت سے وابستہ تھے۔ یہ منصبی اور اقتصادی حیثیت ان کو ان نظریاتی خرافات کی وجہ سے حاصل تھی جو عربی معاشرے پر چھائے ہوئے تھے اور قرآن ان خرافات لایعنی کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک رہا تھا۔

یہ لوگ جدید دعوت کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑی بڑی مجلسیں کرتے تھے۔ ان مجالس میں یہ لوگ اس قسم کے غلط پروپیگنڈے اور جھوٹے کردار کشی کے فیصلے کرتے تھے۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ یہ سب کچھ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ ایک بار ولید ابن مغیرہ کے پاس قریش کے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ بڑا معمر اور دانشور شخص تھا۔ موسم حج قریب تھا۔ اس نے ان قریشیوں سے کہا کہ موسم حج آنے والا ہے۔ تمام عالم عرب سے وفود مکہ آئیں گے۔ انہوں نے تمہارے اس آدمی کے بارے میں تو سن رکھا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ اس کے بارے میں تم اپنی رائے ایک کر لو۔ یہ نہ ہو کہ تم مختلف باتیں کرو۔ اور ایک دوسرے کی تکذیب کرتے پھرو۔ انہوں نے کہا عبدالشمس کے باپ بس تم ہی بتا دو تم ایک رائے قائم کر کے ہمیں کہدو ہم سب وہی بات کریں گے' یہ سنکر اس نے کہا کہ پہلے تم بتاؤ کہ تم کیا کہو گے۔ میں دیکھوں کہ تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم اس کے بارے میں کہیں گے کہ یہ ایک کاہن ہے۔ اس نے کہا' خدا کی قسم یہ بات غلط ہے۔ یہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ یہ نہ ان کی طرح گنگناتا ہے اور نہ ان کی طرح سجع بندی کے ذریعے بات کرتا ہے۔ انہوں نے کہا: تو پھر ہم کہیں گے کہ یہ مجنوں ہے۔ تو اس نے کہا کہ یہ مجنوں بھی نہیں ہے۔ ہم مجنونوں کو اچھی طرح دیکھتے اور جانتے ہیں۔ نہ مجنوں کی طرح اس کا گلا گھٹتا ہے نہ اسے کوئی خلجان ہے اور نہ کوئی وسوسہ ہے۔ تو انہوں نے کہا تو پھر ہم کہیں گے یہ ایک شاعر ہے۔ تو اس نے کہا وہ تو شاعر نہیں ہے۔ شعر کی اقسام اور اوزان' رجز' ہزج' قریض' مقبوض اور مبسوط کو ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا تو ہم پھر کہیں گے کہ یہ جادوگر ہے تو اس نے کہا وہ تو جادوگر نہیں ہے۔ ہم نے جادوگروں کے جادو کو دیکھا ہے۔ نہ وہ ان کی طرح پھونکتا ہے' نہ گرہیں ڈالتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ عبدالشمس کے باپ تم ہی بتاؤ کہ پھر ہم کیا کہیں؟ اس نے کہا خدا کی قسم اس کا کلام بہت میٹھا ہے۔ اس کی اساس ایک موٹے تنے پر ہے اور اس کی شاخیں تازہ پھول کی طرح ہیں۔ ان باتوں میں سے تم جو بات بھی کہو گے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ غلط بات کہی جا رہی ہے۔ بہرحال سب سے مناسب بات جو تم کہہ سکتے ہو وہ یہ ہے کہ وہ ساحر ہے اور اس کا کلام اس قدر جادو بھرا ہے کہ ایک شخص اور اس کے باپ' اس کے بھائی' اس کی بیوی اور اس کے خاندان کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ یہ بات لے کر وہ اس کے پاس سے چلے گئے۔ جب حج کا موسم آتا تو یہ لوگ راستوں میں بیٹھ جاتے' جو شخص بھی ان پر سے گزرتا اسے ڈراتے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتاتے رہتے۔

یہ ہے مثال ان کی گہری سازش اور تدبیر کی جو وہ حضورؐ کے خلاف کرتے تھے اور یہ سازش وہ جانتے ہوئے کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ اس لیے یہ جو وہ کہتے تھے: "کیا اس شخص کو اللہ کا رسول بنا کر بھیجا ہے" یہ بطور تمسخر نہ کہتے تھے' بلکہ یہ وہ گہری سازش کے تحت محض کردار کشی کے لیے کہتے تھے حالانکہ ان کا شعور گواہ تھا کہ وہ حضورؐ کو حق پر سمجھتے تھے۔ یہ باتیں کہہ کر وہ عوام کی نظروں میں حضورؐ کی شان گراتے تھے تاکہ سابقہ نظام میں ان کو جو عزت اور مرتبہ کا مقام حاصل تھا وہ باقی رہے اور جو مالی مفادات ان کو حاصل ہوتے تھے وہ ان کو حاصل ہوتے رہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو رویہ اختیار کیا' ہر زمان و مکان میں دعوت حق کے ساتھ مفاد پرست لوگ یہی سلوک کرتے ہیں۔

زبانی طور پر تو وہ مذاق کے انداز میں پروپیگنڈے کرتے تھے اور آپ کی کردار کشی کرتے تھے لیکن خود ان کی باتوں سے یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی کہ یہ لوگ حضور اکرمؐ کی دعوتؐ سے کس قدر گھبرائے ہوئے تھے۔ وہ قرآن کریم کے اٹل دلائل کے بارے میں یہ تبصرہ بھی کرتے تھے۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا (۲۵: ۴۲) "اس نے ہمیں گمراہ کر کے اپنے معبودوں سے برگشتہ کر ہی دیا ہوتا اگر ہم ان کی عقیدت پر جم نہ گئے ہوتے"۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی ذہنی دنیا میں ایک قسم کا بھونچال آگیا تھا۔ قریب تھا کہ وہ اپنے الہوں کو چھوڑ کر بھاگ جائیں لیکن وہ بڑی استقامت سے اپنے الہوں پر جم گئے۔ اپنے دین اور اس کے ساتھ وابستہ مناصب و مفادات کو بچاتے رہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے یعنی مقابلہ کر کے صبر اور مصابرت سے کام نہ لیتے تو وہ بھی اپنے الہوں کو ترک کر چکے ہوتے۔ تعجب یہ ہے کہ اپنی ہٹ دھرمی اور مفادات کی وجہ سے یہ لوگ ہدایت کو ضلالت کہتے۔ یہی تو ان کی ضلالت تھی کہ خرد کا نام جنوں رکھ رہے تھے لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نے ان کے ایوانوں میں جو زلزلہ برپا کر دیا تھا اس کو وہ چھپا نہ سکے۔ اگرچہ غایت درجہ ہٹ دھرمی اور اصرار کی وجہ سے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور قرآن پر حرف گیری کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ بھی انہیں خبردار فرماتا ہے کہ بہت جلد وہ اپنے انجام تک پہنچ جائیں گے۔

وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۲۵: ۴۲) "وہ وقت دور نہیں ہے جب عذاب دیکھ کر انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہی میں دور نکل گیا ہے"۔ ان کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ حضرت محمدؐ جو دعوت لے کر آئے تھے وہ تو ہدایت تھی اور جس پر وہ قائم تھے وہ ضلالت تھی۔ لیکن جب وقت چلا جاتا ہے تو پھر علم کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ اس وقت تو وہ عذاب دیکھ لیں گے۔ خواہ یہ عذاب دنیا کا ہو' جس طرح بدر کے دن انہوں نے خوب چکھا' یا آخرت کا ہو جسے وہ یوم الحساب میں دیکھیں گے' جانیں گے اور چکھیں گے۔

اب روئے سخن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھر جاتا ہے۔ آپ کو ان کے عناد ہٹ دھرمی اور استہزاء پر تسلی دی جاتی ہے کہ آپ نے تو دعوت پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ آپ نے پورے پورے دلائل سنا دیئے اور مناسب نہ تھا کہ ان کا ردعمل وہ ہوتا جو ہوا ہے۔ قصور صرف ان کا ہے۔ انہوں نے دراصل اپنی خواہشات نفسانیہ کو اپنا الٰہ بنا رکھا ہے۔ اور وہ کسی حجت اور برہان کی طرف توجہ کرنے والے نہیں ہیں۔ اگر لوگ نہیں مانتے تو رسول کیا کر سکتا ہے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا (۲۵: ۴۳) "کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا' کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لے آنے کا ذمہ لے سکتے ہو"۔ یہ عجیب انداز بیان ہے۔ اس سے ان کی عجیب نفسیاتی حالت کا اظہار ہوتا ہے کہ کسی شخص کا نفس تمام طے شدہ معیار' تمام مسلمہ استدلال' تمام طے شدہ اقدار کو چھوڑ کر صرف اپنی خواہش نفس' اپنی پسند اور اپنی ضد کی بندگی شروع کر دے۔ کسی استدلال' کسی برہان' کسی منطق اور کسی سنجیدہ بات پر کان نہ دھرے۔ بس صرف اپنی

Marfat.com

خواہش کو الٰہ بنا کر پوجے۔

اللہ جل شانہ اپنے بندے کو نہایت ہی نرمی' محبت' انس اور گہرے تعلق کے انداز میں پکارتا ہے۔ ارءیت کیا کبھی تم نے غور کیا ہے' کیا تمہیں معلوم ہے۔ ایسے شخص کی تصویر کشی کی جارہی ہے جس کے سامنے کوئی معقول بات پیش کرنا فضول ہے۔ وہ حجت' حقیقت اور غور وفکر کو جانتا ہی نہیں ہے۔ ان چیزوں کی اس کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کے طور پر کہا جاتا ہے کہ ایسا شخص ہدایت کے قابل ہی نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کے ذمہ ایسے شخص کی ہدایت نہیں لگائی جاسکتی اور نہ آپ ایسے شخص کے وکیل ہو سکتے ہیں۔ اور نہ ایسے لوگ ہدایت تک پہنچ سکتے ہیں۔

اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا (۲۵: ۴۳) "کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟" یہ لوگ جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود اور الٰہ بنا رکھا ہے' ان کی اصل حیثیت اور ان کا اصل مقام بھی یہاں بتا دیا جاتا ہے کہ یہ بہت ہی حقیر لوگ ہیں۔ یہ محض اپنی خواہشات اور مفادات کے بندے ہیں۔ یہ حجت اور حقیقت کے آگے جھکنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ خواہشات اور مفادات کے آگے سجدہ ریز ہونے والے ہیں۔ بلکہ ان کو اس سے بھی زیادہ گرا ہوا مقام دیا جاتا ہے کہ مقام انسانیت سے گر کر مقام حیوانیت خالصہ میں داخل ہوگئے ہیں بلکہ اس سے بھی نیچے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۲۵: ۴۴) "کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں' بلکہ ان سے بھی گئے گزرے"۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی محتاط انداز کلام اختیار فرمایا ہے۔ یہ کہا ہے اَكْثَرَهُمْ سب نہیں بلکہ ان کی اکثریت ایسی ہے۔ کیونکہ اہل مکہ کی ایک قلیل تعداد تو ابتداء ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئی تھی۔ یا ان میں سے اکثر اس پر غور کرتے تھے۔ البتہ اکثریت ایسی تھی جو محض خواہش نفسی اور مفادات کی خاطر نہ مانتی تھی۔ ان کے کانوں پر دلائل پڑتے تھے۔ ان کی عقل اسے مانتی تھی لیکن پھر بھی ضد کرتے تھے۔ یہ گویا جانور محض تھے۔ انسان اور جانور میں فرق ہی یہ ہے کہ انسان غور وفکر کرتا ہے اور پھر انسان اپنے غور وفکر کے مطابق اچھا طرز عمل بھی اختیار کرتا ہے۔ بصیرت اور قصد و ارادے سے حقائق کو اپناتا ہے۔ حجت اور دلیل سے بات کرتا ہے اور سنتا ہے۔ اور اگر انسان اپنے ان خصائص کو چھوڑ دے تو وہ بہائم سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بہائم کو اللہ نے جو شعور دیا ہے وہ تو اس سے استفادہ کرتے ہیں اور انسان کو جو عقل و دانش دی گئی ہے وہ اس سے استفادہ نہیں کرتا۔ حیوانات اپنے فرائض منصبی صحیح طرح ادا کرتے ہیں لیکن انسان ادا نہیں کرتا۔ حیوانات اپنے شعور سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور یہ اپنے تدبر سے کام نہیں لیتا۔

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۲۵: ۴۴) "یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے گمراہ"۔ یہ ہے جواب ان کے استہزاء کا۔ یعنی تم انسان ہی نہیں ہو' حیوانوں سے بدتر ہو۔ اس لیے تم سرور کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ یوں اس سبق کا خاتمہ' جواب آں غزل پر ہوتا ہے۔

---ooo---

Marfat.com

Marfat.com

درس نمبر ۱۵۹ ایک نظر میں

اس سبق میں مشرکین کے اعتراضات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے بحث و جدل کے موضوع کو چھوڑ کر اس کائنات کے مشاہد و مناظر کی سیر کرائی جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل اور آپ کے احساسات کو اس کائنات کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ مشرکین کے لایعنی اعتراضات کی وجہ سے پیدا ہونے والے غبار خاطر کو دور کرنے کے لیے، مناظر کائنات کے ساتھ یہ اتصال اور ان کی طرف یہ توجہ کافی ہے۔ کائنات کی وسعتوں کی یہ سیر آپ کے دل کے سکون اور شرح صدر کے لیے ایک وسیع میدان ہے جس کے مقابلے میں سازشیں کرنے والوں کی چھوٹی چھوٹی سازشیں اور دشمنی کرنے والوں کی بے مقصد دشمنیاں نہایت ہی حقیر نظر آتی ہیں۔

قرآن کریم انسانوں کے دل و دماغ کو ہمیشہ اس کائنات کے مشاہد و حقائق پر غور کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ انسانی سوچ اور انسانی تدبر اور مشاہدات قدرت کے درمیان ربط پیدا کیا جاتا ہے۔ اور انسان کے ذرائع شعور و ادراک کو جگا کر اس بات کے لیے تیار کرتا ہے کہ وہ ان کے مشاہد اور مناظر کو بالکل ایک جدید احساس کے ساتھ دیکھیں۔ اور مشاہد قدرت اور فطرت کے عجوبوں کی پکار کو سنیں اور ان کی پکار پر لبیک کہیں۔ قرآن انسان کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کائنات کی سیر کرے اور اس کے اندر بکھرے ہوئے دلائل قدرت اور آیات فطرت کو اخذ کر لے۔ کیونکہ یہ کائنات دراصل ایک کھلی کتاب ہے اور اس کے صفحات میں صانع کائنات کی کاریگریاں اور صنعت کاریاں ہمارے تدبر کے لیے چشم براہ ہیں۔ قرآن کریم انسان کو حکم دیتا ہے کہ وہ دست قدرت کے ان آثار کو پانے کی کوشش کرے۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنی آنکھ کو بینا، احساس کو تیز اور کانوں کو کھلا رکھے اور اپنے ان ذرائع ادراک کے ذریعے غور و تدبر کے موضوعات تلاش کرے۔ اس طرح وہ اتصال باللہ حاصل کرے یعنی اللہ کی صنعت کاریوں کے ذریعے اللہ کی ذات کی معرفت حاصل کرے۔

جب انسان اس کائنات میں کھلے دل اور کھلی آنکھوں سے زندگی بسر کرے، اس کی روح اور اس کا احساس جاگ رہا ہو۔ اس کی فکر اور اس کی سوچ مربوط ہو، تو اس پر دنیا کی معمولی وابستگیوں سے ذرا بلند ہو جاتی ہے۔ اور اس کا تصور حیات بلند ہو جاتا ہے اور اس کا احساس بہت تیز ہو جاتا ہے۔ پھر وہ سوچنے لگتا ہے کہ اس محدود دنیا کے مقابلے میں کائنات کے آفاق بہت ہی وسیع ہیں۔ پھر اس کائنات میں جو کچھ بھی موجود ہے، یہ فقط ایک ہی ارادے کے نتیجے میں موجود ہے۔ یہ تمام چیزیں ایک ہی ناموس حیات کے اندر بندھی ہوئی ہیں۔ پھر اپنی حرکت میں یہ تمام چیزیں ایک ہی خالق کی طرف متوجہ ہیں۔ اور خود انسان بھی اس کائنات کی مخلوقات میں سے ایک ہے اور یہ بھی دست قدرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اس کا پورا ماحول دست قدرت میں جکڑا ہوا ہے۔ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے اور جو کچھ چھو رہا ہے وہ قدرت کی صنعت کاریاں ہیں۔

اس تصور سے انسان کے پردۂ احساس پر شعور تقویٰ، شعور محبت اور شعور اعتماد کی ایک امتزاجی کیفیت نمودار ہوتی

Marfat.com
Marfat.com

ہے۔جس سے انسان کی روح سرشار ہوتی ہے اور اس کی دنیا معنویت سے بھر جاتی ہے اور انسان کو ایک خاص اندرونی تطہیر' اطمینان اور انس و محبت حاصل ہوتی ہے۔چنانچہ اس روح' اس مفہوم اور اس تصور کے ساتھ انسان اس کرۂ ارض پر چلتا پھرتا ہے اور آخر کار وہ اللہ کے ساتھ مل جاتا ہے۔اس طرح انسان کی یہ زندگی نہایت ہی خوشگوار تفریحی سفر بن جاتی ہے۔وہ اللہ کی صنعت کاریوں کی ایک نمائش اور ایک میلے میں گم ہوتا ہے اور وہ ہر وقت اللہ کی اس خوبصورت کائنات کے ایسے دسترخوان پر ہوتا ہے جس پر طرح طرح کی نعمتیں چنی ہوئی ہیں۔

اس سبق کا آغاز سایہ کی تصویر کشی سے ہوتا ہے۔دست قدرت اس سائے کو طویل تر کر دیتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اسے سکیڑا جاتا ہے۔فیض و بط کا یہ عمل نہایت ہی نرمی اور لطف اور غیر محسوس طریقے سے ہوتا ہے۔پھر ہم رات کے اندھیرے میں اپنی اپنی آرام گاہ کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔پوری کائنات پر سکون اور خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔پھر ہم دن میں داخل ہوتے ہیں اور نہایت ہی ترتیب سے زندگی کی تگ و دو شروع ہو جاتی ہے۔پھر رحمت کی ہوائیں چلتی ہیں' بادل لاتی ہیں اور بارش برساتی ہیں۔پھر ہم سمندر میں ہیں' ساتھ ساتھ میٹھے پانی اور کھارے پانی باہم ملے ہوئے ہیں اور ان دونوں کے درمیان ایک پردۂ حائل ہے جو دست قدرت کی صنعت کاری ہے۔یہ دونوں سمندر اور دونوں پانی آپس میں مل نہیں پاتے۔پھر عام پانیوں سے ہم مرد کے ساغر حیات کی طرف آجاتے ہیں۔یہ نطفے کی ایک بوند ہوتی ہے۔اچانک یہ ایک زندہ انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔پھر ایک منظر پر ہم دیکھتے ہیں کہ پوری زمین و آسمان کی تخلیق چھ دنوں میں ہے۔زمین و آسمان کے اندر بروج ہیں۔سراج منیر اور قمر منیر ہیں۔پھر رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں اور زمانے گزر جاتے ہیں۔

کائنات کی اس سیر کے اندر ہمارا دل زندہ ہو جاتا ہے اور ہماری سوچ مدبر کائنات کی صنعت کاریوں میں گم ہو جاتی ہے۔اور انسان کے دل میں اللہ کی قدرت اور تدبیر کے نظارے میں تازہ ہو جاتے ہیں۔پھر انسان سوچتا ہے کہ مشرکین کس قدر احمق ہیں کہ وہ اس رب کے ساتھ کسی کو شریک کرتے ہیں اور ایسے چیزوں کی بندگی کرتے جو ان کو نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ ضرر دے سکتی ہیں۔انسان سوچتا ہے کہ رب تعالیٰ کے بارے میں یہ لوگ کس قدر جاہل ہیں اور اللہ کی ذات پر کس قدر جرات کرتے ہیں اور کفر و انکار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔اس کائنات کے اندر موجود دلائل اور آیات اور شواہد و نشانات کے ان عجوبوں کے ہوتے ہوئے مشرکین کا رویہ نہایت ہی عجیب لگتا ہے۔اس کائنات کے یہ مناظر اور اللہ کی تخلیق کے یہ نمونے انسانی ہدایت کے لیے کافی و شافی ہیں۔

آیئے ذرا دست قدرت کی ان صنعت کاریوں کی سیر کریں جس کا ہر پہلو ہمیں واصل باللہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور جس کی صرف ایک وادی کی سیر ہی ہماری پوری زندگی کے لیے کافی ہے۔

---ooo---

Marfat.com
Marfat.com

درس نمبر ۱۵۹ تشریح آیات

۴۵ --- تا --- ۶۲

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝

"تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارا رب کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے دائمی سایہ بنا دیتا۔ ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا' پھر (جیسے جیسے سورج اٹھتا جاتا ہے) ہم اس سائے کو رفتہ رفتہ اپنی طرف سمیٹتے چلے جاتے ہیں"۔

کشادہ اور لطیف سائے کا تصور ہی ایک کبیدہ خاطر اور تھکے ہوئے انسان کے لیے فرحت بخش ہوتا ہے۔ ایسے سائے میں انسان اپنے آپ کو نہایت ہی پرسکون تصور کرتا ہے۔ انسان کو یوں لگتا ہے کہ ایک نہایت ہی رحیم و کریم دست شفقت انسان کی روح اور جسم کو چھو رہا ہے اور زندگی کے آرام اور زخموں پر نہایت ہی آرام دہ مرہم پٹی ہو رہی ہے۔ تھکے ہارے دلوں کو قدرت کا یہ ماحول دست شفقت فراہم کرتا ہے۔ کیا اللہ یہی چاہتا کہ اس کے بندے پر طرح طرح کے الزام لگا کر' اس کے ساتھ مذاق کر کے' اس کے دل کو دکھایا گیا ہے' لہٰذا اسے قدرتی شفقت کا یہ ماحول فراہم کیا جائے۔ اسے تھوڑی دیر کے لیے اس جاں گسل کشمکش کے ماحول سے نکال کر قدرتی سکون کا ماحول فراہم کیا جائے اور اس زبردست معرکہ آرائی میں آپ کے دکھے ہوئے دل کو سکون فراہم کیا جائے۔ یاد رہے کہ یہ مکی دور ہے اور آپ کو مشرکین مکہ کے جحود و انکار' کبر و عناد اور مکر و فریب کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک طویل زمانہ گزر گیا ہے۔ آپ کے ساتھی کم ہیں' مشرکین ہر طرف سے پھیلے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ اور اہل ایمان کو اس اذیت استہزاء اور دست درازیوں کا جواب دینے کی اجازت نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایسے مشکل حالات میں آپ کے دل پر قرآن کریم کا جو ٹکڑا نازل ہوتا تھا وہ بہت ہی آرام دہ مرہم کا کام دیتا تھا۔ یہ دراصل تھکے ماندے مسافر کے لیے وسیع اور گہرا سایہ ہوتا تھا۔ اور کفر و جحود اور عناد اور عصبیت کی گرم لو میں ٹھنڈی اور خوشگوار چھاؤں ہوتی تھی۔ سایہ خصوصاً ایک تپتے ہوئے صحراء میں' اس سورت کی روح' موضوع' مضمون اور جدل و جدال کے گرم ماحول میں امن و سکون اور ٹھنڈا ماوی فراہم کرتا ہے۔

قرآن کریم اس سایہ کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے کہ دست قدرت اسے لمبا کرتا جاتا ہے۔ یہ آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر لمبا ہوتا جاتا ہے۔ پھر نہایت ہی نرمی اور غیر محسوس طور پر اسے لپیٹا جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ (۲۵:۴۵) "تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارا رب کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے"۔ اور

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا (۲۵:۴۶) "پھر ہم اس سائے کو رفتہ رفتہ اپنی طرف لپیٹتے چلے جاتے ہیں"۔ سایہ کیا چیز ہے۔ کوئی جسم جب سورج کی شعاعوں کے سامنے حائل ہوتا ہے تو وہ ایک خفیف قسم کا اندھیرا پیدا کرتا ہے۔ جوں جوں زمین سورج کے سامنے حرکت کرتی ہے۔ یہ سایہ بھی حرکت کرتا رہتا ہے۔ اس کی وضع اور اس کی شکل بدلتی رہتی ہے۔ اس کی شکل و صورت کو سورج کی شعاعیں روشنی اور حرارت سے متعین کرتی ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ سکڑتا اور پھیلتا ہے۔ اس وجہ سے انسان کو خوشی اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی روح کے اندر لطیف و شفاف بیداری پیدا ہوتی ہے اور نفس انسانی دست قدرت کی لطیف صنعت کاری کو اچھی طرح دیکھ سکتا ہے۔ سورج اور سائے کا یہ منظر جب غائب ہونے پر آتا ہے تو یہ سایہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ جب یہ طوالت کی آخری حد تک پہنچتا ہے تو یہ سایہ سورج کے غروب کے ساتھ ہی غائب ہو جاتا ہے۔ یہ کہاں چلا گیا یکایک۔ یہ دست قدرت ہے جس نے اسے لپیٹ اور سمیٹ لیا۔ ایک ہمہ گیر سایہ چھا گیا اور اس کے اندر آہستہ آہستہ اب رات کی تاریکی نمودار ہونا شروع ہو گئی۔ یہ ہے صنعت دست قدرت کی۔ انسان ہے کہ قدرت کے ان آثار و علامات کے اندر ڈوبا ہوا ہے۔ اس کے اردگرد قدرت کے شواہد پھیلے ہوئے ہیں لیکن اس کی کند عقل ان آثار کو نہیں پا رہی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا (۲۵:۴۵) "اگر اللہ چاہتا تو اسے دائمی سایہ بنا دیتا"۔ لیکن اللہ نے ایسا نہ چاہا۔ کیونکہ اس کائنات کی تنظیم ہی اس طرح کی گئی ہے۔ اس نظم و نسق کا تقاضا ہے کہ ہم روز اس سائے کو یوں دیکھتے رہیں کہ اس کا مدوجزر یوں ہی جاری رہے۔ اگر اس کے اندر ذرا بھی تبدیلی کر دی جائے اور اس سایہ کو ساکن بنا دیا جائے تو اس پوری کائنات کے آثار ہی بدل جائیں۔ اگر زمین ایک جگہ رکی ہوئی ہوتی تو یہ سایہ بھی رکا ہوتا۔ اس کا مدوجزر تو ختم ہو جاتا۔ اگر زمین کی یہ حرکت نرم ہوتی تو اس سائے کے آثار بھی سست رفتار ہوتے اور اگر زمین کی حرکت تیز ہوتی تو سایوں کا مدوجزر بھی تیز ہو جاتا۔ یہ زمین کی ایک متعین حرکت ہے جو سایوں کو یہ مظاہر عطا کرتی ہے جو ہم دیکھتے ہیں اور وہ آثار پیدا کرتی ہے جو ہمارے لیے مفید ہیں۔ اور جن کے خواص کو ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

یہ گردش زمین اور گردش ظلال اور ان کا مدوجزر تو ہم رات دن دیکھتے ہیں اور غفلت میں گزر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں از سر نو اس طرف متوجہ فرماتا ہے۔ یہ قرآن کریم کے انداز بیان کا ایک مخصوص طریقہ ہے کہ وہ انسانی ضمیر کے اندر ایک مردہ تاثر کو زندہ کر دیتا ہے۔ ہمارے اندر انفعالیت جگاتا ہے۔ اور ہمیں اپنے ماحول کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ ہمارے احساسات کو جگاتا ہے، ہمارے شعور کو تیز کرتا ہے تاکہ ہم ان مشاہد اور آیات بینات کی تہہ پر غور کریں۔ یوں ہمارے دل اس کائنات میں تدبر کے عادی ہو جائیں کیونکہ یہ کائنات بہت ہی عظیم اور عجیب ہے۔

سائے کا یہ منظر رات پر آکر ختم ہوتا ہے۔ جب سائے طویل ہوتے ہیں تو رات چھا جاتی ہے۔ رات کے پس پردہ انسانیت آرام و سکون حاصل کرتی ہے اور پھر دن جس میں لوگ زندگی کی تگ و دو میں داخل ہوتے ہیں۔

Marfat.com

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

"اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے لباس' اور نیند کو سکون موت' اور دن کو جی اٹھنے کا وقت بنایا"۔

رات تمام چیزوں اور تمام زندہ مخلوق کو ڈھانپ لیتی ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ ہر چیز نے رات کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ لوگ رات کے پردے میں چھپ جاتے ہیں۔ یوں رات ان کے لیے لباس ہو جاتی ہے۔ رات میں مکمل سکون ہوتا ہے۔ ہر چیز کی حرکت رک جاتی ہے۔ انسان حیوانات اور پرندے تک سو جاتے ہیں۔ پھر مزید یہ کہ سونے کے بعد اس دنیا کے ساتھ انسان کا وہ احساس قائم نہیں رہتا جو جاگتے میں ہوتا ہے۔ اس لیے یہ اسے سبات یعنی موت جیسے سکون سے تعبیر کیا۔ اس کے بعد صبح نمودار ہوتی ہے اور زمین کے اوپر پھر حرکت شروع ہوتی ہے۔ اس طرح گویا مرنے کے بعد ہر چیز دوبارہ جی اٹھتی ہے۔ اس لیے اسے نشور اسے تعبیر کیا گیا۔ گویا چوبیس گھنٹے کے اس زمینی دورے میں انسان موت و حیات کا ایک مختصر نمونہ پیش کرتا ہے اور جب سے اللہ نے زمین' آسمان کو پیدا کیا ہے' زمین کا یہ دور اپنے محور کے گرد جاری ہے۔ اس میں ایک سیکنڈ کا فرق بھی نہیں آیا۔ یہ زمین انسانوں کو لے کر چلتی ہی رہتی ہے' لیکن انسان ہیں کہ غافل ہیں اور وہ زمین کی اس حرکت کے بارے میں سوچتے ہی نہیں جبکہ اللہ کی جو شان اس زمین کو چلاتی ہے وہ ایک لحظہ کے لیے غافل نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اللہ کو نیند آتی ہے۔

اب ذرا دوسرا منظر۔ یہ ہوائیں جو بارش کی خوشخبری لے کر آتی ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾

"اور وہی ہے جو اپنی رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے۔ پھر آسمان سے پاک پانی نازل کرتا ہے تا کہ ایک مردہ علاقے کو اس کے ذریعے زندگی بخشے اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کرے"۔

اس دنیا کی ہر زندگی پانی پر قائم ہے یا بارش کا پانی ہے اور یا دریاؤں اور ندی نالوں پر نہریں قائم کر کے سطح زمین کو پانی دیا جاتا ہے۔ پھر ان پانیوں میں سے جو زمین کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ وہ چشموں کی صورت میں نکلتا ہے یا کنوؤں کی صورت میں نکالا جاتا ہے۔ لیکن ہے یہ بھی بارش کا پانی۔ لیکن جن لوگوں کی سیرابی کا تعلق صرف بارش ہی پر ہے۔ وہ اللہ کی اس رحمت کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو بارش کی شکل میں برستی ہے۔ وہ تو رات اور دن بارش پر آس لگائے ہوتے ہیں کیونکہ ان کی زندگی بارش پر قائم ہوتی ہے۔ وہ ان ہواؤں کے انتظار میں ہوتے ہیں جو رحمت بھرے بادل چلا کر لاتی ہیں۔ جب یہ ہوائیں آتی ہیں تو ان کے لیے یہ بشارت ہوتی ہیں۔ ان کو احساس ہوتا ہے کہ یہ بارشیں اللہ کی رحمت ہیں۔ ایسے لوگوں کا دل اگر اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہوتا ہے تو وہ اللہ کی اس رحمت کا بہت زیادہ احساس کرتے ہیں۔

یہاں پانی کے ساتھ طہارت اور طہور کے مفہوم کو نمایاں کیا گیا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (۲۵:۴۸) "پھر ہم نے آسمانوں سے پاک پانی نازل کیا"۔ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے اندر راز حیات ہے۔

لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّ نُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِيَّ كَثِيْرًا (۲۵:۴۹) "تاکہ ایک مردہ علاقے کو اس کے ذریعہ زندگی بخشے اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کرے"۔ یہاں زندگی پر طہارت کا ایک پرتو پڑتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی منشا ہی یہ ہے کہ انسانی زندگی پاک و صاف ہو' اور پھر یہ بارش زمین کے چہرے کو بھی دھلا کر صاف کر دیتی ہے اور اسی ماء طہور سے زندگی پیدا ہوتی ہے اور انسانوں' حیوانوں اور تمام زندہ چیزوں کی حیات قائم ہے۔

---oo0oo---

نزول ماء کے ساتھ نزول قرآن پر بھی ایک تبصرہ۔ پانی کے نزول سے زمین کے چہرہ کی صفائی مطلوب ہے اور قرآن کے نزول سے انسانی روح کی صفائی اور کمال مطلوب ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ جسم و جان کے تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے تو یہ لوگ نزول بارش کا انتظار کرتے ہیں لیکن روحانی تطہیر کے لیے نزول قرآن کو یہ برداشت نہیں کرتے۔ اور اس کے لیے وہ ایک دوسرے کو بشارت نہیں دیتے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

"قرآن کو ہم بار بار ان کے سامنے لاتے ہیں تاکہ وہ کچھ سبق لیں' مگر اکثر لوگ کفر اور ناشکری کے سوا کوئی دوسرا رویہ اختیار کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو ایک ایک بستی میں ایک ایک خبردار کرنے والا اٹھا کھڑا کرتے۔ پس اے نبی" کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کرو"۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا (۲۵:۵۰) "اس قرآن کو ہم پھیر پھیر کر ان کے سامنے لاتے ہیں تاکہ وہ سبق لیں"۔ مختلف سورتوں کی شکل میں۔ متعدد اور متنوع اسالیب بیان میں۔ متعدد قطعات کی شکل میں اور اسی کے ذریعہ ہم نے ان کے شعور اور ان کی قوت مدرکہ کو مخاطب کیا۔ ان کی روح اور ان کے اذہان کو مخاطب کیا۔ اور ان کے نفوس کے اندر اسے ہر طرح داخل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے لیے ابلاغ کا ہر حربہ استعمال کیا تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کر لیں۔ یہاں تو صرف یاد دہانی کی ضرورت ہے۔ وہ حقیقت اور سچائی کا شعور تو خود ان کے نفوس اور ان کی فطرت کے اندر موجود ہے۔ اور انہوں نے حقیقت کے اس شعور کو اس لیے دبا دیا ہے کہ خواہشات نفسانیہ کو انہوں نے

Marfat.com

اللہ بنا دیا ہے۔اس لیے اب ان کا رویہ یہ ہو گیا ہے۔

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (۲۵ : ۵۰) "مگر اکثر لوگ کفر اور ناشکری کے سوا کوئی دوسرا رویہ اختیار کرنے سے انکار کر دیتے ہیں"۔ حضور اکرمؐ کی ذمہ داری تو ایک بھاری ذمہ داری ہے آپؐ نے پوری انسانیت کو درست کرنا ہے جبکہ انسانوں کی اکثریت ذاتی خواہشات کی بندہ بن گئی ہے۔اور باوجود اس کے کہ دلائل ایمان ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔اس نے کفر کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا (۲۵ : ۵۱) "اگر ہم چاہتے تو ایک ایک بستی میں ایک ایک خبردار کرنے والا اٹھا کھڑا کرتے"۔اس طرح مشقت بٹ جاتی۔ذمہ داریاں کم ہو جائیں لیکن اللہ نے تمام کائنات کی ہدایت کے لیے ایک ہی بندے کو بھیجا۔آپؐ خاتم الرسل ہیں اور آپؐ کے ذمہ یہ کام لگایا گیا ہے کہ آپؐ تمام لوگوں اور تمام بستیوں کو خبردار کریں۔اور ان کو اللہ کی آخری رسالت کی طرف متوجہ کریں اور یوں اللہ نے یہ چاہا کہ تمام انسانیت اس آخری رسالت پر جمع ہو جائے۔اور لوگ مختلف رسولوں کی باتیں سن کر اختلاف کا شکار نہ ہو جائیں اور اس کے بعد نبی آخر الزمان کو قرآن دیا تاکہ وہ لوگوں کی ہدایت کے لیے جدوجہد کریں۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (۲۵ : ۵۲) "پس اے نبیؐ تم کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کرو"۔اس قرآن کے اندر بڑی قوت اور گرفت ہے۔گہری تاثیر ہے۔اس قدر جاذبیت ہے کہ جس کا کوئی سننے والا مقابلہ نہیں کر سکتا۔اس کی یہ کشش، دلوں کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔انسانی روح اور شعور کے اندر زلزلہ برپا ہو جاتا ہے۔لوگ قرآن کریم کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے تمام تدابیر اختیار کرتے ہیں مگر کامیاب نہیں ہوتے۔

قریش کے سردار عوام الناس کو کہتے تھے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ "اس قرآن کو نہ سنو اور جہاں یہ پڑھا جا رہا ہو وہاں شور مچاؤ شاید کہ اس طرح تم غالب ہو جاؤ"۔ان کے اس قول سے قریش اور ان کے متبعین کی بوکھلاہٹ کا اظہار ہوتا ہے۔وہ قرآن کریم کی اثر آفرینیوں سے بہت پریشان تھے۔وہ دیکھتے تھے کہ ان کے متبعین صبح و شام قرآن کریم سے سحرزدہ ہو جاتے تھے۔ایک ایک آیت، دو دو آیات یا دو دو سورتیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے۔لوگوں کے دل ان کی طرف کھنچ جاتے تھے اور ان کا دماغ مسحور ہو جاتا تھا۔

رؤساء قریش جو اپنے متبعین کو یہ حکم دیتے تھے، کیا وہ خود قرآن کی تاثیر سے محفوظ تھے۔اگر خود انہوں نے قرآن مجید کی بے پناہ تاثیر کو محسوس نہ کیا ہوتا تو وہ ایسا ہرگز نہ کہتے اور نہ وہ اپنی صفوں میں اس قدر خوف پھیلاتے۔ان کی اس ہدایت سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تاثیر کا کیا عالم تھا۔

ابن اسحاق، حمد ابن مسلم ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں کہ ان تک یہ روایت پہنچی ہے کہ ابوسفیان ابن

Marfat.com
Marfat.com

ابوجہل ابن ہشام اور اخنس ابن شریق' ابن عمر ابن وھب ثقفی بنی زہرہ کے حلیف ایک رات نکلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنیں۔ حضور اکرمؐ رات کے وقت اپنے گھر پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر شخص اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا۔ اور قرآن کریم سنتا رہا۔ ہر شخص دوسرے کے بارے میں نہ جانتا تھا۔ وہ رات گئے تک قرآن کریم سنتے رہے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو یہ لوگ لوٹنے لگے۔ راستے میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کیا۔ اور ایک دوسرے سے کہا۔ یہ حرکت دوبارہ نہ کرو۔ اگر تمہیں تمہارے نادانوں نے دیکھ لیا تو تم خود ان کے دلوں میں بات ڈال دوگے۔ پھر یہ لوگ چلے گئے جب دوسری رات آئی تو ان میں سے ہر شخص پھر اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا۔ پھر یہ لوگ رات کو کلام الٰہی سنتے رہے۔ صبح فجر نمودار ہوئی تو پھر بکھر گئے۔ راستے میں پھر انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو وہی کہا جو اگلی رات انہوں نے کہا تھا۔ اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ جب تیسری رات ہوئی تو پھر تینوں اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے۔ ساری رات سنتے رہے۔ جب فجر نمودار ہوئی تو پھر یہ لوگ بکھر گئے لیکن راستے میں پھر ان کی ملاقات ہوگئی۔ اب انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اب تو پختہ عہد کرنا ہوگا کہ پھر ہم یہ حرکت نہ کریں گے۔ چنانچہ عہد کے بعد یہ لوگ جدا ہوئے۔ دوسرے دن صبح اخنس ابن شریق نے اپنی عصا لی۔ وہ سب سے پہلے ابوسفیان کو اس کے گھر میں ملا۔ اس نے اسے کہا ابوحنظلہ بتاؤ' تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلام سنا اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا ابوثعلبہ! خدا کی قسم میں نے بھی ان سے بعض ایسی چیزیں سنیں ہیں جن کو میں جانتا ہوں اور ان کا مطلب بھی سمجھتا ہوں۔ بعض ایسی باتیں بھی سنیں ہیں جن کا مفہوم میں نہیں سمجھتا اور نہ میں یہ سمجھا ہوں کہ ان کا مقصد کیا ہے۔ اخنس نے کہا میری رائے بھی وہی ہے جس پر تم نے حلف اٹھایا ہے۔ وہاں سے نکل کر یہ شخص ابوجہل کے پاس آیا۔ اس کے گھر میں داخل ہوا۔ اور کہا ابوالحکم بتاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تم نے جو کچھ سنا' اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے۔ ابوجہل نے کہا میں نے کیا سنا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہمارا اور بنی عبد مناف کے درمیان عزت اور شرف پر جھگڑا رہا۔ انہوں نے لوگوں کو کھانا کھلایا تو ہم نے بھی مقابلے میں دسترخوان بچھائے۔ انہوں نے لوگوں کو تحفے دیئے اور ہم نے بار شتر تحفے دیئے۔ انہوں نے داد و دہش کی تو ہم نے بھی داد و دہش کی۔ یہاں تک ہم ایک دوسرے کے ساتھ کاندھے ملا کر یوں چلے کہ جس طرح دو مقابل کے گھوڑے ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہیں۔ اب انہوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ ہم سے نبی آگیا ہے۔ اس پر آسمان سے وحی آتی ہے' ان کے مقابلے میں ہم نبی کہاں سے لائیں۔ خدا کی قسم' ہم اس پر کبھی بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہرگز ہم اس کی تصدیق نہ کریں گے۔ اس پر اخنس ابن شریق اسے چھوڑ کر چلے گئے۔

یہ تھا عالم قرآن کریم کے اثرات کا۔ یہ لوگ ان اثرات کا مقابلہ کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ پختہ عہد کرتے تھے کہ آئندہ مت سنو ورنہ لیڈرشپ کو خطرہ ہے۔ اگر عوام کو پتہ چل گیا کہ ہم لوگ کلام الٰہی سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو لوگ ٹوٹ پڑیں گے ان پر تو جادو جیسا اثر ہوتا ہے۔

قرآن کریم درحقیقت نہایت ہی سادہ فطری حقائق بیان کر رہا تھا۔ یہ سچائی تیر کی طرح دل میں اترتی تھی۔ جب انسانی دل و دماغ اس اصلی سرچشمے تک پہنچ جاتے تھے تو اس سرچشمے کا جوش پھر تھمتا نہ تھا۔ اثرات کے فوارے چھوٹ جاتے تھے اس میں قیامت کے مناظر' عبرت اموز قصص' اس کائنات کے مشاہد' ہلاک شدہ اقوام کی عبرت آموز

Marfat.com

داستانیں اور ان کے کھنڈرات کے مناظر' قرآن کے تشخص' مفہومات اور تمثیل واقعات اور دلائل و آیات تھے' ان سے دل دہل جاتے تھے۔ بعض اوقات صرف ایک سورت پڑھنے سے انسانی شخصیت کے اندر تزلزل پیدا ہو جاتا۔ اور ایسے انسانی نفوس اس سے مفتوح ہوتے چلے جاتے تھے جو چٹان کی طرح مضبوط ہوتے تھے۔ اگر قرآن کے سوا لشکر جرار بھی ایسے نفوس کو فتح کرنا چاہتا تو نہ کر سکتا۔

اس لیے یہ بات کوئی تعجب انگیز نہیں ہے کہ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے کہ آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں اور دعوت اسلامی کے حوالے سے آپ کے قدم نہ ڈگمگائیں اور اس قرآن کو لے کر کفار کے مقابلے میں عظیم جدوجہد کریں۔ کیونکہ آپ کے پاس قرآن کریم کی وہ قوت ہے جس کے مقابلے میں طاقتور سے طاقتور انسان نہیں ٹھہر سکتا۔ جس کے خلاف کوئی مجادلہ کارگر نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے خلاف کوئی قوت کارگر ہو سکتی ہے۔

---ooo---

اس کے بعد روئے سخن اس کائنات کے مناظر کی طرف پھر جاتا ہے۔ چنانچہ ہواؤں کے منظر' پاک و صاف پانی کے منظر' سمندروں میں میٹھے اور کھارے پانی اور ان کے درمیان پائے جانے والے قدرتی پردے کے مناظر بیان کیے جاتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

''اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے۔ ایک لذیذ و شیریں' دوسرا تلخ و شور۔ اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ ایک رکاوٹ ہے جو انہیں گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے''۔

یعنی وہ ذات جس نے دو سمندروں کو چلا رکھا ہے' ایک میٹھا ہے اور دوسرا نمکین اور کھارا ہے' دونوں ایک جگہ باہم ملے ہوئے ہیں لیکن وہ باہم مخلوط نہیں ہوتے۔ ان کے درمیان قدرت نے ایک پردہ قائل کر دیا ہے۔ دونوں کی فطرت ایسی بنا دی ہے کہ وہ باہم مل ہی نہیں سکتے۔ کڑوے سمندروں کے اوپر میٹھے پانی کی نہریں ہیں۔ میٹھے پانی کی ایک نہر سطح سمندر کے اوپر چلتی ہے۔ اس کے برعکس کم ہی ہوتا ہے۔ یعنی میٹھے سمندر پر کڑوے پانی کی نہر نہیں بہتی۔ اس دقیق انتظام کی وجہ سے سمندر کا کڑوا پانی صاف اور میٹھے پانی کے اوپر نہیں آتا۔ حالانکہ کڑوا سمندر بہت بڑا اور گہرا ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں میٹھی نہر چھوٹی ہوتی ہے لیکن اس میٹھی نہر سے انسانوں' جانوروں اور نباتات کی زندگی قائم ہوتی ہے۔ میٹھے اور کڑوے پانیوں کی یہ جولانی محض اتفاق سے نہیں ہوتی بلکہ خالق کائنات نے بوقت تخلیق ان کو اس طرح پیدا کیا اور اس سے خالق کے پیش نظر کچھ مقاصد تھے۔ اللہ نے قوانین قدرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ کڑوے پانی' ان نہروں کی راہ نہ روکیں اور نہ یہ سمندر خشکی پر چڑھ آئیں۔ یہاں تک کہ سمندر کے حالات مدوجزر میں بھی یہ میٹھا پانی اور کڑوے سمندر ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں حالانکہ مدوجزر میں سمندر کا پانی بہت ہی اونچا ہو جاتا ہے۔

کتاب ''سائنس دعوت ایمان دیتی ہے'' کے مصنف کہتے ہیں: ''چاند ہم سے دو صد چالیس ہزار میل دور ہے۔ مد

Marfat.com

جو دو مرتبہ پیدا ہوتا ہے ہمیں چاند کے وجود کا لطیف احساس دلاتا ہے۔ مد کی وجہ سے بعض مقامات پر سطح سمندر ساٹھ قدم بلند ہو جاتی ہے بلکہ زمین کی بالائی سطح بھی دو مرتبہ باہر کی طرف چاند کی اس کشش کی وجہ سے کئی انچ باہر نکلتی ہے لیکن ہمیں تمام چیزیں ایسی منظم نظر آتی ہیں کہ ہمیں اس قوت کا ادراک ہی نہیں ہوتا۔ جس نے اس عظیم سمندر کو کئی قدم بلند کر دیا ہے اور زمین کی سطح جو ہمیں بہت مضبوط نظر آئی تو اسے بھی کئی انچ دہرا کر دیا ہے"۔

"سیارہ مریخ کا ایک اپنا چاند ہے۔ یہ چھوٹا چاند ہے۔ یہ مریخ سے چھ ہزار میل دور ہے۔ اگر ہمارا یہ چاند ہم سے پچاس ہزار میل دور ہوتا بمقابلہ اس بعید دوری کے جو اس وقت ہم سے ہے' تو مدوجزر کا عمل اس قدر شدید ہوتا کہ سمندر کے نیچے جو زمین ہے وہ دن میں دو مرتبہ اس مدوجزر کے عمل سے دو چار ہو کر اپنے تمام پہاڑوں کو اپنی جگہ سے زائل کر دیتی۔ یہ عمل اسی طرح جاری رہنے سے دنیا میں سے تمام خشکی ختم ہو جاتی اور زمین پر ایک عظیم اضطراب ہمیشہ رہتا۔ نیز ہوا کے اندر مدوجزر کے عمل کے نتیجے میں سخت آندھیاں آتی رہتیں۔ اور اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ پانی کا یہ مدوجزر خشکی کو دھو لے گیا ہے تو پھر ہمیں یہ فرض کرنا ہو گا کہ اب پوری زمین کے اوپر پانی ڈیڑھ میل تک چڑھ گیا ہے۔ اس صورت میں زندگی کا اگر کوئی امکان ہوتا تو وہ سمندر کی گہرائیوں میں ہوتا اور یہ بھی محض وجود حیات کا احتمال ہے"۔

لیکن اس کائنات کو ایک مدبر کائنات نے اس طرح بنایا ہے کہ سمندر کے اندر بھی میٹھا اور کھارا پانی ایک دوسرے پر دست درازی نہیں کر سکتے۔ اور ان کے طبیعی مزاج اور ان کی ساخت کے اندر یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ نہ ملیں۔ یہ ہے کام صانع حکیم کا جس نے اس کائنات کو منظم کیا ہے' ایک خاص قانون قدرت کے مطابق چلایا ہے۔

---ooo---

اب سمندر اور نہروں کے پانیوں سے روئے سخن ماء حیات کی طرف۔ ذرا اس نطفے کا مطالعہ کرو جس سے انسان پیدا ہوتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾

"اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر پیدا کیا' پھر اس سے نسب اور سسرال کے دو الگ سلسلے چلائے۔ تیرا رب بڑا ہی قدرت والا ہے"۔

اس پانی ہی سے جنین پیدا ہوتے ہیں۔ اگر جنین مرد ہوں تو وہ نسب ہوں گے اور اگر مادہ ہوں تو سسرال ہوں گے۔ مادہ کو صہر اس لیے کہا گیا کہ قرابت کی جگہ عورت ہوتی ہے (یعنی عورت کے ذریعہ قرابت داری پیدا ہوتی ہے) آسمان کے پانی سے جو مخلوقات پیدا ہوتی ہے اس کے مقابلے میں یہ انسانی مخلوق بہت ہی عجیب ہے۔ کیونکہ مرد کے پانی کے ایک قطرے کے اندر جو ہزارہا خلیے ہوتے ہیں ان میں سے ایک کے ساتھ رحم مادر کے اندر پایا جانے والا چھوٹا سا انڈا متحد ہو جاتا ہے اور اس سے پھر یہ پیچیدہ مخلوق پیدا ہوتی ہے جس کا نام انسان ہے۔ جس قدر زندہ کائنات اور مخلوقات ہے ان میں سے یہ مخلوق عجیب ترین مخلوق ہے۔

یہ انڈے اور یہ خلیے ایک ہی جیسے ہوتے ہیں لیکن پھر عجیب طریقے سے یہ نر اور مادہ بن جاتے ہیں۔ اس کا راز

Marfat.com

بھی انسان ابھی تک معلوم نہیں کر سکا۔ نہ آج تک ہمارا علم اس کو پا سکا ہے کہ نر اور مادہ بننے کے اسباب کیا ہیں کیونکہ ہزارہا خلیوں کے درمیان کسی ایسے خلیے کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکا اور نہ اس میں ایسی خصوصیات دریافت کی جا سکی ہیں کہ وہ مرد ہو گا یا عورت ہو گی۔ اور نہ عورت کے انڈے کے اندر کوئی ایسی خصوصیات دریافت کی جا سکی ہیں کہ فلاں خصوصیات ہوں تو مرد ہو گا۔ اور فلاں خصوصیات ہوں تو عورت پیدا ہو گی۔

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا (۲۵ : ٤ ٥) "اور تیرا رب بڑا ہی قدرت والا ہے"۔ یہ ہے اللہ کی قدرت جس کے بعض پہلوؤں کا انکشاف دور جدید میں ہو چکا ہے جس سے مزید عجائبات آشکار ہوتے ہیں۔

اگر انسان اس پانی کے بارے میں تحقیقات کرتا چلا گیا جس سے انسان کی تخلیق ہوئی تو اس کا سر چکرا جائے گا۔ جب وہ دیکھے گا کہ اس پانی کے اندر پائے جانے والے یہ جرثومے جو نہایت درجہ چھوٹے اور باریک ہیں۔ یہ ہر جنس کی مکمل ترین خصوصیات اپنے اندر لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کے اندر والدین اور ان کے خاندان کے قریبی لوگوں کے خواص بھی پوری طرح موجود ہوتے ہیں۔ اور یہ خصوصیات مذکر جنین اور مونث جنین کی طرف اس طرح خود بخود منتقل ہوتے چلے جاتے ہیں جس طرح دست قدرت نے ان کے لیے منصوبہ بندی کر لی ہوتی ہی۔ تخلیقی اعتبار سے بھی' اپنے رجحان کے اعتبار سے بھی اور اپنی طرز زندگی کے اعتبار سے بھی۔ کتاب "یہ انسان اکیلا نہیں کھڑا ہے" کا تھوڑی دیر کے لیے مطالعہ کیجئے۔ مصنف ان نہایت ہی چھوٹے ذروں کے اندر پائے جانے والے موروثی جینز کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہر خلیہ خواہ مذکر ہو یا مونث' وہ کروموزومز اور جینز پر مشتمل ہوتا ہے۔ کروموزوم عضوی مادے کا ابتدائی یونٹ ہوتا ہے اور یہ جینز کو منتقل کرنے کا کام کرتا ہے جبکہ جینز موروثی خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ کروموزم ایک گٹھلی ہوتے ہیں' جس کے اندر تمام جینز موجود ہوتے ہیں۔ جینز ہی وہ فیکٹر ہیں جو وجود میں آنے والے اس انسان کے مستقبل کا فیصلہ کرتے ہیں۔ سیٹوپلازم وہ عجیب کیمیاوی مرکب ہے جو ان دونوں پر چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سیٹوپلازم پروٹوپلازم مادہ ہوتا ہے جو خلئے کی گٹھلی کے اوپر چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ جینز اس قدر باریک اور اس قدر جامع ہوتے ہیں کہ ان کے اندر تمام انسانوں کے انفرادی خصائص 'نفسیاتی حالات' ان کے رنگ اور ان کی جنس کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ اس قدر باریک ہوتی ہیں کہ اگر تمام دنیا کے انسانوں کے جینز کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور اسے ایک جگہ رکھ دیا جائے تو حجم میں ایک "انگشانہ" کے برابر ہو گا"۔

"مائیکروسکوپ میں نظر آنے والے یہ نہایت ہی باریک جینز ہی دراصل تمام انسانوں' حیوانوں اور نباتات کی کنجی ہیں اور ان کو کنٹرول کرتے ہیں۔ انگشانہ جس کے اندر کئی بلین افراد کے جینز سماتے ہیں یقیناً ایک مختصر جگہ ہے لیکن یہ طے شدہ حقیقت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے"۔

ایک جنین' اپنے تغیر و تبدل کی مختلف صورتوں میں سے گزر کر جب نطفے سے کسی ایک جنس کی مشابہ شکل اختیار کرتا ہے تو اس کے اندر ایک طویل تاریخ کی کہانی پنہاں ہوتی ہے۔ یہ کہانی جینز' سیٹوپلازم کے ذرات کے ملاحظے سے قلم بند ہو چکی ہے۔

"سائنس دانوں کے ہاں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جینز وہ چھوٹے سے چھوٹے ذرات ہیں جو مائیکروسکوپ کے ذریعے دیکھے جا سکتے ہیں اور یہ تمام زندہ مخلوقات کے خلیوں کے اندر موجود ہوتے ہیں' ان کے اندر اس مخلوق کی تصویر' اس کا ڈھانچہ' اور سب خصوصیات درج ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی پودے کے خلیے کے اندر اس کی جڑیں' اس کا تنا' اس کے

Marfat.com
Marfat.com

بچے' اس کے تمام پھول' اس کے تمام پھل سب کے سب موجود ہوتے ہیں۔ ہر حیوان کی شکل' کھال' بال اور پر سب شامل ہوتے ہیں اور اس میں انسان بھی شامل ہے"۔

میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے عجائبات کے بارے میں اسی قدر جاننا بھی کافی ہے کہ خالق کائنات نے کس قدر خصوصیات ودیعت فرماتی ہیں۔

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا (۲۵: ۵۴) "اور تیرا رب بڑی قدرت والا ہے"۔

---oo0oo---

اس فضائے تخلیق اور تخلیق کے اندر پھر تقدیر اور اس منظر کے سامنے کہ آسمانوں سے پانی برستا ہے اور اس سے اور پھر انسانی نطفے کے پانی سے کیا کچھ پیدا ہوتا ہے اور کیا کیا خصوصیات کن کن جینز میں رکھی گئی ہیں کہ ایک خلیے سے ایک مرد تشکیل پاتا ہے اپنے تمام موروثی خصائص کے ساتھ' اور پھر ایسے ہی ایک خلیے سے ایک عورت پیدا ہوتی ہے اپنے تمام خصائص کے ساتھ۔ ایسے قادر مطلق کی قدرت کی بوقلمونیوں کو دیکھتے ہوئے بھی جو لوگ غیراللہ کی بندگی کرتے ہیں وہ نہایت ہی عجیب و غریب ہیں۔ فطرت سلیمہ اس بات سے اباء کرتی ہے کہ ایسا فعل کوئی معقول انسان کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلے کو یہاں لیا جاتا ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿٥٥﴾

"اس خدا کو چھوڑ کر لوگ ان کو پوج رہے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں' نہ نقصان اور اس سے مزید یہ کہ کافر اپنے رب کے مقابلے میں ہر باغی کا مددگار بنا ہوا ہے"۔

"یہ کہ کافر اپنے رب کے مقابلے میں' ہر باغی کا مددگار بنا ہوا ہے"۔ یعنی تمام کافر جن میں مشرکین مکہ بھی شامل ہیں' وہ اپنے اس رب کے خلاف محاذ میں شامل ہو کر برسرپیکار ہیں جبکہ اللہ نے ان کو اور تمام دوسرے کافروں کو پیدا کیا ہے۔ یہ کس طرح اللہ کے خلاف' محاذ میں شامل ہو کر اللہ کے ساتھ جنگ کر سکتے ہیں؟ انسان' یہ کمزور مخلوق خالق کائنات کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتا ہے؟ یا اللہ کے خلاف محاذ آرائی کس طرح کر سکتا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ یہ کافر اللہ کے دین کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ اللہ نے جو منہاج حیات دیا ہے وہ اس کے خلاف برسرجنگ ہیں۔ البتہ انداز بیاں یوں اختیار کیا ہے کہ ان کافروں کی یہ جنگ اور محاذ آرائی نہایت ہی مکروہ نظر آئے۔ یوں کہ دیکھو فلاں اپنے مالک آقا اور خالق کے خلاف لڑ رہا ہے۔

اور وہ جب اللہ کے رسول' آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں' تو وہ گویا اللہ کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی جنگ بھی اللہ کے خلاف ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مطمئن فرماتا ہے اور ان کے بار خاطر کو کم کرتا ہے' غبار خاطر کو دور کرتا ہے اور حضور اکرم کو یہ احساس اور شعور دلاتا ہے کہ آپ فقط تبلیغ رسالت کے سلسلے میں اپنا فریضہ ادا کر دیں اور اس

Marfat.com

سلسلے میں کافر جو دشمنی اور جو عناد کرتے ہیں' اس کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ اللہ پر توکل کریں' اللہ خود ان کفار سے نمٹ لے گا۔ یہ دراصل اللہ کے دشمن ہیں اور اللہ اپنے بندوں کے جرائم سے اچھی طرح واقف ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٥٧﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَۨا ﴿٥٨﴾ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٩﴾

"اے نبیؐ" تم کو تو ہم نے بس ایک بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے' ان سے کہہ دو کہ "میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت بس یہی ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کر لے۔ اے نبیؐ" اس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں۔ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اپنے بندوں کے گناہوں سے بس اسی کا باخبر ہونا کافی ہے۔ وہ جس نے چھ دنوں میں زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو بنا کر رکھ دیا جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہیں' پھر آپ ہی "عرش" پر جلوہ فرما ہوا۔ رحمٰن ہے وہ۔ اس سے پوچھو کہ وہ جاننے والا ہے"۔

یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فریضہ کی حدود کا تعین کر دیا جاتا ہے۔ یہ کہ آپؐ خوشخبری سنانے والے اور انجام بد سے ڈرانے والے ہیں فقط۔ اور مکہ میں آپؐ کو یہ حکم نہ دیا گیا تھا کہ آپ لوگوں کے ساتھ جنگ کریں' کیونکہ مکہ میں تبلیغ دین کی پوری آزادی تھی لیکن بعد میں جب مسلمان مدینہ کو منتقل ہوئے تو اللہ نے قتال کا حکم دے دیا۔ مکہ میں اللہ نے حکم نہ دیا اور مدینہ میں قتال کا حکم دیا۔ اس کی حقیقی حکمت اللہ ہی جانتا ہے۔ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں ان لوگوں کو تربیت دی جا رہی تھی' جن پر اس نظریہ حیات کا دارومدار تھا' جن کے دلوں میں یہ عقیدہ اچھی طرح بیٹھ گیا تھا اور جن کی زندگی اس عقیدے کی ترجمان تھی۔ یہ عقیدہ ان کے طرز عمل اور ان کی طرز زندگی کے اندر بیٹھ گیا تھا تاکہ اس تربیت کے بعد آئندہ جس معاشرے پر اسلامی حکومت قائم ہو یہ لوگ اس معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی بن جائیں اور دوسرا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر مکہ میں جنگ شروع کر دی جاتی تو ان خونی دشمنیوں کی وجہ سے قریش ہمیشہ کے لیے اس عقیدے سے محروم ہو جاتے۔ اور ان کے اور اسلام کے درمیان ایک مستقل خلیج واقع ہو جاتی۔ جبکہ حکمت الٰہی اور تقدیر الٰہی میں مقدر یہ تھا کہ ہجرت کے بعد اور پھر فتح مکہ کے بعد سب کے سب قریش کو اسلام میں داخل ہونا تھا اور پھر ان میں سے جو لوگ نکلنے تھے' انہیں بعد کے ادوار میں پورے عالم میں اسلام کے پھیلاؤ کے لیے بنیاد کا کام سرانجام دینا تھا۔

Marfat.com
Marfat.com

لیکن مدینہ میں آغاز جہاد کے باوجود رسالت کی اصل ماہیت اور اس کا خلاصہ یہی تھا کہ رسول نے ''انذار و تبشیر'' کا کام کرنا تھا۔ جہاں تک قتال کا تعلق ہے وہ تو اس لیے جائز رکھا گیا ہے کہ دعوت اسلامی اور انذار اور تبشیر کی راہ میں اگر دنیا کے کسی خطے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے تو اسے دور کر دیا جائے۔ اسلام میں جنگ محض اس لیے کی جاتی ہے کہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں اگر کوئی رکاوٹ ہے تو اسے دور کر دیا جائے۔ لہٰذا یہ آیت کہ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (۲۵:۵۶) ''اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر صرف مبشر اور نذیر کے طور پر''۔ جس طرح مکہ میں درست ہے اسی طرح مدینہ کے حالات پر بھی منطبق ہے۔

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (۲۵:۵۷)

''ان سے کہہ دو کہ ''میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت بس یہی ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کر لے''۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے کہ لوگ اسلام قبول کر لیں۔ نہ وہ کسی سے فیس کے طلبگار ہیں' نہ نذر و نیاز اور قربانیوں کی آمدن کے رسول طلبگار ہوتے ہیں۔ اسلام میں داخلہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیس مقرر نہ کر رکھی تھی۔ بس چند کلمات ایک شخص ادا کرتا اور دل سے ان پر یقین کرتا۔ یہی اسلام تھا کیونکہ اسلام میں کوئی کاہن نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کو مقدس کرنے کی کوئی فیس لیتا ہو۔ نہ وہ اللہ اور لوگوں کے درمیان کوئی دلال ہوتا ہے جو اپنی دلالی کا کمیشن لیتا ہو۔ اسلام میں دخول کے لیے کوئی رسم ہے' نہ کوئی راز ہے۔ اور نہ دخول کے وقت کسی کو کوئی خاص رسم ادا کرنی ہوتی ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ دین اسلام کس قدر سادہ' قدرتی اور فطری دین ہے۔ بس ایک عقیدہ ہے جو دل میں داخل ہو جائے۔ انسانی دل اور عقیدۂ اسلام کے درمیان کوئی رسمی واسطہ نہیں ہے۔ نہ کوئی کاہن' نہ کوئی پیر و فقیر۔ رسول کا اجر بس یہی ہے کہ دین حق کسی کے دل میں داخل ہو جائے اور کوئی بندہ اپنے حقیقی رب کے قریب ہو جائے۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (۲۵:۵۷) ''بس یہی اجر ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے''۔ صرف یہی اجر ہے رسول کا۔ رسول کا پاک دل اور رسول کا پاک شعور صرف اسی اجر پر راضی ہوتا ہے کہ ایک بندۂ گم کردہ راہ' اپنے رب کی طرف راہ پا لے۔ رب راضی ہو جائے اور وہ رب کے طریقے پر چل پڑے اور پوری زندگی میں اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ (۲۵:۵۸) ''اور اے نبی اس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں' اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو''۔ اللہ کے سوا جتنی بھی مخلوق ہے وہ مرنے والی ہے کیونکہ یہ تمام مخلوق رات دن موت کی طرف رواں ہے۔ باقی رہنے والا صرف اللہ ہے وہ ایسا زندہ ہے جو کبھی مرنے والا نہیں ہے۔ اور کسی ایسے زندہ شخص پر بھروسہ کرنا جس نے ایک دن مرنا ہے طویل عمر کے بعد یا قصیر کے بعد' ایک ایسی ذات پر بھروسہ کرنا ہے جس نے ایک دن گرنا ہے۔ ایک ایسے سایہ کے نیچے آنا ہے جس نے کسی

Marfat.com

وقت زوال پاتا ہے۔ توکل تو اس حی اور زندہ پر کرنا چاہئے جس نے کبھی نہیں مرنا۔ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح اور پاکی بیان کرو۔ حمد اور تعریف بھی صرف اللہ کی کرنا چاہیے جو منعم حقیقی اور وہاب حقیقی ہے اور اے پیغمبر آپ ان کفار کی پرواہ نہ کریں جن پر انذار اور تبشیر کا اثر نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا ہے۔

وَ كَفٰي بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا (۲۵ : ۵۸) "اپنے بندوں کے گناہوں سے بس اسی کا باخبر ہونا کافی ہے"۔ وہ اللہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب باخبر ہے اس لیے جزاء و سزا دے سکتا ہے اور وہ اس کی طاقت بھی رکھتا ہے کہ اس نے زمین آسمان کو پیدا کیا ہے اور وہ مسلسل بادشاہت کی کرسی عرش پر متمکن ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰي عَلَي الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا (۲۵ : ۵۹) "وہ جس نے چھ دنوں میں زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو بنا کر رکھ دیا جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہیں' پھر آپ ہی "عرش" پر جلوہ فرما ہوا۔ رحمٰن ہے وہ۔ اس سے پوچھو کہ وہ جاننے والا ہے"۔ وہ ایام جن میں اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا' وہ ہمارے زمینی دنوں سے مختلف تھے کیونکہ یہ دن تو نظام شمسی کی تشکیل کے بعد شروع ہوئے۔ یعنی زمین و آسمانوں کی پیدائش کے بعد جب اللہ نے زمین کا سورج کے اردگرد چکر مقرر کیا اور خود زمین کا اپنے محور کے اردگرد چکر شروع ہوا تو اس کے نتیجے میں ہمارے ایام شروع ہوئے۔ اللہ کی تخلیق تو صرف لفظ کن سے ہوتی ہے یعنی اللہ کا حکم ہو جائے تو ہر چیز ہو جاتی ہے۔ رہے یہ چھ دن تو ان کی حقیقت اور مقدار صرف اللہ جانتا ہے۔ یہ بہت ہی طویل دن ہوں گے اور ان دنوں میں زمین و آسمان مختلف ادوار اور اطوار سے گزر کر موجودہ شکل میں آ کر ٹکے ہوں گے۔ رہی یہ بات کہ اللہ عرش پر کیسے متمکن ہوا تو اس سے مراد صرف یہ ہے کہ اس کائنات پر اللہ کی حکومت اور اقتدار ہے۔ یہاں لفظ (ثُمَّ) سے مراد زمانی ترتیب نہیں ہے۔ یعنی یہ کہ پہلے تخلیق ہوئی اور بعد میں تمکین علی العرش ہوئی۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ ثم یہاں علوشان اور مرتبہ بلند کے معنی میں ہے۔

اللہ کی اس علوشان اور اقتدار عظیم الشان کے بعد پھر اللہ الرحمٰن بھی ہے اور تم نے جو کچھ پوچھنا ہے اس سے پوچھو' جب تم اس سے پوچھو گے تو ایک نہایت ہی خبردار سے پوچھو گے کہ وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ ۵
لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۶۰ ع ۳

"ان لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ اس رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں "رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ کیا بس جسے تو کہہ دے اسی کو ہم سجدہ کرتے پھریں؟" یہ دعوت ان کی نفرت میں الٹا اور اضافہ کر دیتی ہے"۔

یہ برخود غلط لوگوں کو جب رحمٰن کی بندگی کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ لوگ نہایت ہی حقارت' جہالت کے ساتھ

Marfat.com

پوچھتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے؟

یہ کفر و سرکشی کی بدترین اور مکروہ ترین تصویر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کس قدر جری اور گستاخ ہو گئے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضد میں اپنے رب کی توہین کے لیے بھی تیار تھے۔ اللہ کے بارے میں بھی وہ یہ انداز گفتگو اختیار کرتے تھے۔ لہٰذا یہ لوگ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت الفاظ استعمال کرتے تھے تو ان سے کوئی بعید نہ تھا۔ وہ اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم کا یوں انکار کرتے تھے۔ یوں ظاہر کرتے تھے کہ وہ تو رحمٰن کو نہیں جانتے۔ وہ کون ہوتا ہے۔

وَمَا الرَّحْمٰنُ (۲۵: ۶۰) "رحمٰن کیا ہوتا ہے"۔ وہ نہایت بے باکی سے کہتے کہ رحمٰن کو ہم اس کے سوا نہیں جانتے جو یمامہ میں ہے۔ وہ مسیلمہ کذاب کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

ان کی اس بے باکی کا جواب اس انداز میں دیا جاتا ہے کہ اللہ وہ بابرکت ذات ہے کہ اس کی بڑائی' اس کی برکات اور اس کی عظمتوں پر تو یہ کائنات گواہ ہے۔ اس عظیم کائنات کے ایک ہی مظہر پر ذرا غور کرو۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

"بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا چاند روشن کیا۔ وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا ہر اس شخص کے لیے جو سبق لینا چاہے' یا شکرگزار ہونا چاہے"۔

بروج کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ اس سے سیاروں کے مدار مراد ہیں۔ وہ عظیم فلکیاتی مدار جو بہت ہی دور رس اثرات اور دور رس اعمال کا مظہر ہیں۔ کائنات کا یہ عظیم ترین مظہر اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس فقرے کے جواب میں پیش فرمایا ہے کہ (رحمٰن کیا ہوتا ہے) ان کو بتایا جاتا ہے کہ تم رحمٰن کو کیا سمجھتے ہو۔ ذرا رحمٰن کی اس مخلوق کو سمجھنے کی کوشش کرو تو تمہارا سر چکرا جائے۔ جو فی الحقیقت عظیم ہے۔ انہی بروج کے اندر شمس بھی سرگرداں ہے جو ایک چراغ ہے کیونکہ اسی کی روشنی سے زمین منور ہے۔ اور اسی کی روشنی سے قمر بھی منیر ہے۔ جس کی روشنی لطیف اور خوشگوار ہے۔

یہاں گردش لیل و نہار کے تسلسل کو انسانی مشاہدے کے لیے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ دو ایسے مظہر اور معجزات ہیں جو مسلسل ہمارے سامنے دہرائے جا رہے ہیں اور صرف انہی پر اگر انسان غور کرے تو اس کی ہدایت کے لیے یہ کافی و شافی ہیں۔

لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (۲۵: ۶۲) "اس شخص کے لیے جو سبق لینا چاہے یا شکرگزار ہونا چاہے"۔ اگر گردش لیل و نہار کا یہ نظام اس طرح آگے پیچھے نہ ہوتا تو اس کرۂ ارض پر حیات انسانی کی بقا ممکن ہی نہ ہوتی۔ نہ انسان ہوتے' نہ حیوانات ہوتے اور نہ نباتات ہوتے۔ اگر رات اور دن کی موجودہ چوبیس گھنٹے کی

Marfat.com

مدت میں بھی طوالت کر دی جائے تو پھر بھی زندگی گزارنا مشکل ہو جائے۔

کتاب ''سائنس دعوت ایمان دے رہا ہے'' میں ہے:

''یہ کرۂ ارض یعنی زمین اپنے محور کے اردگرد چوبیس گھنٹوں میں گھومتی ہے۔ اس کی رفتار ایک ہزار میل فی گھنٹہ ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ صرف سو میل فی گھنٹہ کے حساب سے گردش کرے گی تو ہمارے دن اور رات کا وقت دس گنا زیادہ ہو جائے گا۔ اس حالت میں جس حصے پر سورج چمک رہا ہو گا۔ سورج سب کچھ جلا کر رکھ دے گا۔ اور رات کے وقت زمین پر جو کچھ ہو گا وہ جم کر رہ جائے گا''۔

لہٰذا بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو صحیح اندازے کے مطابق بنایا۔ اور بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمانوں میں بروج بنائے اور ایک چراغ اور قمر منیر بنایا۔ اور جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا۔ اس میں عبرت ہے اس شخص کے لیے جو نصیحت پکڑنا یا شکر ادا کرنا چاہے۔

---ooo---

Marfat.com
Marfat.com

درس نمبر ۱۶۰ ایک نظر میں

اس سورت کے اس درس چہارم میں عباد الرحمٰن کو ان کے امتیازی اوصاف کے ساتھ دکھایا گیا ہے کہ ان کے کردار کے بنیادی فیچر کیا ہوتے ہیں۔ گو وہ انسانیت کا خلاصہ ہیں اور زمین کا نمک ہیں۔ اور تمام قافلہ رسل کی کشمکش حق و باطل اور انسانی تاریخ کا منتہائے مقصود ہیں۔ گویا وہ باغ انسانیت کا پکا ہوا پھل ہیں۔ کفر' ناشکری اور اعراض و نافرمانی کے خلاف لمبی ہدایت کی طویل جدوجہد کا وہ حاصل ہیں۔

درس سابق کے آخر میں لمبی کفر نے رحمٰن کو پہچاننے سے انکار کیا تھا۔ تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کیا تھا تو یہاں بتایا جاتا ہے کہ تم تو رحمٰن کو نہیں مانتے مگر رحمٰن کے بندوں کو تم دیکھ رہے ہو۔ یہ ہیں وہ لوگ جو رحمٰن کو پہچانتے ہیں۔ یہ ہیں اس ٹائیٹل کے مستحق کہ ان کو رحمٰن کا بندہ کہا جا سکے۔ ملاحظہ کرو ذرا ان کی صفات' دیکھو ان کا کردار' ان کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے' اسے پڑھو۔ یہ زندہ مثال کی شکل میں عملاً تمہارے سامنے موجود ہیں۔ ایسی جماعت اور ایسی ہی سوسائٹی' اسلام وجود میں لانا چاہتا ہے۔ ایسے ہی نفوس اسلام اپنے منہاج تربیت کے ذریعے پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جن کو اس کرۂ ارض پر اللہ تعالیٰ اہمیت دیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر اللہ کی عنایات ہوتی ہیں۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو اللہ کو تمام انسانوں کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ یہ تو ایسے ہی لوگوں کی دعاؤں کی برکت ہے جس سے یہ کائنات قائم ہے۔

Marfat.com

درس نمبر ۱۶۰ تشریح آیات

۶۳--- تا--- ۷۷

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

''رحمٰن کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام''۔ اللہ کے بندوں کی صفات و علامات میں سے یہ پہلی صفت ہے کہ وہ زمین پر نرم چال چلتے ہیں۔ جن کی چال میں کوئی تکلف اور تصنع نہیں ہوتا۔ نہ کوئی تکبر' نہ کوئی غرور ہوتا ہے اور نہ ہی سستی اور ڈھیلا پن ہوتا ہے۔ یعنی ان کی چال پر وقار ہوتی ہے۔ یہاں چال سے مراد ان کی مجموعی شخصیت ہے' جس میں انسان کا شعور اور اس کی شخصیت معتدل کا اعتدال شامل ہے' جس کی وجہ سے انسان کی تمام صفات اور اس کے تمام افعال کے اندر' اعتدال پیدا ہو جاتا ہے اور ان معتدل صفات کی وجہ سے پھر اس شخص کی روش میں بھی ایک اعتدال اور وقار آجاتا ہے۔ یہ شخص مطمئن اور پر وقار ہوتا ہے۔ اور ہر قسم کے حالات میں اس کے اندر ایک ٹھہراؤ ہوتا ہے۔

يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (۲۵:۶۳) کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ وہ زمین پر مردوں کی طرح سر جھکائے ہوئے چلتے ہیں۔ اعضائے جسم کو لٹکائے ہوئے اس طرح چلتے ہیں کہ بس ابھی یہ صاحب زمین پر گرنے والے ہیں۔ بعض لوگ اظہار تقویٰ کی خاطر زمین پر اس طرح چلتے ہیں۔ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کے بارے میں تفصیلات موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو لڑھک کر چلتے تھے۔ آپؐ تمام لوگوں سے تیز چلتے تھے۔ آپؐ کی چال بہت خوبصورت اور سکون کے ساتھ ہوتی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی۔ گویا سورج آپؐ کے چہرۂ مبارک پر چلتا ہے۔ اور میں نے کوئی شخص رسول اللہؐ سے تیز رفتار نہیں دیکھا۔ گویا آپؐ کے لیے زمین کو لپیٹ دیا جاتا تھا۔ ہم تو ہر معاملے میں پریشان ہوتے تھے لیکن آپؐ کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔ حضرت عمر ابن الخطاب فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑھک کر چلتے تھے۔ یوں نظر آتا تھا کہ شاید آپؐ کسی نشیبی جگہ پر اتر رہے ہیں۔ ایک بار انہوں نے کہا کہ آپؐ اس طرح چلتے تھے جس طرح کوئی شخص اترتا ہے اور چڑھنے والے کی چال بھی اسی طرح ہوتی ہے جس طرح اترنے والے کی چال ہوتی ہے

Marfat.com

Marfat.com

اور اس قسم کی چال وہ لوگ چلتے ہیں جو اولوالعزم' عالی ہمت اور بہادر ہوتے ہیں (زاد المعاد' ابن القیم)

یہ لوگ چونکہ سنجیدہ' پروقار اور راست رو ہوتے ہیں اور ان کے پیش نظر چونکہ ہمیشہ بلند مقاصد ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ احمقوں' نادانوں اور بے وقوفوں کی حماقتوں اور نادانیوں میں اپنے آپ کو نہیں الجھاتے۔ اس لیے وہ ایسے لوگوں کے ساتھ بحث و مباحثے اور بدکلامی میں حصہ نہیں لیتے۔ اگر کوئی ایسا موقعہ پیش آجائے تو وہ نہایت ہی خوبصورتی سے اپنے آپ کو چھڑاتے ہیں۔

وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (۲۵: ۶۳) "اور جاہل ان کو منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام"۔ یہ بات وہ نہ کسی کمزوری کی وجہ سے اور نہ تکبر کی وجہ سے کرتے ہیں۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز ہیں۔ بلکہ ایسی چیزوں سے اپنے آپ کو بلند رکھتے ہیں۔ وہ اپنے قیمتی اوقات کو ایسے کاموں میں صرف نہیں کرتے۔ جو شرفاء کے لائق نہیں ہیں۔ وہ فحش گوئی اور بدکلامی سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ اور اپنے اوقات کو اچھے کاموں میں صرف کرتے ہیں۔

یہ تو تھا ان کا دن لوگوں کے ساتھ۔ وہ اس طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ رہی ان کی رات تو اس میں وہ خدا کا خوف کرتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تھے۔ اللہ کی بڑائی کا شعور ان کو ہوتا تھا۔ اور اللہ کے عذاب سے وہ ڈرتے تھے۔

وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾

"جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں جو دعائیں کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب! جہنم کے عذاب سے ہم کو بچالے' اس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے' وہ تو بڑا ہی برا مستقر اور مقام ہے"۔

اللہ کے بندوں کی نمازوں کی تعبیر یہاں ارکان نماز سجود و قیام سے کی گئی تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان کی سرگرمیاں کیا تھیں۔ راتوں کو جب تمام مخلوق سوتی ہے تو وہ جاگ رہے ہوتے ہیں۔ رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔ وہ صرف اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور صرف اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور راتوں کو وہ فرحت بخش اور لذیذ نیند ترک کرتے ہیں کیونکہ ان کو اس میٹھی اور لذیذ نیند سے اللہ کے سامنے قیام و سجود میں زیادہ لذت آتی ہے۔ ان کا جسم ان کی روح اور ان کی سوچ اللہ سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس لیے لوگ غفلت کی نیند سوتے ہیں اور وہ رکوع و سجود میں مشغول ہیں۔ لوگ زمین پر لیٹے ہیں اور وہ آسمان اور بلندیوں کے ساتھ وابستہ ہیں اور ذوالجلال والاکرام کے ساتھ لو لگائے ہوئے ہیں۔

لیکن انہوں نے قیام و سجود کی محض صورت اور شکل ہی نہیں بنائی ہوئی ہوتی' اس قیام اور سجود اور عالم بالا کی طرف

Marfat.com

اپنی سوچ متوجہ کرنے ساتھ ساتھ ان کے دل میں خدا کا خوف اور تقویٰ بھی پایا جاتا ہے۔ ان کو یہ خوف دامن گیر ہے کہ کسی طرح وہ عذاب جہنم سے نجات پالیں۔ وہ ہروقت دعا کرتے ہیں۔

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (۲۵:۶۵) اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا (۲۵:۶۶) "اے ہمارے رب، جہنم کے عذاب سے ہم کو بچالے، اس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے، وہ تو بڑا ہی برا مستقر اور مقام ہے"۔ انہوں نے جہنم کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن جہنم کے وجود پر ایمان لائے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم نے جہنم کی جو تصویر کھینچی ہے انہیں اس پر پورا پورا یقین ہے۔ اس لیے ان کو جو خوف لاحق ہے اور وہ جو یہ کہتے ہیں کہ جہنم بہت برا ٹھکانا ہے، یہ ان کے پختہ یقین کا ثبوت ہے اور ان کے گہرے تصدیق کی وجہ سے ہے۔

وہ اپنے رب کی طرف نہایت ہی خضوع اور خشوع کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں تاکہ رب کریم مہربانی کر کے جہنم کے عذاب کو ان سے پھیر دے۔ صرف عبادت اور قیام و سجود ہی سے وہ مطمئن نہیں ہوجاتے۔ وہ اس قدر حساس متقی ہیں کہ اپنی عبادت پر تکیہ نہیں کرتے۔ وہ عبادت کو قلیل سمجھتے ہیں۔ اس لیے نجات کے لیے اسے پورا ضامن نہیں سمجھتے۔ چنانچہ وہ اس عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ کے فضل وکرم کے بھی طلبگار ہیں کہ اللہ کے فضل وکرم ہی سے عذاب الٰہی ٹل سکتا ہے۔

انداز کلام سے جہنم کی نقشہ کشی یوں ہوتی ہے کہ وہ ایک زندہ بلا ہے۔ ہر شخص اس کے منہ میں ہے۔ ہر شخص کو وہ پکار رہی ہے، ہر شخص کو ہڑپ کرنا چاہتی ہے، ہاتھ آگے بڑھا چڑھا کر لوگوں کو اپنے قبضے میں لیتی جاتی ہے۔ دور اور قریب سب اس کی پہنچ میں ہیں اور اس کے خوف کے مارے اللہ کے یہ بندے رات دن اللہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس سے ڈر ڈر کر اللہ سے پناہ مانگتے ہیں، عاجزی کرتے ہیں اور درخواستیں اور فریادیں کرتے ہیں کہ اے اللہ بچائیو، یہ تو کھائے جارہی ہے۔

جب وہ اللہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر، نہایت ہی خوف سے اور نہایت ہی گھبراہٹ سے دعا کرتے ہیں تو انداز کلام ماحول کے اندر ارتعاش پیدا کر دیتا ہے۔

اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (۲۵:۶۵) "بے شک اس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے"۔ یعنی ایسا عذاب ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ پھر کبھی چھوڑتا نہیں۔ نہ کم ہوتا ہے اور نہ ختم ہونے کا نام لیتا ہے۔ یہی وصف ہے جہنم کا جو ان بندوں کو خائف کر رہا ہے اور وہ ہروقت اس سے ڈرے سہمے رہتے ہیں۔

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا (۲۵:۶۶) "وہ تو بڑا ہی برا مستقر و مقام ہے"۔

---ooo---

پھر یہ بندے اعتدال و میانہ روی کا نمونہ ہیں۔ ان کی زندگی نہایت ہی متوازن ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

Marfat.com

"جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل' بلکہ ان کا خرچ دونوں انتاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے"۔ یہ اسلام کی بنیادی خصوصیت ہے' جسے وہ ایک مسلم فرد اور ایک مسلم جماعت کی زندگی کے اندر ایک حقیقت کی شکل میں پیدا کرتا ہے۔ اسلام اس خصوصیت کو اپنے نظام تربیت و اخلاق اور نظام معیشت و قانون دونوں میں پیش نظر رکھتا ہے۔ چنانچہ اسلامی نظام کے ہر جز کا مدار توازن اور اعتدال پر ہے۔

باوجود اس کے کہ اسلام ایک فرد کو انفرادی مخصوص ملکیت رکھنے کی اجازت دیتا ہے لیکن اسلام' ایک مسلم فرد کو کھلی چھٹی نہیں دیتا کہ وہ "اپنی" دولت کو جس طرح چاہے خرچ کرے۔ جبکہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں ایک فرد کو مکمل آزادی ہے کہ وہ اپنی انفرادی دولت کو جس طرح چاہے خرچ کر دے۔ اسی طرح تمام غیر مسلم اقوام کے ہاں بھی یہی اصول ہے کہ ایک شخص اپنی انفرادی ملکیت کو جس طرح چاہے' خرچ کر دے۔ اس پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ لیکن ایک مسلمان انفرادی دولت خرچ کرنے میں بھی اس بات کا پابند ہے کہ اسراف اور کنجوسی کے درمیان حد اعتدال پر قائم رہے۔ اسراف کی وجہ سے جان' مال اور معاشرے سب کی تباہی ہے۔ اور کنجوسی بھی اسی طرح جان' مال اور معاشرے کا نقصان ہے کہ ایک شخص اپنے مال سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ کیونکہ اگر کوئی مال سے نفع اٹھاتا ہے اور خرچ کرتا ہے تو اس سے دوسرے کی آمدن ہوتی ہے اس لئے کہ مال تو ایک اجتماعی ذریعہ ہے جس سے پوری سوسائٹی کو فائدہ ملتا ہے اور اسراف اور کنجوسی دونوں سے معاشرے اور اجتماعی اقتصادیات کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر مال کو روک دیا جائے تو کساد بازاری پیدا ہوتی ہے اور اگر ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے تو دوسروں کی قوت خرید متاثر ہوتی ہے اور پھر اس سے اخلاقی فساد بھی پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ اسلام سوسائٹی کے اس پہلو کی بھی اصلاح کرتا ہے اور اعتدال اور توازن کو ایک مسلم شخصیت کا حصہ بنا دیتا ہے۔ اور اس کا تعلق ایمان سے جوڑ دیتا ہے۔

وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (۲۵:۶۷) "بلکہ اس کا خرچ دونوں انتاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے"۔

---ooo---

اور پھر عباد الرحمٰن کی بڑی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور کسی زندہ جان کو قتل نہیں کرتے۔ وہ زنا نہیں کرتے۔ شرک' قتل اور زنا اسلام میں اکبر الکبائر گناہ اور جرائم ہیں۔ جو شخص یہ گناہ کرے گا وہ ضرور سزا کا مستوجب ہو گا۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

Marfat.com

رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

"جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے' اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے' اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا' قیامت کے روز اس کو مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ الا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور و رحیم ہے جو شخص توبہ کر کے نیک عمل اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے"۔

خدا کو وحدہ لاشریک جاننا اسلامی نظریہ حیات کی اساس ہے۔ عقیدہ توحید نہایت واضح' سیدھا اور سادہ عقیدہ ہے۔ اور اس کے مقابلے میں جس قدر عقائد ہیں وہ پیچیدہ' ٹیڑھے اور ناقابل فہم عقیدے ہیں۔ اسلامی نظریہ حیات پر جس طرح ایک صحیح نظام زندگی قائم ہوتا ہے اسی طرح دوسرے عقائد پر کوئی سیدھا اور صالح نظام زندگی قائم ہی نہیں ہو سکتا۔

کسی جاندار کو ناحق نہ قتل کرنا اور سوسائٹی کی اجتماعی زندگی کو پرسکون' پرامن اور مطمئن بنانا اسلامی اور انسانی زندگی کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے' جبکہ قتل و غارت اور لوٹ مار جنگل کی زندگی کا خاصہ ہوتا ہے اور کوئی ایسی سوسائٹی جس میں ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم ہو اور لوٹ مار عام ہو' اسے نہ انسانی سوسائٹی کہا جا سکتا ہے۔ اور نہ ایسی سوسائٹی میں کوئی ترقیاتی کام ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسلام قتل نفس کو بہت بڑا جرم قرار دیتا ہے۔

اسی طرح اسلام زنا کو گھناؤنا جرم قرار دیتا ہے اور اسے جرم قرار دے کر ہی دو قسم کی زندگیوں کے راستے جدا کیے جا سکتے ہیں۔ ایک ایسی زندگی ہے جس میں ایک شخص اپنے آپ کو ایک حیوان جیسی غلیظ جنسی خواہش سے ذرا بلند کر دیتا ہے اور وہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ جنس آخر سے اس کے ملاپ کا ایک اعلیٰ و ارفع مقصد مقرر کیا گیا ہے۔ یہ محض لذت کوشی اور گری ہوئی غلیظ حیوانی زندگی کا ملاپ نہیں ہے' جو ایک نر اور مادے کے درمیان ہوتا ہے۔ اور جس کے اندر محض جسمانی تقاضے پورے ہوتے ہیں۔

غرض یہ تین صفات وہ صفات ہیں جو ایک انسانی اور شریفانہ زندگی اور ایک عام حیوانی اور گری ہوئی وحشیانہ زندگی کے درمیان حدود امتیاز پیدا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے عباد الرحمٰن کی صفات و نشانات کے اندر ان تینوں صفات کو داخل کیا ہے۔ کیونکہ عباد الرحمٰن اللہ کے نزدیک اعلیٰ و ارفع مخلوق ہے۔ اور ان کے نزدیک یہ نہایت ہی اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان صفات کے بعد یہ تہدید آتی ہے۔

وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا (۲۵: ۶۸) "یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہوں کا بدلہ پائے گا"۔ اثام کا مفہوم یہاں عذاب ہے۔ اس عذاب کی تشریح پھر یوں کی گئی ہے:

يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا (۲۵: ۶۹) "قیامت کے روز اس کا عذاب دگنا کر دیا جائے گا اور اس میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا"۔ یعنی نہ صرف یہ ہو گا کہ اس کا عذاب دگنا کر دیا جائے گا بلکہ وہ توہین آمیز بھی ہو گا۔ اور اس طرح یہ عذاب زیادہ شدید اور زیادہ تکلیف دہ بن جائے گا۔

Marfat.com

ہاں یہ نہیں ہے کہ جس نے ان گناہوں کا ارتکاب ایک بار کر لیا تو اس کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ وہ توبہ اور عمل صالح کے ذریعے اس عذاب سے بچ سکتا ہے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا (۲۵: ۷۰) "الا یہ کہ کوئی ان گناہوں کے بعد توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو"۔ ان کے ساتھ وعدہ یہ ہے کہ انہوں نے ایمان' توبہ اور عمل صالح سے قبل جو برے کام کیے ان کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا۔

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (۲۵: ۷۰) "ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا"۔ یہ تو اللہ کا فیضان رحمت ہے۔ اور محض اللہ کا جود و کرم ہے جس کے بدلے میں انسان کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔ بس یہ انعام ہے اس شخص کے لیے جو راہ بد چھوڑ کر راہ ہدایت پر چل نکلتا ہے۔ اللہ کی پناہ میں آ جاتا ہے اور بدعملی اور سرکشی کو ترک کر دیتا ہے۔

وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۲۵: ۷۰) "اور اللہ بڑا غفور و رحیم ہے"۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے جس کا ضمیر جس وقت بھی جاگ اٹھے' اور جس مقام سے بھی کوئی واپس ہونا چاہے' واپس آ سکتا ہے۔ اسلام اس کی راہ نہیں روکتا۔ اور اسلام کا دروازہ اس کے لیے کھلا ہے۔ جو بھی ہو' جس قدر گنہگار بھی ہو' صد بار اگر توبہ شکستی باز آ"۔

طبرانی نے ابو المغیرہ' صفوان ابن عمر' عبدالرحمٰن ابن جبیر' ابوفروہ سے روایت کی ہے۔ یہ صاحب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: حضورؐ ایک شخص نے تمام گناہ کیے۔ اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ کوئی بڑا گناہ۔ کیا اس کے لیے بھی توبہ ہے؟ تو حضورؐ نے فرمایا کیا تو ایمان لایا ہے اس نے کہا ہاں میں اسلام لایا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا نیکیاں کرتے جاؤ اور برائیاں چھوڑتے جاؤ۔ ان برائیوں کو بھی اللہ تمہارے لیے نیکیاں کر دے گا اس نے پھر کہا "اور میرا فسق و فجور بھی"۔ حضورؐ نے فرمایا "ہاں"۔ یہ شخص اللہ اکبر' اللہ اکبر کہتے ہوئے لوٹا یہاں تک کہ غائب ہو گیا۔

لیکن توبہ کا قاعدہ بھی وضع کر دیا جاتا ہے۔

وَ مَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا (۲۵: ۷۱) "جو شخص توبہ کر کے نیک عمل اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے"۔ توبہ کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ کسی گنہگار کو ندامت آ جائے اور پھر وہ معصیت کو چھوڑ دے۔ اور اس کے بعد وہ نیکیوں پر عمل پیرا ہو جائے تو ثابت ہو گا کہ اس شخص کی توبہ صحیح ہے۔ اور یہ شخص سچا ہے۔ یعنی اس نے برائیوں کو ترک کر کے مثبت پیش رفت شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ معصیت دراصل زندگی کا ایک عمل اور تحریک ہوتی ہے جو شخص ان معاصی کو ترک کرے گا بے شک اس کی زندگی معاصی سے خالی ہو گی لیکن اس کی زندگی کے اس خلا کو مثبت اعمال صالح سے بھرنا بھی ضروری ہے۔ یہ ہے اسلامی نظام تربیت کا وہ خاص یونٹ جس پر آ کر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور وہ انسان کے حالات نفس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اس لیے اس نے ہدایت فرمائی کہ اس نفسیاتی خلا کو اعمال صالحہ کے ساتھ بھر دو ورنہ.....

Marfat.com

اس جملہ معترضہ کے بعد پھر روئے سخن صفات عباد الرحمٰن کی طرف پھر جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

"(اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرف گزر جاتے ہیں"۔

جھوٹی شہادت نہ دینے کا قرینی اور اصطلاحی مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی عدالت میں جھوٹی شہادت نہیں دیتے۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور ظلم پر اعانت کا جرم واقع ہوتا ہے۔ اور اس سے حقیقی شہادت بھی مراد ہو سکتی ہے یعنی کسی مجلس، کسی سوسائٹی یا کسی جگہ میں جھوٹ اور برائی کا ارتکاب ہو رہا ہو تو یہ لوگ وہاں حاضر نہیں ہوتے یعنی ایسی سوسائٹی سے دور رہتے ہیں، جس میں برائی کا ارتکاب ہوتا ہے اور یہ زیادہ بلیغ اور دل لگتی تفسیر ہے۔ اسی طرح وہ لغو اور بیہودہ محافل یا مقامات سے بھی اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۲۵: ۷۲) "اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں"۔ وہ اپنے آپ کو اس میں مشغول نہیں کرتے، نہ وہ ان برائیوں میں ملوث ہوتے ہیں۔ نہ دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں بلکہ وہ ایک مکرم اور معزز شخص کی طرح وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ اس لیے کہ کسی مومن کے کاسہ حیات میں کوئی خالی جگہ ہی نہیں ہوتی کہ اس میں لغو اور بیہودگی بھی سما سکے۔ وہ اپنے عقیدہ و ایمان اور دعوت اسلامی اور اس کے تقاضوں سے فارغ کب ہوتا ہے۔ وہ تو ہر وقت اپنی اور معاشرے کی اصلاح میں لگا ہوا ہوتا ہے۔

اور ایک صفت عباد الرحمٰن کی یہ بھی ہے کہ جب ان کو یاد دہانی اور نصیحت کی جائے تو وہ سبق اور نصیحت کو قبول کر لیتے ہیں۔ وہ بات پر یقین کرتے ہیں، ان کے دل قبول حق کے لیے ہوتے ہیں۔ وہ ذہن رسا رکھتے ہیں اور قلب منیب کے مالک ہوتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

"جنہیں اگر ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے"۔

اس آیت میں مشرکین مکہ پر ایک لطیف طنز بھی ہے کہ وہ اندھے اور بہرے ہو کر اپنے بتوں کی عبادت میں لگے ہوئے تھے اور احمقانہ اور باطل عقائد کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ نہ وہ کوئی عقل کی بات سننا چاہتے تھے اور نہ کھلے حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ نہ وہ کھلی روشنی کو دیکھتے تھے اور نہ سیدھی راہ کو دیکھتے ہوئے اس پر چلتے تھے۔ اوندھے

Marfat.com

منہ اندھا اور بہرا ہو کر چلنا' بغیر سوچے سمجھے اور عقل وتدبر کرتے ہوئے چلنا۔ یہ محاورہ ایک ایسی حالت کی تصویر کشی کرتا ہے جس سے غفلت اور کم عقلی کی انتہائی حالت کا اظہار ہوتا ہے' جس میں کوئی غور وتدبر نہ ہو۔ رہے اللہ کے بندے اور رحمٰن کے بندے تو وہ ہر معاملے کو نہایت سوچ اور سمجھ کے ساتھ طے کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ان عقائد میں سچائی کیا ہے۔ وہ اس بات کو پاتے ہیں کہ فلاں فلاں دلائل وشواہد سچائی کو ثابت کرتے ہیں۔ ان کا ایمان علی وجہ البصیرت ہوتا ہے۔ اس لیے وہ جاہلوں کی طرح کسی بات پر اوندھے ہو کر نہیں گرتے۔ ان کے اندر اگر اپنے عقائد کے بارے میں جوش وخروش پایا جاتا ہے۔ تو وہ علی وجہ البصیرت پایا جاتا ہے۔ علی وجہ الجہالت نہیں پایا جاتا۔ وہ عارف ذی بصیرت ہوتے ہیں۔

---○○○---

آخر میں یہ کہ وہ صرف رب کے سامنے سجدے اور قیام پر ہی اکتفاء نہیں کرتے' اور ان دوسری عظیم صفات کو اپنے اندر جمع کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے بعد ایسی اولاد کی بھی امید کرتے ہیں جو ان کے طریقے پر چلنے والی ہو۔ ان کی بیویاں بھی ان ہی جیسی ہوں۔ ان کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ ان کے دل ان کے بارے میں مطمئن ہوں۔ اور اس طرح ان کی بیویوں اور بچوں کے ذریعے عباد الرحمٰن کی تعداد میں اضافہ ہو۔ اور وہ یہ امید بھی کرتے ہیں کہ وہ دوسرے نیک بندوں کے لیے بھی اچھا نمونہ ہوں۔

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

"مانگا کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب' ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا"۔

یہ گہرا فطری اور ایمانی شعور ہے' یہ کہ ہر مومن صادق یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کے ساتھی زیادہ ہوں اور سب لوگ اللہ کی طرف چل پڑیں۔ اور دوسروں سے پہلے انسان اپنی بیویوں اور اولاد کے بارے میں یہ سوچتا ہے کہ وہ اس کی لائن پر آجائیں۔ کیونکہ سب سے زیادہ کسی کی اولاد اس کی اطاعت پر آمادہ ہو سکتی ہے۔ اور سب سے زیادہ کوئی شخص اپنی اولاد اور اہل وعیال کے بارے میں مسئول ہو سکتا ہے۔ پھر کسی بھی مومن میں یہ فطری خواہش ہوتی ہے اور ہونا چاہئے۔ کہ وہ بھلائی کا نمونہ اور قائد ہو۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اس کی زندگی سے سبق سیکھیں۔ اہل ایمان کے لیے نمونہ اور اہل ایمان کا سرخیل ہونے کی تمنا کوئی بڑائی اور برتری کا جذبہ نہیں بلکہ بھلائی میں آگے بڑھنے کا جذبہ ہے ورنہ تو سب مومن ایک ہی راہ کے مسافر ہوتے ہیں۔

---○○○---

اب یہاں یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ ایسے بندگان رحمٰن کا انجام وانعام کیا ہو گا؟

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً

Marfat.com
Marfat.com

وَسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝

"یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی شکل میں پائیں گے۔ آداب و تسلیمات سے ان کا استقبال ہو گا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ کیا ہی اچھا ہے وہ مستقر اور وہ مقام"۔

غرفہ کا مفہوم منزل بلند ہے' جس سے جنت مراد ہے۔ یا یہ جنت کا کوئی خاص مقام ہو گا۔ جیسا کہ بالاخانہ عام افتادہ مکان کے مقابلے میں زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے۔ ہر شخص مہمانوں کو بالاخانوں میں بٹھاتا ہے۔ اور یہ لوگ بھی چونکہ اللہ کے معزز اور مکرم بندے ہیں اور ان کے لیے عباد الرحمٰن کا ٹائیٹل استعمال ہوا ہے اور ان کی صفات بھی گنوائی گئی ہیں لہٰذا ان کا اس خاص مقام میں تحیہ اور مبارک و سلامت سے استقبال ہو گا۔ اس لیے کہ انہوں نے دنیا میں صبر کیا۔ اور ان صفات پر رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عباد الرحمٰن کی ان صفات و علامات پر چلنا کارے دارد۔ بڑے صبر اور مصابرت کی ضرورت ہے۔ زندگی کی راہ پر دھوکہ دینے والی مرغوبات ہر طرف سے دامن کش رہتی ہیں۔ اس راہ پر گرنے اور پھسلنے کے مقامات جگہ جگہ موجود ہیں۔ زندگی کی اس طویل شاہراہ پر سیدھا چلنے کے لیے عزم و مصابرت کی ضرورت ہے۔ اس لیے اللہ نے یہاں بِمَا صَبَرُوْا (۲۵: ۷۵) کا ذکر فرمایا۔

اور اس جہنم کے بالمقابل جس سے وہ بچنے کی دعا ہر وقت کرتے رہتے ہیں اور جو بہت ہی برا مقام ہے' ان کے لیے ایک ایسا مقام ہو گا۔ یعنی جنت جو نہایت اچھا مقام ہو گا اور جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (۲۵: ۷۶) "یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور مستقر و مقام کے طور پر وہ بہترین جگہ ہو گی"۔ یہاں سے انہیں نکلنے کی کوئی ضرورت نہ ہو گی وہ نہایت سکون و قرار سے وہاں رہیں گے۔

---oo0oo---

عباد الرحمٰن کی تصویر کشی تو ہو چکی۔ بشریت کے نمک اور خلاصہ کی صفات کی تفصیلات تو دے دی گئیں۔ اب یہاں ان لوگوں کو یہ اعزاز دیا جاتا ہے کہ اگر اللہ کے یہ بندے نہ ہوں تو اللہ کے نزدیک پوری انسانیت پر کاہ کے اہمیت بھی نہیں رکھتی۔ رہے مکذبین تو ان کے لیے تو عذاب جہنم کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ

ع ۱۷ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝ الربع ۶

"اے نبی" لوگوں سے کہو "میرے رب کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے اگر تم اس کو نہ پکارو۔ اب کہ تم نے جھٹلا دیا ہے' عنقریب وہ سزا پاؤ گے کہ جان چھڑانی محال ہو گی"۔

یہ ایک خاتمہ کلام ہے جو پوری سورت کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اس پوری سورت کا عمود یہ ہے کہ اس میں

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ لوگوں کے انکار اور منہ موڑنے کی وجہ سے آپؐ کے دل پر جو غبار تھا' اسے دور کرنا اس سورت کا ہدف ہے کیونکہ وہ لوگ مقام محمدیؐ کو جانتے ہوئے انکار پر تل گئے تھے اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ جو زیادہ تکلیف دہ بات تھی۔ اس لئے یہاں بتایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی حیثیت کیا ہے؟ یہ پوری انسانیت اللہ کے نزدیک پرکاہ کے برابر نہیں ہے۔ اللہ کے ہاں انسانیت کا احترام اور رعایت تو اللہ کے ایسے بندوں کی وجہ سے ہے جن کی صفات گنوائی گئیں۔ جو ہر وقت اللہ کو پکارتے ہیں اور عاجزی کرتے ہیں۔

ان لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟ بلکہ پوری انسانی آبادی کی کیا حیثیت ہے؟ اور پھر اس پوری زمین کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ کی کائنات میں تو یہ ایک ذرے کے برابر ہے اور انسانیت ایسی ہی ہے جس طرح اس دنیا میں کوئی زندہ مخلوق (مثلاً مچھر)۔ رہی اس زمین کی اقوام میں سے کوئی ایک قوم تو اس کی گزشتہ رفتہ نسلیں اور آنے والی سب نسلیں کیا ہیں؟ بس اللہ کی کتاب کائنات کے چند صفحات اور اس کتاب کائنات کے باقی صفحات تو ان کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

اور انسان' اپنی اس بے بضاعتی اور اپنی اس بے قدری کے باوجود پھولتا ہے اور پھولتا رہتا ہے اور اپنے آپ کو بڑی شے سمجھتا ہے۔ پھر یہ سرکش ہو جاتا ہے۔ پھر اس قدر سرکش کہ یہ اپنے خالق کی جناب میں گستاخی کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی چیز ہی نہیں ہے' اللہ کے مقابلے میں ضعیف تر اور پرتقصیرات۔ ہاں اس کی قوت کا سرچشمہ صرف اللہ ہے۔ اللہ سے جڑ کر انسان کچھ چیز بن سکتا ہے اور شمار میں آسکتا ہے۔ راہ ہدایت بھی پاسکتا ہے۔ یہ راہ ہدایت پالے اور اللہ سے جڑ جائے تو پھر اللہ کے ترازو میں اس کا وزن ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ کے ترازو میں فرشتوں سے بھی بھاری ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے انسان کو جو خصلت دی' فرشتوں کو جو حکم دیا کہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ' یہ اس لیے کہ انسان اللہ کو پہچان لے' اس تک رسائی حاصل کرے' اس کا بندہ بن جائے' صرف اسی طرح وہ اپنے خصائص و صفات اور علامات و نشانات کو قائم رکھ سکتا ہے جن کی وجہ سے اسے فرشتوں پر فضیلت دی گئی تھی۔ اور جس کی وجہ سے فرشتوں نے اس کے سامنے سجدہ کیا تھا ورنہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے بغیر اگر پوری انسانیت کو اللہ کے ترازو میں رکھ دیا جائے تو وہ ایک مچھر کے برابر بھی نہ ہوگی۔ اللہ کے ترازو اور میزان میں' یہ زمین تو ایک ذرہ ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (۲۵: ۷۷) "اے نبیؐ لوگوں سے کہو' میرے رب کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے اگر تم اس کو نہ پکارو"۔ یہ انداز کلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت بڑا سہارا ہے۔ کہا جاتا ہے لوگو' اگر تم نہیں مانتے ہو تو تمہاری کیا حیثیت رہ جاتی ہے اور اگر تم اللہ کے بندوں میں شامل نہیں ہوتے تو تم کچھ بھی نہیں ہو۔ تم تو جہنم کا ایندھن بنو گے۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (۲۵: ۷۷) "اب جبکہ تم نے جھٹلا دیا ہے تو عنقریب وہ سزا پاؤ گے کہ جان چھڑانی محال ہوگی"۔

---ooo---

Marfat.com

فی ظلال القرآن

جلد ---- چہارم

پارہ ---- ۱۹

سورۃ الشعراء - ۲۶

آیات ۱ --- تا --- ۲۷

Marfat.com

سورۂ الشعراء ایک نظر میں

اس سورت کا موضوع بھی وہی ہے جو عام مکی سورتوں کا ہے یعنی اسلامی نظریہ حیات جس کے بنیادی عناصر کا خلاصہ یہ ہے:

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ (۲۶:۲۱۳) "پس نہ پکارو اللہ کے سوا کسی الٰہ کو ورنہ تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جن کو عذاب دیا جائے گا"۔ نیز آخرت کی جوابدہی کا احساس۔

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ (۲۶:۸۷) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (۲۶:۸۸) اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (۲۶:۸۹) "اور مجھے اس دن رسوا نہ کرو جبکہ سب لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جبکہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا اور نہ اولاد' بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو"۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان و تصدیق۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۶:۱۹۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (۲۶:۱۹۳) عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (۲۶:۱۹۴) "یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہو (جو خدا کی طرف سے خلق خدا کو) متنبہ کرنے والے ہیں"۔ اور پھر لوگوں کو ڈرایا گیا ہے کہ تکذیب کے نتائج بہت ہی برے ہوں گے' یا تو دنیا میں عذاب الٰہی نازل ہو گا اور تمہیں ایام سابقہ کے مکذبین کی طرح ہلاک کر دیا جائے گا یا پھر آخرت کا عذاب ہو گا جو کافروں کے انتظار میں ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۲۶:۶) "اب جب کہ یہ جھٹلا چکے ہیں عنقریب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کا یہ مذاق اڑاتے رہتے ہیں"۔ اور

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (۲۶:۲۲۷) "اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں"۔ نیز اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دلاسے اور تسلی کے مضامین بھی ہیں کہ مشرکین آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ آپ پرواہ نہ کریں۔

Marfat.com

Marfat.com

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۲۶:۳) "شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے"۔ اور اہل ایمان کو بھی یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ مشرکین کی جانب سے ہٹ دھرمی اور عناد کے مظاہرے پر صبر کریں اور اپنے پروگراموں اور نظریہ حیات پر ثابت قدمی سے آگے بڑھتے ہیں خواہ اس راہ میں ان کو جس قدر اذیتیں پہنچیں جس طرح انبیاء کی تاریخ میں تمام اہل ایمان ثابت قدمی دکھاتے رہے ہیں' وہ بھی ایسی ہی ثابت قدمی دکھائیں۔

اس سورت کے مضامین کا بڑا حصہ قصص القرآن پر مشتمل ہے۔ سورت کی کل ۲۲۷ آیات میں سے ۱۸۰ آیات میں تو قصص القرآن ہیں۔ پوری سورت میں ایک مقدمہ ہے' پھر یہ قصص ہیں اور آخر میں تبصرہ ہے جبکہ مقدمہ اور آخری تبصرے کا مضمون ایک ہے۔ ان میں سورت کے موضوع کو پیش نظر رکھتے ہوئے قصص کے اندر مختلف اسالیب سے' اس موضوع پر کلام کیا گیا ہے۔ انداز گفتگو سے ظاہر ہے کہ پوری سورت کے سامنے صرف ایک ہی ہدف ہے۔ اس لیے تمام قصص کے وہی حلقے اور کڑیاں پیش کی جاتی ہیں جن کا موضوع زیر بحث کے ساتھ تعلق ہے۔ باقی قصے کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

پوری سورت پر ڈراوے کی فضا ہے جبکہ مکذبین کی طرف سے مسلسل تکذیب ہے اور نتیجۃً عذاب الٰہی کا نزول۔ مقصد یہ ہے کہ اہل مکہ جو مسلسل تکذیب کر رہے ہیں اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے منہ موڑ رہے ہیں' یہ ان کے لیے خطرناک فعل ہے۔ ڈرانے والوں کے ساتھ یہ مذاق' اللہ کی آیات کی یہ مسلسل تکذیب اور پھر سرکشی میں یہ انتہا کہ رسولوں کو بار بار کہنا کہ لاؤ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو' قرآن کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرنا کہ یہ سحر ہے۔ یہ اشعار ہیں اور روح الامین نہیں' شیاطین اسے اتارتے ہیں۔

پوری کی پوری سورت دراصل ایک ہی مضمون اور ایک ہی سبق ہے۔ مقدمہ قصص اور تبصرہ لہٰذا ہم نے اسے چند پیراگرافوں میں تقسیم کر دیا ہے' اس کی ترتیب مضامین کے مطابق۔ آغاز ہم مقدمہ سے کرتے ہیں۔

درس نمبر ۱۶۱ تشریح آیات

۱--- تا--- ۹

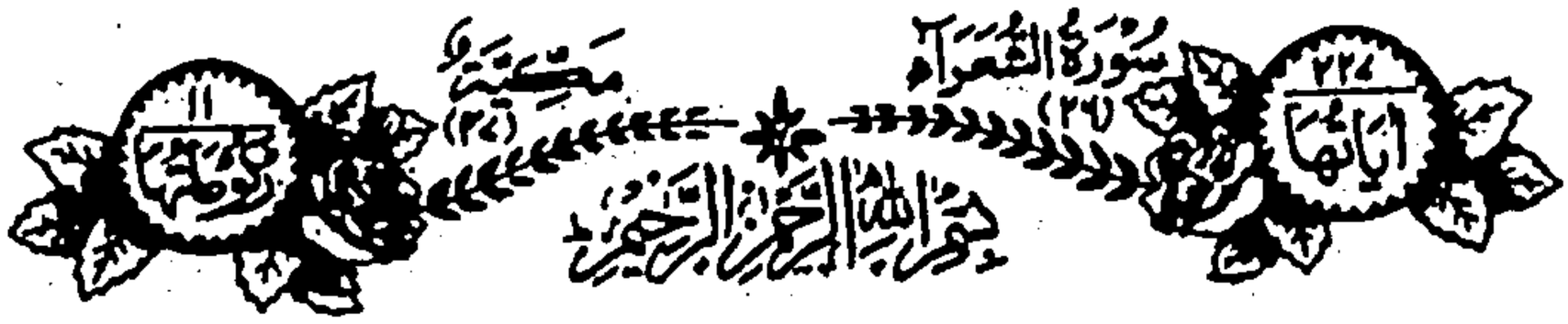

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

"ط۔س۔م یہ کتاب مبین کی آیات ہیں"۔

حروف تہجی سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ کتاب مبین اور یہ سورت انہی حروف سے بنائی گئی ہے اور جو لوگ تکذیب پر اصرار کرتے ہیں یہ حروف ان کے علم میں ہیں اور ان سے مرکب کلمات وہ بولتے ہیں لیکن وہ ایسی کتاب مبین پیش نہیں کر سکتے۔اس کتاب کے بارے میں اس سورت میں بہت سی باتوں پر بحث کی گئی ہے۔مقدمے میں بھی اور آخری نتائج میں بھی۔اور یہ انداز ان تمام سورتوں کا ہوتا ہے جن کے آغاز میں حروف مقطعات لائے گئے ہوتے ہیں۔

اس تنبیہہ کے بعد حضورؐ کو براہ راست مخاطب کیا جاتا ہے کیونکہ حضور مشرکین کے مقابلے میں ایک انتھک جدوجہد کر رہے تھے اور ان کی مسلسل تکذیب سے آپ کو دکھ پہنچ رہا تھا۔تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں تسلی دی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ آپ اس کام کے لیے زیادہ پریشان نہ ہوں۔ بتایا جاتا ہے کہ ٹھیک ہے کہ آپ بہت کچھ برداشت کر رہے ہیں اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ اگر ہم چاہیں تو چشم زدن میں ان کی گردنیں جھکا دیں لیکن اللہ کی ایک اسکیم ہے۔ذرا انتظار کریں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾

Marfat.com

"اے نبی" شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ۔ ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل کر سکتے ہیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں"۔

انداز کلام ایسا ہے کہ گویا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہہ کی جاتی ہے کہ اپنی جان کو اس وجہ سے خطرے میں ڈال رہے ہیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (۲۶ : ۳) "اے نبی" شاید آپ اس غم میں اپنی جان کھو دو گے"۔ بخع النفس کے معنی قتل النفس ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم کفار قریش کے عدم ایمان پر کس قدر دل گیر تھے ۔ کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ اگر یہ ایمان نہ لائے تو دوسری اقوام کی طرح کہیں یہ بھی نیست و نابود نہ کر دیئے جائیں ۔ یوں آپ اپنے آپ کو اس غم میں گھول رہے تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے رشتہ دار، اہل خاندان اور اہل قوم تھے ۔ اس کی وجہ سے آپ زیادہ پریشان تھے ۔ لیکن رب تعالیٰ کو آپ سے زیادہ ہمدردی تھی ۔ اللہ نے آپ کو اس تباہ کن دل گرفتگی سے منع کر دیا ۔ فرمایا کہ آپ ذرا آرام اور سکون سے کام جاری رکھیں ۔ آپ کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ لوگ ایمان لائیں، اگر محض لوگوں کا ایمان ہی مطلوب ہوتا تو ہم ایک ہی حکم سے ان کی گردنیں جھکا سکتے تھے ۔ آسمان سے ہم ایسا معجزہ نازل کرتے کہ یہ لوگ سر جھکا دیتے اور نہ ماننے کی کوئی صورت نہ رہتی ۔ اور نہ یہ لوگ ایمان سے منہ نہ موڑ سکتے ۔ اور یکدم دبک کر رہ جاتے ۔

فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (۲۶ : ۴) "ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں"۔ یہ لوگ گردنیں جھکا کر اس طرح کھڑے ہو جاتے کہ گویا باندھے ہوئے ہیں اور اپنی جگہ سے یہ حرکت ہی نہیں کر سکتے ۔ دست بستہ کھڑے ہو جاتے ۔

لیکن اللہ کی مشیت یہ نہ تھی کہ اپنی اس آخری رسالت کو ان لوگوں سے زبردستی منوایا جائے ۔ اس رسالت کو صرف ایک ہی معجزہ دیا گیا اور وہ معجزۂ قرآن تھا ۔ یہ قرآن زندگی کا ایک مکمل نظام دیتا ہے اور یہ ہر پہلو کے اعتبار سے معجز ہے ۔ بس اس کو آگے بڑھ کر قبول کریں ۔

یہ قرآن انداز تعبیر اور فنی نظم و نسق کے اعتبار سے بھی معجز ہے ۔ پورے قرآن میں یہ کلام اپنے اعلیٰ معیار اور بلند سطح کو برقرار رکھے ہوئے ہے ۔ فنی اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اس میں کوئی نشیب و فراز نہیں ہے ۔ یعنی کسی جگہ کلام اپنے معیار سے گرا ہوا نہیں ہے ۔ کسی جگہ اس نے اپنی خصوصیات کو نہیں چھوڑا ۔ ایسا نہیں ہے جس طرح انسانی کلام ہوتا ہے ۔ جس میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں ۔ کسی جگہ اونچا کسی جگہ درمیانہ اور کسی جگہ صاف ہی گرا ہوا ۔ کسی جگہ پر شوکت اور کسی جگہ جھولدار ۔ مثلاً ایک ہی مصنف ایک جگہ ایک طرح کی بات کرتا ہے اور دوسری جگہ انداز بدل جاتا ہے ۔ لیکن قرآن ہے کہ آغاز سے انجام تک جوئے رواں ہے ۔ ایک ہی سطح پر ۔ ایک ہی رفتار سے اور ایک ہی معیار پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سرچشمہ بھی ایک ہے ۔

پھر اپنے افکار و نظریات کے اعتبار سے بھی یہ معجز ہے ۔ اس کے فکری اجزاء باہم مربوط ہیں ۔ اس میں کوئی ایک بات نہیں ہے جو اس کے مجموعی فلسفے سے لگا نہ کھاتی ہو ۔ نہ کوئی اتفاقی بات ہے ۔ تمام ہدایات، اور تمام ضابطہ بندیاں ایک ہی

Marfat.com

ضابطے کے مطابق متماثل اور متناسق ہیں۔ یہ تعلیمات انسان کی پوری زندگی کو گھیرے ہوئے ہیں۔ زندگی کے مسائل کا پورا استیعاب ہے۔ اور پوری انسانی زندگی کے مسائل کا جواب شافی اس میں موجود ہے۔ اس کا ایک جزئیہ بھی ایسا نہیں ہے جو قرآن کریم کے تمام دوسرے جزئیات کے مخالف اور متضاد ہو۔ پھر یہ پورا فکری نظام' نظام فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ تمام اجزاء فکر ایک ہی محور کے اردگرد گھوم رہے ہیں۔ ایک ہی رسی میں سب کچھ بندھا ہوا ہے۔ مکمل ہم آہنگی کے ساتھ۔ انسان اپنی محدود مہارت کے ساتھ کوئی ایسا مربوط نظام فکر وعمل پیش کرنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ماہر مطلق کا ارسال کردہ نظام ہے اور یہ زمان و مکان کے حدود و قیود سے ماوراء ہے۔ غرض قرآن کا یہ نظام اس قدر جامعیت لیے ہوئے ہے۔ اس کی فکری اور عملی تنظیم حیرت انگیز ہے۔

پھر اس کے اندر ایک اور اعجاز بھی ہے' اس کی آواز سنتے ہی دلوں میں اتر جاتی ہے' یہ دلوں کی کنجیاں رکھتا ہے۔ اس کو سنتے ہی دل کھل جاتے ہیں اور انسان کے اندر تاثر قبول کرنے والی پنہاں قوتیں جاگ اٹھتی ہیں۔ اور اس کی آواز پر لبیک کہتی ہیں۔ یہ الجھے ہوئے دینی مسائل کو اس قدر سادگی اور آسانی کے ساتھ حل کر دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ بغیر کسی مشکل اور پیچیدگی اور زیادہ محنت کے۔ محض ایک لمس کے ساتھ دلوں کی دنیا کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تقاضا یوں ہوا کہ قرآن کریم کو اپنی اس آخری رسالت کے لیے ایک معجزہ قرار دے۔ اور اللہ نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ کوئی مادی اور طبیعی معجزہ نازل کرے' جس کو دیکھ کر لوگوں کی گردنیں جھک جائیں اور وہ بامر مجبوری اسے تسلیم کرلیں۔ یہ اس لیے کہ یہ آخری نبوت تمام انسانوں کے لیے ایک عام اور کھلی رسالت تھی۔ اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے قیامت تک یہی ہدایت تھی اور یہ کسی ایک قوم تک محدود اور کسی محدود وقت کے ساتھ مقید اور موقوف رسالت نہ تھی۔ اس لیے اللہ نے اس رسالت کو ایک ایسا معجزہ دیا جو اقوام قریب وبعید دونوں کے لیے عام ہو۔ ہر قوم اور ہر نسل کے لیے ہو۔ جہاں تک مادی معجزات کا تعلق ہے ان کے سامنے تو صرف وہ لوگ جھکتے ہیں جو اسے دیکھتے ہیں۔ اور ان اقوام کے بعد تو وہ واقعات قصص وروایات بن جاتے ہیں۔ وہ آنے والی نسلوں کے لیے مشاہد نہیں ہوتے۔

رہا قرآن مجید تو وہ چودہ سو سال سے ایک معجزہ ہے۔ یہ ایک کھلی کتاب ہے' ایک زبردست نظام زندگی ہے۔ اگر اس کو کسی بھی زمانے کے لوگ اپنا راہنما اور امام بنائیں۔ تو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور وہ ان کی زندگی کے پورے مسائل حل کر سکتا ہے۔ اور ان کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے بلکہ وہ ان کو ایک نہایت ہی اعلیٰ افق پر' افضل زندگی اور بہترین نتائج تک پہنچا سکتا ہے۔ یہ وہ خزانہ ہے کہ آج ہم نے اپنے دور میں اس سے جو کچھ معلوم نہیں کیا' آنے والی نسلیں اس سے معلوم کرلیں گی۔ یہ ہر سائل کو اس کے سوال کے مطابق دیتا ہے اور جھولی بھر کے دیتا ہے اور اس کے خزانے ختم نہیں ہوتے بلکہ از سرنو نئے نئے ذخیرے ملتے ہیں۔ لیکن لوگ ہیں کہ اس قرآن کے عظیم خزانوں اور حکمتوں کو پا نہیں رہے اور اعراض کرتے ہیں۔ جوں جوں قرآن کی کوئی نئی آیت نازل ہوتی تو وہ کہتے:

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ﴿٥﴾

"جن لوگوں کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو نئی نصیحت بھی آتی ہے' یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں"۔

Marfat.com

یہاں اللہ کے ناموں میں سے رحمٰن کو لایا گیا ہے' اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کتاب اور یہ نصیحت نازل کر کے اللہ نے مخلوق پر بہت بڑی رحمت کی ہے اور اس رحمت سے وہ منہ موڑ رہے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ان کا یہ فعل بہت ہی قبیح اور شنیع ہے۔ آسمانوں سے ان پر رحمت کا نزول ہو رہا ہے اور وہ اس سے بھاگ رہے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کی چیز سے محروم کر رہے ہیں جس کے وہ فی الحقیقت بہت ہی محتاج ہیں۔

اس لیے ان کے اس اعراض پر اللہ کی طرف سے بہت ہی سخت تہدید نازل ہوتی ہے کہ اللہ کا عذاب ان کے لیے منتظر ہے۔ بہت جلد یہ لوگ اس سے دوچار ہوں گے۔

فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝٦

"اب جب کہ یہ جھٹلا چکے ہیں' عنقریب ان کو اس چیز کی حقیقت (مختلف طریقوں سے) معلوم ہو جائے گی جس کا یہ مذاق اڑاتے رہے ہیں"۔

اور یہ تہدید نہایت خفیہ اور مجمل ہے اور عذاب مجہول ہے۔ یہ لوگ چونکہ ان دھمکیوں کو ایک مذاق سمجھتے تھے' اس لیے اللہ نے دھمکی کا انداز بیان بھی استہزائیہ کر دیا۔

فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (۲۶:۶)، "عنقریب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کا یہ مذاق اڑاتے رہے ہیں"۔ یعنی اس عذاب کی خبریں ان تک پہنچ جائیں گی۔ جس کا یہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان لوگوں تک اس عذاب کی صرف خبریں ہی نہ پہنچیں گی بلکہ یہ لوگ عذاب چکھیں گے بھی اور یہ بذات خود خبر بن جائیں گے۔ اور ان پر جو مصیبت آئے گی لوگ گلی کوچوں میں اس کی داستانیں ایک دوسرے کو سناتے رہیں گے۔ یہ چونکہ مذاق اڑاتے تھے' اس لیے اس تہدید میں بھی مذاقیہ جواب دیا گیا۔ لیکن یہ مذاق تہدید سے بھرا ہوا ہے۔

یہ لوگ ایک خارق عادت طبیعی معجزے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اللہ کی ان روشن اور روشن اور چمک دار آیات و معجزات کا نوٹس نہیں لیتے جو ان کے اردگرد پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ان آیات و نشانات کے ہوتے ہوئے کسی قلب مفتوح اور کسی حساس بصیرت کو تو مزید کسی دلیل اور برہان کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس کائنات کا صفحہ اس قدر عجیب ہے کہ انسانی دل و دماغ اس کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝٧ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝٨

"اور کیا انہوں نے کبھی زمین پر نگاہ نہیں ڈالی کہ ہم نے کتنی کثیر مقدار میں ہر طرح کی عمدہ نباتات اس میں پیدا کی ہیں؟ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے' مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

اس مردہ زمین سے ایک گونہ زندہ نباتات کا نکالنا کیا کم معجزہ ہے۔ پھر ان نباتات سے نر اور مادہ بنانا۔ بعض انواع میں یہ نر اور مادہ علیحدہ علیحدہ پودوں میں ہوتے ہیں اور یا پھر ایک ہی پودے میں نر اور مادہ پھول ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر نباتات میں ہوتا ہے یعنی ایک ہی شاخ میں نر اور مادہ اجزا ہوتے ہیں۔ اور یہ معجزہ ان کے ماحول میں رات دن رونما ہوتا رہتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا (۲۶: ۷) "کیا انہوں نے نہیں دیکھا ہے"۔ یہ ایسے معجزات ہیں کہ جن کے صرف ایک ہی مشاہدے کی ضرورت ہے۔

قرآن کے نظام تربیت کا یہ خاص انداز ہے کہ قرآن انسانی دل و دماغ کو اس کائنات کے مشاہد پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن بجھے ہوئے احساس کو جگاتا ہے' کند ذہن کو تیز کرتا ہے اور بند قوائے مدرکہ کو آزاد کرتا ہے اور ان کو اس کائنات میں پائے جانے والے ان معجزات کی طرف متوجہ کرتا ہے جو قدم قدم پر بکھرے ہوئے ہیں تاکہ انسان ایک زندہ دل دماغ کے ساتھ اس کائنات کو دیکھے۔ اللہ کی عجیب و غریب مصنوعات کو دیکھے۔ اور اسے اللہ کا شعور حاصل ہو۔ اور وہ اللہ کی معرفت' اللہ کے عجائب مخلوقات کے ذریعے حاصل کرے۔ اور وہ اللہ سے ہر وقت ڈرتا رہے اور اسے یہ شعور ہو کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ پھر ہر انسان کو یہ شعور ہو کہ اللہ کی مخلوقات میں سے صرف وہی ہے جو یہ شعور رکھتا ہے۔ اور اللہ کی مخلوقات سے بھی وابستہ ہے۔ اور اللہ کے اس ناموس فطرت کے ساتھ بھی پیوستہ ہے۔ جس کو اللہ نے اس کائنات کے اندر جاری و ساری کر رکھا ہے۔ پھر اسے یہ بھی شعور ہو کہ اس کائنات میں اس نے ایک خاص کردار ادا کرتا ہے۔ خصوصاً اس کرۂ ارض کے حوالے سے تو اس کے کاندھوں پر ایک خاص ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ (۲۶: ۷) "کیا انہوں نے کبھی زمین پر نگاہ نہیں ڈالی کہ ہم نے کثیر مقدار میں ہر طرح کی عمدہ نباتات اس میں پیدا کی ہیں"۔ یہ نہایت ہی عمدہ ہیں' اس لیے کہ ان کے اندر زندگی ہے اور یہ زندگی رب کریم نے ان کے اندر پیدا کی ہے۔ لفظ کریم سے اللہ یہ تاثر دیتا ہے کہ اللہ کی صنعت کاریوں کو نہایت ہی توجہ' اہمیت اور تکریم کی نگاہوں سے دیکھنا چاہئے۔ یہ کوئی معمولی حقائق نہیں ہیں کہ ان پر سے محض ایک نادان اور غافل کی طرح گزرا جائے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً (۲۶: ۸) "ان میں تو یقیناً ایک نشانی ہے"۔ ان کے علاوہ مزید نشانیاں طلب کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ ان پیش پا افتادہ نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۲۶: ۸) "مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں"۔ سورت کا یہ دیباچہ ایک ایسے سبق آموز فقرے پر ختم ہوتا ہے۔ جو اس سورت میں بار بار دہرایا گیا ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۹ ع ۹

"اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی"۔ یعنی وہ زبردست ہے اور قسم قسم کی معجزانہ

Marfat.com
Marfat.com

مخلوق کی پیدائش ' قسم قسم کے معجزات دکھانے اور مکذبین اور منکرین کو سزا دینے پر قدرت رکھتا ہے۔ اور وہ الرحیم بھی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں اپنی مخلوقات میں سے۔ ان عجائب و غرائب کی کو پیش کرتا ہے اور دلائل و معجزات کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ اس طرح جن کا دل مائل بہدایت ہوتا ہے وہ ایمان لے آتے ہیں اور پھر وہ مکذبین کو بھی مہلت دیتا ہے اور جب تک ان کے پاس کوئی واضح پیغام دینے والا نہیں بھیجتا۔ اس وقت تک سزا بھی نہیں دیتا۔ حالانکہ اس کائنات کے نشانات میں بہت ہی وافر مقدار میں چیزیں موجود ہیں۔ مزید کسی دلیل و برہان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ اللہ کی رحمت ہے کہ وہ لوگوں کے ضمیر کو روشن کرنے کے لیے ' ان کو بصیرت فراہم کرنے کے لیے اور ان کو اچھے انجام کی بشارت دینے کے لیے اور برے انجام سے خبردار کرنے کے لیے رسول بھی بھیجتا ہے اس لیے وہ رحیم ہے ' کریم ہے۔

---O()()---

Marfat.com

Marfat.com

درس نمبر ۱۶۲ ایک نظر میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کا یہ حصہ اس سورت کے موضوع اور محور کے ساتھ بہت ہی ہم آہنگ ہے۔ اس سورت میں مدار کلام زیادہ تر اس پر ہے کہ تکذیبن کا انجام کیسا ہوا کرتا ہے۔ پھر اس سورت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور مشرکین کی جانب سے روگردانی اور تکذیب کے نتیجے میں آپ کو جو مشکلات درپیش تھیں۔ ان پر آپ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی اس سورت کا موضوع سخن ہے۔ پھر اس سورت میں اس بات کی یقین دہانی بھی ہے کہ اس دعوت اور اس کی حامل تحریک کا حامی و مددگار اور محافظ اللہ ہے۔ اگرچہ یہ لوگ کمزور ہیں اور ان کے مخالفین زاد و عتاد یعنی ساز و سامان سے لیس ہیں۔ اہل قوت اور جبار ہیں اور ان پر مظالم ڈھا رہے ہیں۔ کیونکہ اس سورت کے نزول کے وقت مکہ میں تحریک اسلامی کچھ ایسے ہی حالات سے گزر رہی تھی۔ انبیائے سابقین کے قصص قرآن کے منہاج تربیت میں ایک اہم مواد اور وسائل تربیت ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کی بعض کڑیاں سورت بقرہ، سورت مائدہ، سورت اعراف، سورت یونس، سورت اسراء، سورت کہف اور سورت طٰہٰ میں گزر چکی ہیں۔ جبکہ بعض دوسری سورتوں میں بھی حیات موسیٰ علیہ اسلام کی طرف مجمل سے اشارات موجود ہیں۔

جہاں جہاں بھی اس قصے کی کڑی کی طرف کوئی اشارہ آیا ہے یا کوئی کڑی تفصیل کے ساتھ دی گئی ہے وہاں موضوع سخن کے ساتھ وہ کڑی اور وہ حصہ نہایت ہی موزوں رہا ہے۔ ہر جگہ سیاق کلام کے ساتھ مناسب حصہ لایا گیا ہے۔ جس طرح اس قصے میں جو کڑیاں ہیں وہ اس سورت کے موضوع کے ساتھ متناسب ہیں۔ اور اسی مقصد کو واضح کرتی ہیں۔ (تفصیلات کے لیے دیکھئے فی ظلال پارۂ ششم)

یہاں جو حلقہ دیا گیا ہے وہ رسالت اور اس کی تکذیب کے ساتھ متعلق ہے اور تکذیب نیز حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف سازش کی وجہ سے فرعون اور اس کی قوم کی غرقابی کے واقعات دیئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور آپ کے ساتھی ظالموں کے چنگل سے رہائی پا گئے۔ چنانچہ یہ پوری کڑی اس آیت کی تصدیق ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ (۲۶:۲۲۷) "اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ وہ کس انجام تک پہنچتے ہیں"۔ اور اللہ کے اس قول کی بھی تصدیق ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (۲۶:۶) "اب جبکہ انہوں نے جھٹلا دیا تو عنقریب پہنچ جائیں گی ان تک خبریں اس چیز کی جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے"۔ حضرت موسیٰ کے قصے کا یہ حصہ چند مناظر پر مشتمل ہے جن کو دکھانا ضروری تھا۔ ان مناظر کے درمیان گیپ اور وقفے ہیں جن کے اندر منظر پس پردہ کر جاتا ہے اور اس کے بعد جب پردہ اٹھتا ہے تو دوسرا منظر نظروں کے سامنے ہوتا ہے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو پورے قرآن کریم میں قصص کے پیش کرتے وقت ملحوظ رہتی ہے۔

اس کڑی میں سات مشاہد ہیں۔ پہلے منظر میں اللہ کی جانب سے ندا آتی ہے۔ حضرت موسیٰ رب سے ہمکلام ہوتے

Marfat.com

ہیں اور ان کو منصب نبوت سے سرفراز کیا جاتا ہے اور ان پر وحی آتی ہے۔ دوسرے منظر میں کلیم اور فرعون کو آمنا سامنا ہوتا ہے۔ اس میں فرعون کے درباری بھی موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ رسالت پیش فرماتے ہیں اور عصا اور ید بیضا کے معجزے بھی دکھائے جاتے ہیں۔ تیسرے منظر میں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جادوگروں کو لایا جاتا ہے۔ ایک وسیع میدان میں لوگ جمع ہو کر مقابلے کی تدابیر پر بحث ہوتی ہے۔ چوتھے منظر میں جادوگر فرعون کے دربار میں جمع ہیں اور انعام و اکرام کے پکے وعدے لے رہے ہیں۔ اگر وہ میدان مار لیں۔ پانچواں منظر مقابلے کا منظر ہے' مقابلہ ہوتا ہے' جادوگر ایمان لاتے ہیں۔ فرعون ان کو دھمکیاں دیتا ہے۔ چھٹے منظر میں دونوں کیمپوں کی جھلکیاں ہیں ایک طرف وحی الٰہی کا منظر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے کہ تم تیاری کرو اور میرے بندوں کو لے کر رات کے وقت نکل جاؤ۔ اور دوسری طرف فرعون تمام علاقوں میں اپنے کارندے بھیجتا ہے اور فوجیں جمع ہوتی ہیں۔ ساتویں منظر میں یہ تعاقب کرنے والی افواج اور بھاگنے والے مسلمان ایک سمندر کے سامنے ہیں۔ سمندر پھٹ جاتا ہے اور ان آبی راستوں سے یہ مظلوم پار ہو جاتے ہیں اور ظالم غرق ہو جاتے ہیں۔

یہی مناظر سورت اعراف' سورت یونس اور سورت طٰہٰ میں بھی پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن ہر جگہ انداز اور قصے کا رنگ مختلف ہے۔ اور بات جس رخ پر جا رہی ہوتی ہے' قصے کو بھی اسی انداز پر لایا جاتا ہے۔ چنانچہ قصے کا وہ پہلو اجاگر کیا جاتا ہے جو زیر بحث موضوع کے ساتھ متعلق ہو۔

اعراف میں قصے کا آغاز ہی کلیم اور فرعون کے مختصر مکالمے سے ہوا ہے۔ پھر جادوگروں کے ساتھ مقابلے کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے جبکہ فرعون اور اس کے سرداروں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو اچھی طرح تفصیل کے ساتھ دکھایا گیا ہے۔ اور جادوگروں کے مقابلے اور لشکر فرعون کی غرقابی کے درمیان مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں معجزات دکھاتے ہوئے منظر پر لایا گیا ہے۔ پھر جب یہ لشکر کامیابی کے ساتھ سمندر سے گزر جاتا ہے تو پھر ہجرت کی زندگی کے کئی حلقے پیش کیے گئے ہیں' جبکہ یہاں اس سورت میں یہ کڑیاں حذف کر دی گئی ہیں اور حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان توحید کے موضوع پر مکالمہ طوالت کے ساتھ دیا گیا ہے کیونکہ یہ اس سورت کا موضوع ہے اور مشرکین مکہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہی مکالمہ زوروں پر ہے۔ اور سورت یونس میں مختصر مکالمہ کلیم و فرعون سے آغاز ہوتا ہے اور عصا اور ید بیضا کے معجزات بھی نہیں دکھائے جاتے اور جادوگروں کے ساتھ مکالمے کی تفصیلات بھی حذف کر دی گئی ہیں جبکہ یہاں ان دونوں کو مفصل لایا گیا ہے۔ اور طٰہٰ میں حضرت موسیٰ اور رب تعالیٰ کے درمیان مناجات کو مفصل لایا گیا ہے۔ پھر موسیٰ اور فرعون کا سامنا' جادوگروں کا مقابلہ سرسری طور پر اور بنی اسرائیل کا سفر ہجرت مفصل ہے۔ یہاں فرعون کی غرقابی پر قصہ کے مناظر ختم کر دیئے جاتے ہیں۔

اس طرح جب ہم اس قصے کو قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں بار بار پاتے ہیں تو قرآن کے اسلوب بیان کا یہ کمال ہمارے سامنے آتا ہے کہ کسی جگہ بھی ہمیں یہ نظر نہیں آتا کہ یہ وہی قصہ ہے جو دہرایا جا رہا ہے کیونکہ ہر جگہ مختلف کڑیاں دکھائی گئی ہیں۔ مختلف مناظر ہیں۔ قصے کا ایک مخصوص پہلو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اور انداز بیان تو ہر جگہ نیا ہوتا ہے۔ یہ تمام خصوصیات قصے کو ہر جگہ نیا بنا دیتی ہیں۔ اور ہر جگہ قصہ اپنے موضوع کے ساتھ ہم آہنگ بھی ہوتا ہے۔

---ooo---

Marfat.com

درس نمبر ۱۶۲ تشریح آیات

۱۰--- تا--- ۶۸

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۰﴾
قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ وَيَضِيْقُ صَدْرِىْ
وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾
قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾

''انہیں اس وقت کا قصہ سناؤ جب کہ تمہارے رب نے موسیٰ کو پکارا ''ظالم قوم کے پاس جا۔ فرعون کی قوم کے پاس ..... کیا وہ نہیں ڈرتے؟'' اس نے عرض کیا ''اے میرے رب' مجھے خوف ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلا دیں گے۔ میرا سینہ گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔ آپ ہارون کی طرف رسالت بھیجیں اور مجھ پر ان کے ہاں ایک جرم کا الزام بھی ہے' اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے''۔ فرمایا ''ہرگز نہیں' تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر' ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سنتے رہیں گے۔ فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو' ہم کو رب العالمین نے اس لیے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے''۔

اس سورت میں جو قصے لائے گئے ان کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ذرا سورت کے آغاز کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۳) اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ
اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (۴) وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا
كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ (۵) فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ

Marfat.com
Marfat.com

(۶)(۲۶: ۳ تا ۶) "اے نبیؐ شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل کر سکتے ہیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔ لوگوں کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو نئی نصیحت بھی آتی ہے یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں' اب جبکہ یہ جھٹلا چکے ہیں۔ عنقریب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کا یہ مذاق اڑاتے ہیں"۔ اس تمہید کے بعد یہ تمام قصص لائے گئے ہیں اور ان میں بیان شدہ حصوں کا بنیادی مقصد مکذبین اور مستہزئین کا انجام بتانا ہے۔

وَ اِذْ نَادٰي رَبُّكَ مُوْسٰٓي اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۲۶: ۱۰) قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ (۲۶: ۱۱) "انہیں اس وقت کا قصہ سناؤ جب کہ تمہارے رب نے موسیٰ کو پکارا" "ظالم قوم کے پاس جا-- فرعون کی قوم کے پاس --- کیا وہ نہیں ڈرتے؟" یہ ہے یہاں اس قصے کا پہلا منظر' اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت عطا کر کے ایک مشن دے دیا جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ تم نے ایک ظالم قوم کے پاس جانا ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنی ذات پر ظلم کیا ہے کہ کفر و گمراہی میں مبتلا ہیں۔ پھر انہوں نے بنی اسرائیل پر ظلم کیا ہے کہ یہ ان کی عورتوں کو زندہ رکھتے ہیں اور مردوں کو ذبح کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جگہ جگہ مذاق کرتے ہیں اور طرح طرح کی سزائیں دیتے ہیں۔ اس قوم کی صفات پہلے بیان کرنے کے بعد اب ان کا نام لیا جاتا ہے۔ قوم فرعون کے پاس جاؤ۔ حضرت موسیٰ اور تمام انسان تعجب کرتے ہیں کہ کیا یہ ظالم قوم اپنے برے انجام سے نہیں ڈرتی۔ کیا ان کو خدا کا خوف نہیں ہے۔ کیا اپنے ان مظالم کا انجام انہیں معلوم نہیں ہے۔ کیا یہ لوگ اس قدر گھناؤنے جرائم کے بعد بھی باز نہیں آتے۔ ان کا معاملہ تو عجیب ہے اور تعجب انگیز ہے۔ اور اسی طرح تمام ایسی اقوام کا معاملہ ہے جو حد سے گزر جاتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے فرعون اور اس کی قوم کا معاملہ کوئی نیا نہیں تھا۔ وہ تو ان کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ فرعون کے ظلم' اس کے جبر اور اس کی سرکشی سے اچھی طرح باخبر تھے۔ اور اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ تو ایک عظیم اور مشکل مشن ہے جو ان کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے رب کے سامنے اپنی کمزوریاں رکھ دیتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ اس دعوت سے پہلوتہی کرنا چاہتے ہیں اور مستقلاً معذرت کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس مشن کے لیے مزید ضروری امداد اور معاونت کے طلبگار ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (۲۶: ۱۲) وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰي هٰرُوْنَ (۲۶: ۱۳) وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ (۲۶: ۱۴) اس نے عرض کیا" "اے میرے رب' مجھے خوف ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلا دیں گے۔ میرا سینہ گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔ آپ ہارون کی طرف رسالت بھیجیں اور مجھ پر ان کے ہاں ایک جرم کا الزام بھی ہے' اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے"۔

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو بات نقل کی گئی ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے وہ محض تکذیب کے خوف

Marfat.com

ت یہ فرماتے ہیں بلکہ ان کو رسالت ایسے حالات میں دی جارہی ہے کہ ان کے دل کے اندر تنگی پائی جاتی ہے۔اور ان کو طلاقت لسانی کا ملکہ حاصل نہیں ہے۔رسالت کے سلسلے میں ان کو ہر کسی سے مباحثہ اور گفتگو کرنی ہوگی اور ان کی حالت یہ ہے کہ ان کی زبان میں لکنت ہے اور اس کے بارے میں سورت طٰہٰ میں انہوں نے تصریح فرمائی ہے۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي "اور میری زبان میں جو گرہ ہے اسے کھول دے تاکہ وہ میری بات کو سمجھیں"۔جب انسان کی زبان میں لکنت ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے سینہ میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے۔یہ تنگی اس وقت سخت تکلیف دہ ہوتی ہے کہ انسان بات کرنا چاہتا ہے اور جذبات کے ساتھ دلائل کا اظہار چاہتا ہے اور زبان اس وقت ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔جوں جوں خیالات اور جذبات کا سیلاب رواں ہوتا ہے' زباں بند ہوتی ہے اور دل تنگ ہو جاتا ہے۔ اور انسان کی حالت قابل دید ہوتی ہے۔یہ صورت حال ہر کسی کی دیکھی ہوتی ہے۔اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پریشان ہیں کہ اگر ایسے حالات میں ان کی زبان کو گرہ لگ جائے تو بڑی عجیب پوزیشن ہوگی۔خصوصاً جبکہ مقابلہ فرعون جیسے قہار و جبار کے ساتھ ہو۔چنانچہ حضرت نے اپنی کمزوری اپنے رب کے سامنے رکھی اور ساتھ ہی یہ درخواست بھی کی کہ حضرت ہارون کو بھی مقام رسالت عطا کر دیا جائے۔ان کو بھی اس منصب میں شریک کر دیا جائے تاکہ وہ دونوں مل کر اس عظیم فریضے کو ادا کریں۔مقصد یہ نہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس منصب کو قبول کرنے سے ہچکچا رہے ہیں یا پہلوتہی کرنا چاہتے ہیں۔اور حضرت ہارون چونکہ حضرت موسیٰ سے زیادہ فصیح اللسان تھے اور جذباتی اعتبار سے وہ ٹھنڈے دل دماغ کے مالک تھے۔جب دوران کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زباں کو اگر گرہ لگ گئی تو حضرت ہارون ساتھ موجود ہوں گے وہ استدلال اور مکالمے کو آگے بڑھائیں گے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اس لکنت کو دور کرنے کے لیے خصوصی دعا بھی فرمائی جس طرح سورت طٰہٰ میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ نے اسے دور بھی کر دیا ہو لیکن آپ نے پھر بھی حضرت ہارون کو شریک منصب کرنے کے لیے دعا فرمائی۔اور فرمایا کہ انہیں ان کے لیے وزیر مقرر فرمایا جائے۔

اسی طرح حضرت نے فرمایا۔

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ (۲۶:۱۴) "اور مجھ پر ان کے ہاں ایک جرم کا الزام بھی ہے اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے"۔لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے مقابلہ کرنے سے نہیں ڈرتے تھے اور نہ وہ ادائیگی فرض سے پہلوتہی چاہتے تھے بلکہ آپ حضرت ہارون کو وزیر اور شریک کار مقرر کروانا چاہتے تھے کہ اگر یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جرم قتل میں سزائے موت دے دیں تو ان کے بعد رسالت کا کام حضرت ہارون جاری رکھیں۔اور اس طرح فریضہ رسالت ادا ہوتا رہے جس طرح اللہ کا حکم تھا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ احتیاطی تدابیر دعوت اسلامی اور رسالت کی خاطر اختیار کیں۔داعی کی ذات کے لیے کچھ زیادہ فکر نہ تھی۔یعنی اگر حضرت موسیٰ کی زبان کو گرہ لگ جائے اور آپ تقریر نہ کر سکیں تو حضرت ہارون تیار ہوں' یہ نہ ہو کہ نیا آنے والا نبی لوگوں کے سامنے تقریر کر رہا ہے اور اچانک اس کی بات ہی رک جائے۔اور اس طرح دعوت اسلامی کو ایک کمزوری کا سامنا کرنا پڑے۔اسی طرح اگر ان کو قتل ہی کر دیا جائے تو دعوت کا کام ہی رک

Marfat.com
Marfat.com

جائے۔ حالانکہ دعوت کا کام جاری رہنا ضروری ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ سوچ بالکل فطری تھی۔ اس لیے کہ اللہ نے ان کو منتخب ہی اسی کام کے لیے کیا تھا۔ اور اللہ نے اپنی نگرانی میں ان کی تربیت ہی اسی مقصد کے لیے فرمائی تھی۔ اور ان کو اللہ نے اپنے کام کے لیے ہی بنایا تھا۔

جب حضرت موسیٰ نے اپنی اس دلچسپی کا اظہار کیا' دعوت کے بارے میں اپنے خدشات اور احتیاطی تدابیر کا اظہار کیا تو اللہ نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ اور آپ کو تسلی دے دی کہ آپ ڈریں نہیں' یہاں قبولیت دعا کا مرحلہ نہایت ہی مختصر ہے۔ ہارون علیہ السلام کو نبی بنانا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر میں پہنچنا' ہارون علیہ السلام سے ملنا' تمام واقعات کو حذف کر کے صرف یہ دکھایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون دونوں اپنے رب کے احکام لے کر فرعون کے ساتھ ہمکلام ہونے کی تیاری کر رہے ہیں لیکن حضرت موسیٰ کے خدشات کو صرف ایک ہی سخت لفظ سے روکا جاتا ہے جو نفی کے معنی میں آتا ہے اور جو تنبیہہ کے لیے ہے کلّا "ہرگز نہیں"۔

قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ (۱۵) فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۶) اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۱۷) (۲۶: ۱۵ تا ۱۷)

"فرمایا "ہرگز نہیں' تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر' ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سنتے رہیں گے۔ فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو' ہم کو رب العالمین نے اس لیے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے"۔ ہرگز نہیں' نہ تمہارا دل تنگ ہو گا اور نہ تمہاری زبان میں لکنت ہو گی۔ اور وہ ہرگز تمہیں قتل نہ کر سکیں گے۔ یہ سب خدشات آپ اپنے دل سے نکال دیں۔ تم اور تمہارا بھائی دونوں جاؤ۔

فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ (۲۶: ۱۵) "جاؤ ہماری نشانیاں لے کر"۔ ان نشانیوں میں سے عصا اور ید بیضا کی نشانی تو حضرت موسیٰ نے دیکھی ہوئی تھی۔ یہاں ان سب باتوں کو مختصر کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس سورت میں پیش نظر فرعون کے سامنے رسالت کا پیش کرنا' جادوگروں کے کرتب دکھانا اور فرعون کی غرقابی کی منظر کشی کرنا ہے۔ جاؤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ (۲۶: ۱۵) "ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سنتے رہیں گے"۔ نہایت ہی زوردار اور تاکیدی الفاظ میں کہا جاتا ہے' جاؤ۔ تمہیں اللہ کی حمایت یا رعایت اور تحفظ حاصل ہے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے جس طرح وہ ہر وقت' ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے لیکن یہاں اللہ کی موجودگی کا مقصد یہ ہے کہ ہم تمہاری مدد اور تائید کے لیے حاضر ہیں۔

یہاں نصرت و تائید کا یقین یوں دلایا گیا ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں' سن رہے ہیں یعنی حضوری اور توجہ انسانوں کے نزدیک اپنے عروج پر ہوتی ہے جب انسان سنتا ہے اس لیے ان کو یہ یقین دلایا جا رہا ہے کہ میری امداد اور نصرت ہر وقت حاضر ہے۔ یہ ہے قرآن کریم کا انداز کہ وہ ہر چیز کو ایک مشخص اور مجسم صورت میں پیش کرتا ہے۔ اذْهَبَا "جاؤ"

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ "فرعون کے پاس جاؤ"۔ اور اس کو اپنی مہم سے آگاہ کر دو۔ اور بغیر کسی خوف کے اس کے سامنے اپنا مطلب صاف صاف بیان کر دو۔

Marfat.com

فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۶:۱۶) "کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں"۔ یہ تو دو ہیں لیکن چونکہ ہم ایک ہیں' رسالت ایک ہے' اس لیے دونوں ایک رسول ہیں۔ یہ اس فرعون کے سامنے کھڑے ہیں جو الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنی قوم کو یوں باور کراتا تھا۔

مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ "میں تمہارے لیے' اپنے سوا کسی دوسرے الٰہ کو نہیں جانتا"۔ یوں اس فرعون کے سامنے سب سے پہلے اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہم دونوں رب العالمین کے فرستادہ ہیں یعنی وہ عالمین کا رب ہے اور وہی عالمین کا رب ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور اس میں کوئی مداہنت اور لیپا پوتی نہیں ہو سکتی۔

اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۶:۱۶) اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

(۲۶:۱۷) "ہم کو رب العالمین نے اس لیے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے"۔ قصہ موسیٰ کے ان اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو فرعون کے پاس اس لیے رسول بنا کر نہ بھیجا تھا کہ حضرت موسیٰ فرعون اور اس کی قوم کو دین اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیں اور اسلام کے دین کو قبول کریں بلکہ ان کے پاس صرف اس لیے بھیجا گیا تھا کہ فرعون اور اس کی قوم سے بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کر دیں۔ وہ اس کی غلامی سے آزاد ہو جائیں اور پھر جس طرح چاہیں اپنے رب کی بندگی کریں۔ وہ تو پہلے سے دین اسلام کے پیروکار تھے۔ حضرت یعقوب" حضرت یوسف کے دین کو مانتے تھے البتہ ان کے نظریات اور ان کے ذہن میں انحراف ہو گیا تھا ان کے عقائد میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا اس لیے اللہ نے ان کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو دوبارہ ارسال کیا کہ وہ ان کے عقائد بھی درست کر دیں اور ان کو فرعون کی غلامی سے بھی نجات دلائیں اور ان کو اچھی تربیت دے کر دوبارہ عقیدۂ توحید پر قائم کر دیں۔

---○○○---

یہاں تک تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو نبوت عطا ہوئی' ان پر وحی آئی اور ان کو دعوت اسلامی کا مشن عطا ہوا۔ اب پردہ گرتا ہے اور دوسرے منظر میں پھر ہم فرعون کے دربار میں کھڑے ہیں۔ ان دونوں مناظر کے درمیان جو غیر ضروری افعال و حرکات ہیں ان کو کاٹ دیا جاتا ہے اور یہ قرآن کریم کا ایک مخصوص انداز بیان ہے کہ وہ مناظر و مشاہد کے درمیان سے غیر ضروری حصے کاٹ دیتا ہے یا مختصر کر دیتا ہے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾
وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا
مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾

Marfat.com
Marfat.com

فرعون نے کہا "کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا تھا؟ تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے' اور اس کے بعد کر گیا جو کچھ کر گیا' تو بڑا احسان فراموش آدمی ہے"۔ موسیٰ نے جواب دیا "اس وقت وہ کام میں نے نادانستگی میں کر دیا تھا۔ پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد میرے رب نے مجھ کو حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں شامل فرما لیا۔ رہا تیرا احسان' جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا تھا"۔

فرعون کو سخت تعجب ہوتا ہے۔ وہ یہ یقین نہیں کر سکتا کہ موسیٰ اس قدر عظیم دعویٰ بھی کر سکتے ہیں کہ میں (رسول رب العالمین) ہوں اور پھر وہ فرعون سے اس قدر عظیم مطالبہ کرتے ہیں۔

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۲۶:۱۷) "کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو"۔ کیونکہ انہوں نے جب موسیٰ کو آخری بار دیکھا تھا تو وہ ان کے گھر میں ان کا پروردہ تھا' جس کے صندوق کو انہوں نے دریا سے اٹھا لیا تھا۔ اور پھر ایک قبطی کے قتل کے بعد بھاگ گیا تھا۔ وہ قبطی جو ایک اسرائیلی کے ساتھ ناحق الجھ رہا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ قبطی فرعون کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام دس سال تک غائب رہے اور اب آئے تو اس عظیم اور ناقابل تصور مطالبے کے ساتھ۔ یہی وجہ ہے کہ فرعون بات کا آغاز نہایت تعجب' حقارت اور مزاحیہ انداز سے کرتا ہے کہ تم وہی تو ہو جس نے یہ یہ کام کیے اور اب:

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ (۲۶:۱۸) وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (۲۶:۱۹) "فرعون نے کہا "کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا تھا؟ تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے' اور اس کے بعد کر گیا جو کچھ کر گیا' تو بڑا احسان فراموش آدمی ہے"۔ کیا اس پرورش اور عزت کا یہ صلہ ہے جو تو ہمیں دے رہا ہے؟ اب تو آیا ہے اور ہم جس نظام زندگی کے مطابق اپنا نظام چلا رہے ہیں تو اس کی مخالفت کر رہا ہے۔ تاکہ تو اس بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دے جس کے گھر میں پلا ہے اور میرے سوا تو کسی اور الٰہ اور رب اور حاکم کی بات کرتا ہے۔ تو ایک عرصہ تک ہمارے اندر رہ چکا ہے' اس وقت تو تو نے کبھی ایسا کوئی پروگرام نہیں بنایا۔ نہ ایسے دعوے کیے جو اب کر رہا ہے۔ اس عظیم پروگرام سے تو' تو نے ہمیں خبردار نہیں کیا۔

اور فرعون قبطی کے قتل کے واقعہ کو نہایت مبالغے کے ساتھ پیش کرتا ہے اور دھمکی آمیز انداز میں یاد دلاتا ہے۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ (۲۶:۱۹) "اور تو نے وہ اپنا کام کیا جو تو نے کیا"۔ یعنی بہت ہی برا کام' اس قدر برا کہ اس کو صراحت کے ساتھ منہ پر لانا ہی اچھا نہیں ہے۔ تو نے اس قدر عظیم جرم کا ارتکاب کیا۔

وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (۲۶:۱۹) "اس طرح تو رب العالمین کا منکر بن گیا"۔ اور اب تو اسی رب العالمین کی باتیں کرتا ہے۔ اس وقت تو تو رب العالمین کی بات نہ کرتا تھا۔

یوں فرعون نے حضرت موسیٰ کی تردید میں تمام مسکت دلائل گنوا دیئے اور اس نے یہ خیال کیا کہ شاید موسیٰ علیہ السلام ان دلائل کے بعد لاجواب ہو جائیں گے۔ کوئی مقابلہ نہ کر سکیں گے' خصوصاً اس نے ایک سابق مقدمہ قتل کی

Marfat.com

طرف بھی اشارہ کر دیا اور بالواسطہ دھمکی دے دی ہے کہ تمہارے خلاف اس مقدمہ کی کارروائی بھی ہو سکتی ہے اور سزائے قصاص تم پر نافذ ہو سکتی ہے۔

لیکن حضرت موسیٰ کی تو دعا قبول ہو چکی تھی۔ اب ان کی زبان میں کوئی گرہ نہ تھی۔ وہ بڑی روانی سے کہہ رہے تھے۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَّ أَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ (۲۶: ۲۰) فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (۲۶: ۲۱) وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ (۲۶: ۲۲) ”موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا“ اس وقت وہ کام میں نے نادانستگی میں کر دیا تھا۔ پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد میرے رب نے مجھ کو حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں شامل فرمالیا۔ رہا تیرا احسان' جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا تھا“۔ میں نے جو سقم کا ارتکاب کیا تو اس وقت میں نادان تھا۔ اس وقت میں نے اپنی مظلوم قوم کی حمایت کی بنا پر یہ فعل کیا تھا۔ یہ کام میں اپنے اس نظریہ حیات کی حمایت میں نہ کیا تھا جو اللہ نے اب مجھے بطور حکمت عطا کیا ہے۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ (۲۶: ۲۱) ”پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ گیا“۔ کیونکہ مجھے جان کا ڈر تھا۔ اللہ کو میری خیریت مطلوب تھی۔ اس نے مجھے یہ حکمت عطا کرنی تھی۔

وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (۲۶: ۲۱) ”اور مجھے رسولوں میں شامل کر لیا“۔ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں۔ میں جماعت رسل میں سے ایک ہوں۔

اب حضرت موسیٰ اس شخص کی طنز کا جواب طنزیہ انداز میں دیتے ہیں۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ (۲۶: ۲۲) ”یہ احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے' اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل غلام بنا لیا تھا“۔ میں تمہارے گھر میں بامر مجبوری پلا' کیونکہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ تو ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا' اس وجہ سے میری ماں مجبور ہوئی کہ مجھے صندوق میں بند کر کے موجوں کے حوالے کر دے۔ اس طرح تم لوگوں نے صندوق کو پکڑ لیا اور اس طرح میں تمہارے گھر میں پلا۔ اور والدین کے گھر میں پلنے سے محروم رہا۔ تو کیا یہ ہے وہ احسان جو تم جتلاتے ہو اور کیا یہ تمہاری مہربانیاں ہیں؟

اب فرعون اپنی بات بدل دیتا ہے۔ اس موضوع کو چھوڑ کر اب وہ اصل بات پر آجاتا ہے لیکن یہاں بھی وہ مستکبرین کی طرح تجاہل عارفانہ کے انداز میں بات کرتا ہے۔ مزاحیہ اور گستاخانہ انداز اور گستاخی بھی رب العالمین کے جناب میں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾

Marfat.com

فرعون نے کہا "اور یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟" اس کا خانہ خراب ہو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتا ہے کہ رب العالمین کیا ہوتا ہے۔ جس کی طرف سے تم کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یہ اس انداز کا سوال ہے کہ گویا وہ رب العالمین کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں لیکن یہ غرور کا ایک انداز ہے۔ وہ گویا حضرت موسیٰ کے دعویٰ کو ایک عجیب و غریب دعویٰ تصور کر کے اسے ناممکن الوقوع تصور کرتا ہے اور یہ تاثر قائم کرتا ہے کہ ایسے دعویٰ پر تو بات کرنا بھی فضول ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اس طرح جواب دیتے ہیں کہ رب العالمین وہ ہے جس کی الوہیت تمام دکھائی دینے والی کائنات پر مشتمل ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب۔

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝۲۴

موسیٰ نے جواب دیا "آسمانوں اور زمین کا رب' اور ان سب چیزوں کا رب جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں' اگر تم یقین لانے والے ہو"۔

یہ جواب اس کے تجاہل عارفانہ کے انداز کے سوال کا شافی جواب ہے یعنی اے فرعون رب العالمین اس پوری کائنات مشہود و غیر مشہود کا رب ہے۔ اور اس کی بادشاہت اور اقتدار تک تمہاری بادشاہت نہیں پہنچ سکتی۔ نہ اللہ کے علم تک تمہارا علم پہنچ سکتا ہے۔ فرعون کا دعویٰ تو صرف یہ تھا کہ وہ مصری قوم کا الٰہ اور حاکم ہے' صرف وادی نیل کا فرمان روا ہے۔ رب العالمین کے مقابلے میں یہ کیا ربوبیت ہے۔ اس قدر حقیر جس طرح اس عظیم کائنات کے اندر ایک ذرہ ہوتا ہے۔

اس جواب کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام اس کی توجہ اس عظیم کائنات کی طرف مبذول کراتے ہیں اور وہ خود جس ربوبیت کا دعویدار تھا اس کو حقیر اور باطل قرار دیتے ہیں اور اسے دعوت دیتے ہیں کہ اس کائنات میں تدبر کر کے ذرا اپنے ذہن کو کھول دیں اور رب العالمین کی حاکمیت کے وسیع دائرے کو دیکھیں اور اس کے بعد مختصر تبصرہ بھی فرما دیتے ہیں کہ تدبر تم تب کر سکتے ہو جب

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۲۶ : ۲۴) "اگر تم یقین کرنا چاہتے ہو"۔ اگر تم یقین کرنا چاہو تو پھر رب العالمین ہی یقین کرنے کے لائق ہے۔

اب فرعون اپنے درباریوں کی طرف متوجہ ہو کر ان سے پوچھتا ہے کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝۲۵

"فرعون نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے کہا "سنتے ہو"۔ کیا تم اس شخص کی عجیب باتیں نہیں سنتے؟ یہ باتیں تو ہمارے سامنے کسی نے نہیں کیں اور نہ ہم نے کبھی سنی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر توقف کے ایک دوسرا وار کیا۔ اور رب العالمین کا مزید تعارف کرایا۔

Marfat.com

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾

"موسیٰ نے کہا "تمہارا رب بھی اور تمہارے ان آباؤ اجداد کا رب بھی جو گزر چکے ہیں"۔ یہ بات فرعون نے بہت زیادہ محسوس کی کیونکہ اس کی زد فرعون کے دعووں اور اس کے طرز عمل پر پڑتی تھی۔ اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ وہ رب العالمین تو تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے آباء کا بھی رب ہے اور اے فرعون تم بھی تو بندگان رب العالمین میں سے ایک حقیر بندے ہو اور یہ کہ تم کسی کے رب نہیں ہو۔ جیسا کہ تم رب مصر ہونے کے مدعی ہو' لہٰذا تمہارا دعوائے الوہیت و ربوبیت اور حاکمیت ہی سرے سے غلط ہے۔ اللہ ہی رب العالمین ہے' تھا اور رہے گا۔

یہ فرعونی نظریات پر سخت تباہ کن بمباری تھی۔ اور اس سے خود اس کے حاشیہ نشینوں کے متاثر ہونے کا خدشہ تھا۔ اس لیے وہ صبر نہ کر سکا لہٰذا اس نے حضرت موسیٰ کے بارے میں وہی الزام دہرایا جو ہمیشہ مستکبرین دہراتے ہیں۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾

"فرعون نے (حاضرین سے) کہا "تمہارے یہ رسول صاحب جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں' بالکل ہی پاگل معلوم ہوتے ہیں"۔

یہ رسول جو بزعم خود تمہارے پاس بھیجا گیا ہے اس کا دماغ خراب معلوم ہوتا ہے۔ یہ شخص رسول خدا کے بارے میں یہ توہین آمیز ریمارکس اس لیے پاس کر رہا ہے کہ لوگوں پر اثر نہ ہو جائے اور یقین نہ کر لیں۔ مقصد یہ نہیں ہے کہ حضرت فی الواقعہ رسول بھیجے گئے۔ یہ بات وہ بطور مذاق کہتا ہے کہ یہ شخص جو باتیں کرتا ہے وہ تو ہمارے مستحکم نظام سے متصادم ہیں اور ہمارا نظام تو صدیوں سے چل رہا ہے جس کے مطابق ہم رب ہیں اور یہ کسی دوسرے رب العالمین کی طرف بلا رہا ہے اور پھر یہ بھی کہتا ہے کہ وہ ہمارے آباء کا بھی رب العالمین ہے۔

لیکن اس مذاق اور استہزاء کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کیا اثر ہو گا۔ وہ تو اس پیغمبرانہ اعتماد سے بات کرتے ہیں۔ جس کے مقابلے میں بڑے بڑے جباروں کی ذہنی دنیا میں زلزلہ آجاتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

"موسیٰ نے کہا "مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب' اگر آپ لوگ کچھ عقل رکھتے ہیں"۔

مشرق و مغرب تو ہر دن انسانوں کو نظر آتے ہیں۔ اور اس دنیا میں ایک خوبصورت منظر پیش کرتے ہیں۔ یہ منظر تو بڑا عبرت آموز ہے لیکن چونکہ یہ ۲۴ گھنٹوں میں مسلسل دہرایا جاتا ہے اس لیے لوگوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لوگ اس کے عادی ہو گئے ہیں ان الفاظ سے جس طرح طلوع و غروب کا مفہوم ذہن میں آتا ہے' اسی طرح طلوع و غروب کے مقام کا مفہوم بھی ان میں ہے۔ یہ دو مناظر حضرت نے اس لیے پیش کیے کہ طلوع و غروب کے مظاہر کو اور مقامات و

Marfat.com
Marfat.com

طلوع اور مقامات غروب کو کوئی جابر بدل نہیں سکتا۔ نہ ان دونوں مناظر کی اس خصوصیت کا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ آغاز تخلیق سے آج تک اس نظام کے اندر کوئی تبدیلی کوئی تقدیم و تاخیر نہیں ہے۔ کند ذہن سے کند ذہن شخص بھی اگر ان حقائق پر غور کرے تو وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ غافل سے غافل دل جاگ اٹھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مکالمے میں ان کے ضمیروں کو جگانے کی بے حد کوشش کر رہے ہیں' دعوت دے رہے ہیں کہ غور و فکر کرو۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (۲۶ : ۲۸) "اگر آپ لوگ کچھ عقل رکھتے ہیں"۔ سرکش حکمران دنیا میں کسی چیز سے نہیں ڈرتے جس قدر وہ قوم کی بیداری سے ڈرتے ہیں۔ ان کو دل و دماغ کی بیداری سے بہت ڈر لگتا ہے۔ یہ سرکش حکمران ہمیشہ ان لوگوں کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو لوگوں میں بیداری پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے ایسے حکمران ہمیشہ ایسے لوگوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرعون کو حضرت موسیٰ پر بہت غصہ آ جاتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی دعوت دل و دماغ کی پرسکون تاروں کو چھیڑ رہی ہے' اس لیے وہ اب جوش میں آ جاتا ہے۔ دھمکی دیتا ہے' اور کھلے تشدد کی بات کرتا ہے۔ اور جس وقت کسی شخص کے پاس دلائل کے ہتھیار ختم ہو جاتے ہیں تو وہ تشدد پر اتر آتا ہے۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾

"فرعون نے کہا' "اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو تجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر دوں گا جو قید خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں"۔

یہ ہے سرکشوں کی دلیل اور حجت۔ یہ کہ تمہیں جیل میں ڈال دیا جائے گا۔ جیل تو تیار ہے اور دور بھی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جب سرکش عاجز آ جاتے ہیں اور جب ان کو احساس ہو جاتا ہے کہ ان کا موقف تو سچائی کے مقابلے میں کمزور پڑ رہا ہے کیونکہ سچائی ہمیشہ جارح ہوتی ہے تو پھر لاجواب سرکشوں کا قدیم زمانے سے یہ آخری ہتھیار ہوتا ہے۔ اور آج تک یہ آخری ہتھیار استعمال ہوتا ہے۔

لیکن حضرت موسیٰ حوصلہ نہیں ہارتے۔ آخر وہ رسول برحق ہیں۔ ان کے اور ان کے بھائی کے ساتھ' اللہ بھی کھڑا ہے اور دیکھ رہا ہے چنانچہ فرعون جس بحث کا سلسلہ ختم کرنا چاہتا تھا حضرت موسیٰ اس کا دوسرا باب کھول دیتے ہیں۔ آپ ایک نئے موضوع پر سوال کر دیتے ہیں۔ ایک نیا استدلال۔

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

"موسیٰ نے کہا "اگرچہ میں لے آؤں تیرے سامنے ایک صریح چیز بھی"۔ یعنی اگر میں اپنی رسالت پر ایک صریح اور واضح دلیل بھی پیش کر دوں تو بھی میری یہی سزا ہے کہ جیل جاؤں۔ حضرت موسیٰ اس طرح فرعون کو' اسکے سرداروں کے سامنے جو یہ تمام گفتگو سنا رہے تھے' سخت مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر وہ حضرت موسیٰ کی بات نہیں سنتا

Marfat.com

تو ثابت ہو جاتا ہے کہ فرعون لاجواب ہو گیا حالانکہ وہ کہہ چکا ہے کہ یہ شخص تو مجنون ہے۔ چنانچہ مجبور ہو کر اس نے کہا اچھا لاؤ دلیل۔

قَالَ فَأْتِ بِهٖٓ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۰﴾

"فرعون نے کہا "اچھا تو لے آ' اگر تو سچا ہے"۔ لاؤ اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے۔ یا یہ کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ تمہارے پاس کوئی معجزانہ دلیل ہے' اس دعویٰ میں اگر تم سچے ہو' یہ شخص ابھی تک موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کے بارے میں شک کا اظہار کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کے اردگرد جو لوگ بیٹھے ہیں کہیں وہ متاثر نہ ہو جائیں۔

اب حضرت موسیٰ اپنے معجزات پیش فرماتے ہیں۔ فرعون کے ساتھ چیلنج اور جوابی چیلنج چونکہ انتہا تک پہنچ گئے ہیں۔ اس لیے اب وقت آگیا ہے کہ فرعون پر آخری وار کیا جائے۔

فَأَلْقٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ ع ۲۴

"(اس کی زبان سے یہ بات نکلتے ہی) موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا اور یکایک وہ ایک صریح اژدھا تھا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا اور وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا"۔

انداز بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عصا فی الحقیقت سانپ بن گیا تھا۔ زندہ ہو گیا اور زمین پر رینگنے لگا۔ اور جب انہوں نے اپنا ہاتھ بغل سے نکالا تو وہ فی الواقعہ سفید تھا اور یہ مفہوم (فَاِذَا هِيَ) کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ محض نظربندی یا تخیل نہ تھا جس طرح جادوگر کرتے ہیں اور چیزیں اپنی حقیقت پر ہی رہتی ہیں۔ محض لوگوں کے حواس کے اندر خلل آ جاتا ہے۔ اشیاء کی حقیقت نہیں بدلتی۔

زندگی کا عظیم معجزہ' جو اس کرۂ ارض پر رواں ہے' اور یہ معجزہ بروقت ہوتا رہتا ہے۔ لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ مانوس ہو گئے ہیں اور یہ معجزہ بار بار اس زمین پر دہرایا جاتا ہے یا لوگ زندگی کے ذریعہ رونما ہونے والی اس تبدیلی کا مشاہدہ نہیں کرتے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے یہ دونوں معجزے رکھے تو یہ ایک ایسا امر تھا کہ پہلی نظر میں اس نے لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

فرعون نے اب محسوس کیا کہ یہ معجزہ تو بہرحال بہت بڑا ہے اور اپنے اندر بڑی قوت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً اس معجزے کے اثرات کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ اپنے دل میں تو وہ خود جانتا تھا کہ اس کا موقف غلط ہے۔ یہ بھی ممکن تھا اس کے حاشیہ نشین چاپلوسی کرتے ہوئے حقیقی صورت حال نہ بتائیں۔ اس لیے یہ شخص حضرت موسیٰ اور قوم موسیٰ کی طرف سے سامنے آنے والے خطرے کو خود حاشیہ نشینوں کے سامنے رکھتا ہے تاکہ وہ ان معجزات کے اثرات کو کم کر سکے۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ أَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ

Marfat.com
Marfat.com

أَرْضِكُم بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾

"وہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ پس بتاؤ تم کیا حکم دیتے ہو۔"

فرعون کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ یہ مجرد غیر محسوس معجزہ ہے۔ اگرچہ دوسرے مقام پر یہ کہتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ ساحر علیم ہے۔ اس کی یہ علامت کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ قوم بھی جادو سے متاثر ہوتی ہے۔

یہ ہے ان یخرجکم من ارضکم بسحرہ (۲۶:۳۵) "وہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون اندر سے ہکا گیا ہے۔ اب یہ اپنی قوم کے ساتھ نہایت مذبذب انداز میں گفتگو کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ان لوگوں کو وہ یہ کہتا ہے کہ میں تمہارا اعلیٰ اور وہ اس کے سامنے کہتے تھے۔ اب یہ اہل حل و عقد سے مشورہ کرتا ہے کہ بتاؤ اس کے کون خرچ طے کیا جائے۔

اس دفعہ تمام بادشاہوں کا انداز ہوتا ہے کہ یہ مست کر و فریب ہوتے ہیں۔ لیکن جیسے تاریخ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ کے قدموں کے نیچے سے عمل رہتی ہے تو متحیر ہو کر یہ درباریوں کی طرح بات کرتے ہیں۔ پھر یہ عوام کے بل بوتے پر بولتے ہیں۔ حالانکہ جب خطرے سے باہر ہوتے ہیں تو یہ ان عوام کو کچلتے ہیں۔ بظاہر تو وہ یوں دکھاتے تھے کہ وہ شوریٰ، مشورہ طلب کرتے ہیں لیکن دراصل ان کی حیثیت ایک بت کی ہوتی ہے۔ اور یہ تو بھی وہ صرف اس حد تک کرتے ہیں کہ خطرہ دور ہو جائے لیکن جونہی خطرہ دور ہوتا ہے یہ لوگ ایسے ہی جبار ہوتے ہیں اور ویسے ہی ظالم ہوتے ہیں۔

فرعون کے درباریوں نے مشورہ دیا کہ انہیں روک لو کیونکہ فرعون کی سازش سے وہ غلط فہمی میں مبتلا تھے اور فرعون اور اس کے نظام باطل میں وہ برابر کے شریک بھی تھے اور فرعونی نظام کے عملی حامی رہنے میں ان کا مفاد بھی تھا کیونکہ اس نظام ہی کی وجہ سے یہ لوگ متمکن فرعون تھے۔ ان کو خوف یہ تھا کہ اگر عوام بھی بنی اسرائیل کے ساتھ حضرت موسیٰ کی اطاعت شروع کر دیں تو یہ لوگ ان پر غالب آ سکتے ہیں۔ اگر عوام نے حضرت موسیٰ کے صرف یہ دو معجزے ہی دیکھے اور پھر حضرت موسیٰ کی باتیں سننے لگ گئے۔ تو انہوں نے مشورہ دیا کہ ان کو روک لیں اور ان کے جادو کے مقابلے میں ایسے ہی جادو کا بندوبست کریں۔ تیاری کے بعد مقابلہ ہو۔

قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿١١١﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿١١٢﴾

"انہوں نے کہا" اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیں اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ ہر سیانے جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں"۔

یعنی ان کو اور ان کے بھائی کو روک لیں اور مصر کے بڑے بڑے شہروں میں ہرکارے بھیج دیں۔ ماہر ترین جادوگروں کو جمع کر لیں اور حضرت موسیٰ اور جادوگروں کے درمیان کھلا مقابلہ ہو۔

Marfat.com

یہاں پر وہ گرتا ہے اور پھر جادوگروں کے گروہ نمودار ہوتے ہیں اور عوام الناس مقابلے کے لیے دوڑے آرہے ہیں۔ بادشاہ اور بادشاہ کے حامی عوام جادوگروں کے حق میں نعرے لگاتے آرہے ہیں۔ اب حق و باطل کے درمیان کھلا مقابلہ ہے۔ ایمان اور کفر کے درمیان رسہ کشی شروع ہوتی ہے۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٣٨﴾ وَّقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾

"چنانچہ ایک روز مقرر وقت پر جادوگر اکٹھے کر لیے گئے اور لوگوں سے کہا گیا "تم اجتماع میں چلو گے شاید کہ ہم جادوگروں کے دین ہی پر رہ جائیں اگر وہ غالب رہے"۔

فرعون کی ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جادوگروں کی حمایت میں لوگوں کے اندر زبردست جوش و خروش پیدا کر رہا ہے۔

هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ (۳۹) لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ (۴۰) "تم اجتماع میں چلو گے شاید کہ ہم جادوگروں کے دین پر ہی رہ جائیں اگر وہ غالب رہے"۔ یعنی کیا تم مقابلے کے دن ضرور آؤ گے اور ہرگز پیچھے نہیں رہو گے۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ جادوگر یہ میدان کس طرح مارتے ہیں اور موسیٰ اسرائیلی کے مقابلے میں مصری کس طرح غالب ہوتے ہیں اور عوام الناس ہمیشہ ایسے معاملات میں جمع ہوا کرتے ہیں لیکن ان کو اصل حقیقت کا پتہ نہیں ہوتا ہے کہ حکمرانوں عوام الناس کو کس طرح استعمال کرتے ہیں اور ان جماعتوں، اور جلسوں اور جلوسوں میں ان کو کس طرح کھلونا بناتے ہیں اور یہ کام وہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ عوام پر وہ جو مظالم ڈھا رہے ہوتے ہیں اور جس طرح ان کی پسماندگی کے وہ ذمہ دار ہیں، ان کو ان باتوں پر غور کرنے کا موقعہ میں نہ ملے۔ وہ موسیٰ اور جادوگروں کے مقابلے میں شغل میلا کریں۔

مقابلے سے قبل جادوگر فرعون کے دربار میں حاضر ہیں۔ وہ یہ یقین دہانی حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ہمیں کامیابی حاصل ہوگئی تو ہمیں معقول معاوضہ دیا جائے گا۔ یہ فرعون کی جانب سے ایک پختہ وعدہ حاصل کر لیتے ہیں کہ اگر کامیاب ہوئے تو ان کو معقول اجرت کے ساتھ ساتھ شاہی تخت و تاج کا قرب بھی حاصل ہوگا اور تم میرے مقربین میں سے ہو گے۔

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾

"جب جادوگر میدان میں آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا "ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے؟" اس نے کہا "ہاں، اور تم تو اس وقت مقربین میں شامل ہو جاؤ گے"۔

Marfat.com

یہ ہے پوزیشن کرایہ کے ان معاونین کی جو فرعون پورے ملک سے پیغمبر خدا کے مقابلے کے لیے جمع کر کے لایا ہے۔ اس نے ان کی خدمات چند ٹکوں کے عوض خریدی ہیں۔ ان کے سامنے نہ کوئی قومی مسئلہ ہے اور نہ کوئی مقصد اور کوئی نظریہ ہے۔ وہ تو صرف اجر اور مفادات کے بندے ہیں۔ اور ہر زمان و مکان اور ہر دور میں ہمیشہ سرکش حکمران کرایہ کے ایسے لوگوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔

اور یہ لوگ بھی اپنی چالاکی، شعبدہ بازی اور مہارت اور محنت کی قیمت چکاتے ہیں اور فرعون بھی اس مشکل گھڑی میں ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اجر اور انعامات کا وعدہ کرتا ہے۔ وہ وعدہ کرتا ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ میرے مقرب ہوں گے اور اپنے آپ کو وہ بادشاہ اور الٰہ اور حاکم سمجھتا ہے۔

---ooo---

اب آیئے میدان مقابلہ کی طرف فریقین تیار ہیں اور عوام جمع ہیں۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ
وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى
عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا
اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ
لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ لَاُقَطِّعَنَّ
اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۚ
اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ
اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ ع ۳ ۱۸

"موسیٰ نے کہا "پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے"۔ انہوں نے فوراً اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور بولے "فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے"۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ ان کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا جا رہا تھا۔ اس پر سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ "مان گئے ہم رب العالمین کو--- موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کے رب کو"۔ فرعون نے کہا "تم موسیٰ کی بات مان گئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا! ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا! ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے، میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو سولی چڑھا دوں گا"۔ انہوں نے جواب دیا "کچھ پروا نہیں، ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے۔ اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کر دے گا کیونکہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں"۔

Marfat.com

Marfat.com

یہ منظر بڑی سنجیدگی کے ساتھ اور پروقار انداز سے شروع ہوتا ہے۔ البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چونکہ سچائی اور خدائی ہے اس لیے وہ بالکل گھبرائے ہوئے نہیں ہیں۔ فرعون نے پورے ملک کے ماہرین فن مکار جادوگروں کو بلایا ہوا ہے اور ان کے ساتھ گمراہ اور سادہ لوح عوام الناس کا ایک جم غفیر بھی جمع کر رکھا ہے' لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سرکاری تیاریوں کی کوئی پرواہ ہی نہیں کر رہے۔ حضرت موسیٰ کے اطمینان کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ وہ ان جادوگروں کو موقعہ دیتے ہیں کہ وہ پہلے اپنے کرتب دکھائیں۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ (۲۶: ۴۳) "موسیٰ نے ان سے کہا پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے"۔ حضرت موسیٰ کا انداز تعبیر ہی ایسا ہے کہ وہ ان کے کرتب کو اہمیت نہیں دے رہے۔ پھینکو جو پھینکنا ہے۔

اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ (۲۶: ۴۳) آپ یہ بات لاپرواہی اور بغیر کسی اہتمام کے کہتے ہیں۔ چنانچہ جادوگروں نے اپنی پوری مہارت' اپنی پوری استادی اور اپنی پوری مکاری کو کام میں لاکر اور فرعون کے نام کا ورد کر کے اپنی باری کا آغاز کیا۔

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيُّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ (۲۶: ۴۴)
"انہوں نے فوراً اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور بولے' فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے"۔ یہاں سیاق کلام میں ان کی رسیوں اور لاٹھیوں کی تفصیلات نہیں دی گئیں۔ سورہ اعراف اور طٰہٰ میں تفصیلات بھی دی گئی ہیں۔ اس لیے کہ یہاں سیاق کلام حضرت موسیٰ کے گہرے اطمینان کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ یہاں فوراً حضرت موسیٰ کی پوری کارروائی دکھا دی جاتی ہے کیونکہ غلبہ حق اس سورت کا محور اور مضمون ہے۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ (۲۶: ۴۵) "پھر موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ ان کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا جا رہا تھا"۔ ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی فن کاری کی آخری صلاحیتیں صرف کی تھیں۔ انہوں نے ساری عمر اس شعبدہ بازی میں گزاری تھی اور اس میں پوری مہارت حاصل کی تھی۔ انہوں نے وہ تمام کرتب پیش کر دیئے تھے جو ایک جادوگر کر سکتا ہے۔ وہ تھے بھی بڑی تعداد میں ہر طرف سے گروہ در گروہ جمع ہو کر آئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام یکہ و تنہا تھے۔ ان کے پاس صرف اپنا عصا تھا۔ یہ عصا ان کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو ہڑپ کر گیا۔ (لقف) کا لغوی مفہوم ہے ہڑپ کر لینا یعنی بڑی تیزی سے کسی چیز کو کھا لینا۔ جادوگروں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ جادو کے ذریعے کوئی عصا کسی چیز کو نگل نہیں سکتا۔ اس میں تو صرف تخیل اور تنویم ہوتی ہے لیکن عصا نے تو درحقیقت تمام پھینکی ہوئی اشیاء کو کھا لیا۔ کسی چیز کا نام و نشان میدان میں نہ تھا۔ اگر جادو ہوتا تو جادو کے اثر کے بعد تخیل کے عمل کے اختتام پر اشیاء کو موجود ہونا چاہئے تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ میدان میں عملاً کچھ نہیں ہے --- ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ تو ہرگز جادوگر نہیں ہیں۔ وہ پیغمبر برحق ہیں اور اس سچائی کو اس دنیا میں بہترین طور پر جاننے والے یہی جادوگر تھے۔

Marfat.com
Marfat.com

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا (۲۶:۴۶) قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ (۲۶:۴۷) رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (۲۶:۴۸) "اس پر سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ مان گئے ہم رب العالمین کو' موسیٰ اور ہارون کے رب کو"۔ ایک ہی لمحہ قبل وہ کرایہ کے لوگ تھے اور فرعون کے ساتھ وہ اپنی مہارت اور اجرت کا مول تول کر رہے تھے۔ نہ وہ کوئی نظریہ رکھتے تھے اور نہ ان کے پیش نظر کوئی نصب العین تھا۔ لیکن اب ان کے دلوں تک جو سچائی پہنچ گئی اس نے ان کو پوری طرح بدل دیا۔ اس واقعہ نے انہیں ہلا کر رکھ دیا۔ ان کی دینی دنیا میں ایک زلزلہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے جو سچائی دیکھی وہ ان کے دلوں کی تہہ تک پہنچ گئی۔ اس نے ان کے دل پر تمام پردے زائل کر دیئے اور گمراہی کی جو تہیں ان کے دلوں پر جمی ہوئی تھیں' وہ صاف ہو گئیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر موسیٰ صرف جادوگر ہوتے تو ان کی رسیاں اور ڈنڈے کہیں بھی نہ جاتے۔ ان چیزوں کے اندر ان کے جادو سے ہلچل تو پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ غائب نہیں ہو سکتیں۔

چنانچہ ان کا دل صاف ہو گیا اور ان کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ بغیر ارادہ کے سجدے میں گر جائیں۔ ایمان کا اظہار کر دیں اور صاف صاف اظہار کر دیں۔

آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ (۲۶:۴۷) رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (۲۶:۴۸) "مان گئے ہم رب العالمین کو جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے"۔ انسانی دل کی دنیا بھی عجیب ہے۔ ایک لمحے میں اس کی دنیا بدل سکتی ہے۔ ایک نظر میں اس میں انقلاب آ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی سچ فرمایا۔ "جو دل بھی ہے وہ رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے' اگر اللہ چاہے تو اسے سیدھا رکھے اور اگر چاہے تو گمراہ کر دے (ٹیڑھا) کر دے"۔ یوں جادوگر جو اجر کے طلبگار اور کرایہ کے لوگ تھے وہ برگزیدہ مومن بن گئے۔ اور یہ فرعون اور اس کے جبار و قہار کے ساتھیوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اور فرعون کے جمع کردہ عوام الناس کے جم غفیر کا بھی انہوں نے کوئی لحاظ نہ رکھا۔ وہ ان نتائج کی پرواہ کیے بغیر ہی مسلمان ہو گئے جن کی توقع ان کو جابر و ظالم فرعون سے تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰ پر ایمان لانا اور اس طرح علی الاعلان لانا کیا معنی رکھتا ہے۔ اب ان کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ کون کیا کہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔

حالات نے اچانک جو پلٹا کھایا' ظاہر ہے کہ فرعون اور اس کے سردازوں پر تو بجلی گر گئی۔ کیونکہ لوگ سب جمع تھے۔ ان کو خود فرعون اور اس کے اہلکاروں نے جمع کیا تھا تاکہ وہ موسیٰ اور جادوگروں کا مقابلہ دیکھ لیں۔ انہوں نے عوام کے اندر یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ موسیٰ اسرائیلی ایک بہت بڑا جادو لے کر آیا ہے اور وہ جادو کے زور پر ہماری حکومت کو ختم کر کے اپنی قوم کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہ کہ حکومت نے بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کر کے اس کے مقابلے کا انتظام کیا ہے۔ ہمارے جادوگر اس پر غالب ہوں گے اور اس کا قلع قمع کر دیں گے۔ یہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ موسیٰ اللہ کا نام لے کر آتا ہے اور جادوگر عزت فرعون کے عنوان سے میدان میں آتے ہیں۔ یہ شکست کھاتے ہیں اور اپنی شکست کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ وہ فوراً حضرت موسیٰ کی رسالت کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے سچے نبی ہیں۔ وہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب کو مانتے ہیں۔ یہ فرعون کی بندگی کا جوا اپنی گردنوں سے اتار

پھینکتے ہیں' جبکہ ایک لمحہ قبل وہ فرعون کے سپاہی اور خدمت گار تھے اور اس کی جانب سے انعام کے طلبگار تھے اور اپنا کام انہوں نے عزت فرعون کے عنوان سے شروع کیا تھا۔

حالات کے اندر یہ اچانک انقلاب فرعون کے اقتدار کے لیے خطرہ تھا کیونکہ اب وہ افسانہ ہی ختم ہو گیا جس کی اساس پر فرعون کا اقتدار قائم تھا یہ کہ فرعون الٰہ ہے بایں معنی کہ وہ خدا کی اولاد میں سے ہے۔ اور یہ جادوگر دین فرعون کے مذہبی راہنما تھے کیونکہ اس دور میں تمام کاہن جادوگر ہوتے تھے اور یہ تمام جادوگر اسی رب العالمین پر ایمان لے آئے ہیں جو ہارون اور موسیٰ کا رب ہے' جہاں تک جمہور عوام کا تعلق ہے وہ ہمیشہ مذہبی راہنماؤں کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ عقائد انہی مذہبی راہنماؤں سے لیتے ہیں۔ اب فرعون کے اقتدار کے لیے وجہ جواز اور سہارا صرف قوت رہ گئی اور یہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ محض قوت کے بل بوتے پر کسی اقتدار کو قائم نہیں رکھا جا سکتا۔

ہمیں چاہئے کہ ہم ذرا اچھی طرح اندازہ کر لیں کہ اس صورت حال سے فرعون کس قدر بوکھلایا ہو گا اور اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے حاشیہ نشینوں کی حالت کیا ہو گئی ہو گی کہ جب یہ حقیقت سامنے آئی کہ جادوگر ایمان لے آئے اور ایسا ایمان کہ ایمان لاتے ہی وہ رب العالمین کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اعتراف حق کر کے اللہ کی طرف یکسو ہو جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس صورت حال کو دیکھ کر فرعون پاگل ہو جاتا ہے۔ وہ بوکھلاہٹ میں اعلان کر دیتا ہے کہ تم سازشی ہو تمہیں سخت ترین سزا دی جائے گی۔ پہلے تو اس نے یہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کے لیے حصول اقتدار کی سازش کر رہے ہیں۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ

(۲۶: ۴۹) "فرعون نے کہا' تم موسیٰ کی بات مان گئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا۔ ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا ابھی تمہیں معلوم ہو جاتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا۔ اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا"۔ تم میری اجازت کے بغیر میرے مشورے کے بغیر ہی موسیٰ کی بات مان کر سجدہ ریز بھی ہو گئے۔ یہاں اس نے یہ نہیں کہا اٰمَنْتُمْ بِهٖ "تم اس پر ایمان لائے"۔ بلکہ اس نے اٰمَنْتُمْ لَهٗ کہا یعنی تم نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور میری اجازت کے بغیر۔ جس طرح کوئی شخص جنگی چال چلتا ہے' اپنے ارادے کا مالک ہوتا ہے' وہ اپنے ہدف کو جانتا ہے۔ اور اپنے انجام کا اندازہ کرتا ہے۔ ایسا شخص جو ہر کام منصوبہ بندی سے کرتا ہے وہ اس قدرتی لمحے اور اس قدرتی نتیجے کو نہیں سمجھ سکتا جس کی گرفت میں جادوگروں کے دل آ گئے۔ سرکش حکمران ایسے لمحات کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ان کے دل پتھر ہو جاتے ہیں اور وہ ایسے روشن لمحات سے محروم ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرعون بڑی تیزی سے ان پر الزام لگاتا ہے اور عوام الناس کو لائن دیتا ہے کہ ان جادوگروں کے اندر کیوں اس قدر عظیم انقلاب آیا۔

Marfat.com
Marfat.com

اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (۲۶:۴۹) ''ضرور' یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا''۔ فرعون نے یہ عجیب الزام لگایا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے' الا یہ کہ یہ جادوگر جب کاہن تھے اور موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پل رہے تھے تو شاید اس زمانے میں کاہن موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم دیتے ہوں گے۔ یا موسیٰ علیہ السلام ان کی عبادت گاہوں میں جاتے ہوں گے۔ اس تعلق کی بنا پر اس نے یہ الزام لگایا پھر بجائے اس کے کہ یہ ان کو کہتا کہ موسیٰ تمہارا شاگرد ہے اس نے یہ الزام لگا دیا کہ یہ تمہارا بڑا استاد ہے۔ عوام الناس کے ذہن میں وہ موسیٰ علیہ السلام کو ملک کے لیے خطرہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد وہ صراحت کے ساتھ ان کو شدید عذاب کی دھمکی دیتا ہے کہ اچھا انتظار کرو' میری طرف سے سزا کا۔

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ (۲۶:۴۹) ''اچھا ابھی تمہیں معلوم ہو جاتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو سولی چڑھا دوں گا''۔ یہ ہے وہ حماقت جس کا ارتکاب ہر سرکش ڈکٹیٹر کیا کرتا ہے۔ اور یہ وہ اس وقت کرتا ہے جب اس کی کرسی اور اقتدار کو خطرہ لاحق ہوتا ہے اور اس کی ذات کو خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اور اس میں وہ خود اپنے ضمیر کی ملامت کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سزا فرعون سنا رہا ہے جس کا یہ لفظ قانون ہے اور اسی وقت نافذ کر دیا جاتا ہے۔ اب ذرا اس گروہ مومن کی بات بھی سن لیں جس نے روشنی کو دیکھ لیا ہے۔

یہ اس دل کی بات ہے جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور اس معرفت کے بعد اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ اب اس کا جاتا ہے۔ یہ ایسے دل کی بات ہے جس نے اللہ تک رسائی حاصل کر لی ہے اور ایمان کا ذائقہ چکھ لیا ہے۔ اس لیے وہ ڈکٹیٹر اور سرکش حکمران کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اور یہ ایک ایسے دل کی پکار ہے جو آخرت کا طلبگار ہے اور اس لیے اسے اس دنیا کے فائدے کی کوئی پرواہ نہیں رہتی۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (۲۶:۵۰) اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۶:۵۱) ''انہوں نے جواب دیا کچھ پروا نہیں ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کر دے گا کیونکہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں''۔ کچھ پروا نہیں ہے۔ ہمیں اس بات کی اب کوئی فکر نہیں ہے کہ ہمارے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔ تشدد اور سولی کی سزا کی بھی کوئی پروا نہیں ہے۔ موت اور شہادت سے ہم نہیں ڈرتے۔ ہمیں تو ان باتوں کی کوئی پروا نہیں ہے' اگر ہم مر گئے تو ہم اپنے رب کے پاس چلے جائیں گے۔ آخر اس زمین کی زندگی میں رکھا کیا ہے؟ ہمارا مطمح نظر تو اب یہ ہے۔

اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ (۲۶:۵۱) ''کہ ہمارا رب ہماری خطائیں معاف کر دے''۔ اور یہ خطائیں اس اعزاز کی وجہ سے معاف کر دے کہ

Marfat.com
Marfat.com

اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۶:۵۱) "یہ کہ ہم پہلے ایمان لانے والے بن گئے"۔ اب ہمیں سابقین اولین کا درجہ حاصل ہے۔

اے اللہ! کیا ہی شان ہے ایمان کی جب یہ ضمیر کی دنیا کو منور کر دے۔ جب اس کا فیضان روح پر ہو جائے۔ جب کاسہ قلب مومن ایمان سے بھر جائے تو مٹی کا یہ کالبد اعلیٰ علیین کے مقام پر چلا جاتا ہے۔ دل غنی ہو جاتا ہے۔ دلوں کے اندر دولت ایمان جمع ہو جاتی ہے اور اس کے مقابلے میں کہ روئے زمین کی سب دولت ہیچ نظر آتی ہے۔

اب سیاق کلام میں پھر ایک بار پردہ گرتا ہے اور جادوگروں کے روشن ضمیر کا یہ منظر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس پر مزید کوئی تبصرہ نہیں ہے۔ تاکہ ان سابقین اولین کا یہ گہرا اثر قاری کے دل میں بحال رہے۔ لوگ سوچیں کہ اہل مکہ اہل ایمان پر جو مظالم ڈھا رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تاریخ میں اہل ایمان اس قسم کے مظالم برداشت کرتے چلے آئے ہیں۔

اب اہل ایمان کے خلاف فرعون کی تدابیر کا ایک منظر اور اہل ایمان کے لیے اللہ کی راہنمائی کا ایک منظر:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

"ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ "راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ' تمہارا پیچھا کیا جائے گا"۔ اس پر فرعون نے (فوجیں جمع کرنے کے لیے) شہروں میں نقیب بھیج دیئے (اور کہلا بھیجا) کہ "یہ کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں' اور انہوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے' اور ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہر وقت چوکنا رہنا ہے"۔

اب یہاں واقعات اور زمانے کے اعتبار سے ایک بڑا اور طویل خلا ہے۔ بیچ میں سے طویل زمانے اور واقعات کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ اس مقابلے کے بعد حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام بھی مصر میں کام کرتے رہے۔ اور سورت اعراف میں جن دوسرے معجزات کا ذکر ہوا ہے وہ بھی اس عرصہ میں رونما ہوئے اور آخر کار وہ وقت آگیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جائیں۔ لیکن اس سورت میں ان تمام واقعات کو لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے اور قصہ موسیٰ کے ان حصوں کو یہاں لے لیا جاتا ہے جو اس سورت کے موضوع اور مضمون کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بذریعہ وحی اجازت دے دی کہ آپ اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں۔ تمام بنی اسرائیل رات کو نکلیں۔ اس سفر کے لیے نہایت منظم خفیہ انتظامات کیے گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اطلاع بھی کر دی گئی کہ فرعون بہرحال میں تمہارا پیچھا کرے گا۔ اور ساحل سمندر کی طرف نکل کھڑے ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس جگہ ساحل سمندر تک پہنچے وہ خلیج سویز اور چھوٹے چھوٹے بحیروں کے موجودہ علاقے میں یہ واقع تھا۔

Marfat.com

فرعون کو خفیہ طور پر اطلاعات مل گئیں کہ بنی اسرائیل نکلنے والے ہیں۔ تو اس نے بھی اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ جس وقت بھی خروج شروع ہو' پیچھا کرنے کے لیے افواج کو تیاری کی حالت میں رکھا جائے۔ تمام علاقوں میں اس نے اپنے ہرکارے بھیج دیئے کہ افواج کو تیار کیا جائے کہ یہ ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔ یہ بچ نکلنے کی تدبیریں سوچ رہا ہے لیکن اسے پتہ نہ تھا کہ یہ خروج اللہ تعالیٰ کی طرف سے منظم کیا جا رہا ہے۔

فرعون کے لوگ فوجوں کو تیار کرتے رہے لیکن عوام کے اندر یہ بے چینی پیدا ہو سکتی تھی کہ آخر موسیٰ کے پاس کتنی بڑی طاقت ہے کہ اس کے مقابلے میں اس قدر وسیع پیمانے پر تیاریاں ہو رہی ہیں جبکہ فرعون اپنے آپ کو الٰہ بھی کہتا ہے اور پھر بھی ایک پبلک کے فرد کے مقابلے پر اس قدر جنگی تیاریاں کر رہا ہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر فرعون کو اس قسم اعلان کی ضرورت پیش آئی۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ (۲۶: ۵۴) "یہ کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں"۔ تو سوال یہ ہے کہ پھر ان کے خلاف اس قدر انتظام کیوں ہو رہا ہے اور فوجیں کیوں جمع کی جا رہی ہیں اگر وہ مٹھی بھر لوگ ہیں"۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ (۲۶: ۵۵) "اور انہوں نے ہم کو بہت ہی ناراض کیا ہے"۔ یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو ہمارے سامنے کسی نے نہیں کیے' اس لیے ان کی وجہ سے ہم غیظ و غضب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ہمارے اندر جوش انتقام پیدا ہو گیا ہے۔

اگرچہ یہ لوگ نہایت ہی خطرناک ہیں اور ان کی تحریک ایک مضبوط تحریک ہے۔ لیکن سرکاری لوگ عوام سے یہی کہیں کہ حکومت نے مکمل احتیاطی تدابیر اختیار کی ہوئی ہیں اور ان پر نظر رکھی ہوئی ہے۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ (۲۶: ۵۶) "اور ہم ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہمیشہ چوکنا رہنا ہے"۔ اور ہم ان کی سازشوں کے مقابلے میں بیدار ہیں۔ ان کے معاملات میں بڑی احتیاط برت رہے ہیں اور ان کو اچھی طرح کنٹرول کر رہے ہیں۔ جب بھی اہل باطل کا اہل ایمان سے مقابلہ ہوتا ہے تو اہل باطل اہل ایمان کے مقابلے میں اسی طرح حیران و پریشان ہوتے ہیں۔

---ooo---

قبل اس کے کہ آخری منظر پیش کیا جائے' یہاں قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ فرعونیوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی کی وجہ سے ان نعمتوں' ان باغات اور مکانات عالی شان اور اس عیش و عشرت سے نکال دیا اور یہ مقام اختیار و اقتدار بنی اسرائیل جیسے مستضعفین کو دے دیا۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾
كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

Marfat.com
Marfat.com

"اس طرح ہم انہیں ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے۔ یہ تو ہوا ان کے ساتھ' اور (دوسری طرف) بنی اسرائیل کو ہم نے ان سب چیزوں کا وارث کر دیا"۔

یہ لوگ تو اس لیے نکلے کہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کا تعاقب کریں اور انہیں گرفتار کریں مگر اپنے گھروں سے ان کا یہ خروج آخری خروج تھا۔ یہ دراصل اللہ کی اسکیم میں ان کے لیے ان انعامات اور عیاشیوں سے اخراج تھا' جن میں وہ تھے' اعلیٰ سہولتوں' عزت کے مقامات اور خوشحالی اور باغات و محلات سے اخراج تھا۔ اس کے بعد یہ پھر ان مقامات کی طرف واپس نہ آئے اور یہ تھی ان کی سزا ان مظالم کی وجہ سے جو یہ غریبوں پر ڈھاتے تھے۔

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۲۶: ۵۹) "اور دوسری طرف ہم نے بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث کر دیا"۔ تاریخ میں تو اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ یہ بنی اسرائیل فرعونیوں کے بعد دوبارہ مصر میں داخل ہوئے تھے اور مصر کے باغ و راغ اور مال و منال پر قابض ہو گئے تھے۔ اس لیے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کا مال و اقتدار ان کو دے دیا گیا جس طرح فرعونیوں کو دیا گیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ ایک قوم کو زوال دیا اور دوسری کو عروج اور اس عروج میں وہ اگلی قوم کی وارث ہو گئی۔ پہلے مقام کریم اس کے پاس تھا اب اس کے پاس ہے۔

---oo0oo---

اور اس عمرانی سزا کے بعد اب ان کی جسمانی سزا اور آخری انجام کا ذکر آتا ہے۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَاۗءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾

"صبح ہوتے ہی یہ لوگ ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰ کے ساتھی چیخ اٹھے کہ "ہم تو پکڑے گئے"۔ موسیٰ نے کہا "ہرگز نہیں۔ میرے ساتھ میرا رب ہے۔ وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا"۔ ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ مار اپنا عصا سمندر پر"۔ یکایک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے۔ موسیٰ اور ان سب لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے' ہم نے بچا لیا اور دوسروں کو غرق کر دیا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندوں کو لے کر رات کے وقت نکل پڑے۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی اور ہدایت کے مطابق۔ صبح کے وقت جب فرعون نے دیکھا کہ بنی اسرائیل بھاگ گئے ہیں تو وہ اپنی فوجیں لے کر تعاقب میں نکلا۔ اس تعاقب کے لیے فرعون نے بڑی سخت تدابیر اختیار کر رکھی تھیں اور ان کو پکڑنے کا زبردست انتظام کیا تھا۔ اب یہ منظر اپنی انتہا

Marfat.com
Marfat.com

اور انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ معرکہ اپنی انتہائی بلندی پر پہنچ گیا۔ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم ساحل پر پہنچ گئی ہے۔ وہاں کوئی کشتی نہیں ہے۔ بنی اسرائیل نہ سمندر عبور کر سکتے ہیں اور نہ فرعون کے ساتھ جنگ کے لیے کچھ سامان ہے۔ اور فرعون ان کا تعاقب نہایت ساز و سامان سے کر رہا ہے اور انہیں گرفتار کرنے کی بے رحمانہ اسکیم اس نے تیار کی ہوئی ہے۔

بظاہر حالات یہی بتاتے ہیں کہ اب ان کے بھاگ نکلنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ آگے سمندر ہے اور پیچھے سے دشمن بڑھا چلا آ رہا ہے۔

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (۲۶: ۶۱) "موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے"۔ اہل ایمان کی بے چینی اب انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ اب تو چند منٹوں کی بات ہے کہ لشکر فرعون انہیں قتل کرے یا گرفتار کرے۔ اور اس سے بظاہر چھوٹ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رابطہ تو عالم بالا سے قائم تھا۔ وحی مسلسل آ رہی تھی۔ ان کا کاسہ دل اطمینان سے لبالب تھا۔ پوری طرح یقین تھا کہ اللہ کوئی صورت نکالنے والا ہے۔ مدد کی کوئی سبیل نکل آئے گی۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ نجات ملے گی۔ اگرچہ انہیں بھی معلوم نہ تھا کہ بات کیا ہوگی۔ البتہ یقین تھا کہ نجات یقینی ہے۔ کیونکہ یہ سب منصوبہ اللہ کا تیار کردہ ہے۔

قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (۲۶: ۶۲) "موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ضرور میری راہنمائی فرمائے گا"۔ لفظ کلا ایسی جگہ استعمال ہوتا ہے، جہاں شدید تاکید کے ساتھ نفی مطلوب ہو۔ یعنی تم ہرگز نہ پکڑے جاؤ گے اور تم ہرگز کسی فتنے میں نہ پڑو گے۔ ہرگز اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا۔ میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ضرور میری راہنمائی کرے گا۔ حضرت موسیٰ بڑی تاکید، اعتماد اور یقین کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ مایوسی کے ان اندھیروں میں اچانک روشنی کی ایک کرن نمودار ہوتی ہے۔ نجات کی راہ اس طرف سے ملتی ہے جس طرف سے کوئی امید نہ تھی۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ (۲۶: ۶۳) "ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ "مار اپنا عصا سمندر پر"۔ اب سیاق کلام میں آگے یہ نہیں کہا جاتا کہ انہوں نے اپنا عصا سمندر پر مارا بلکہ نتیجہ ہی جلدی سے ہمارے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ (۲۶: ۶۳) "یکایک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم پہاڑ کی طرح ہو گیا"۔ یہ معجزہ واقع ہو گیا اور لوگ جس بات کو محال کہتے تھے، وہ ہو گئی کیونکہ ان کا قیاس تو روز مرہ کے معمول کے واقعات پر تھا۔ اور یہ روز مرہ کے واقعات بھی تو اللہ کی قدرت کے پیدا کردہ اصولوں کے مطابق رونما ہوتے ہیں اور یہ ان اصولوں کے مطابق تب تک چلتے ہیں جب تک اللہ چاہتا ہے۔ اللہ کا حکم یوں ہوا کہ پانی راستوں کے دونوں طرف تودوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ بنی اسرائیل گھس کر دریا پار کر گئے۔

Marfat.com
Marfat.com

فرعون اپنی افواج کے ساتھ دوسری جانب ششدر کھڑا رہ گیا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں کے ساتھ یہ معجزہ دیکھا۔ لازم ہے کہ کچھ دیر کے لیے تو وہ حیرت زدہ ہو کر رہ گیا ہو گا۔ وہ دیکھ رہا ہو گا کہ موسیٰ اور ان کی قوم وہ گئے اور پار ہو گئے۔ اس نے بہرحال اپنی افواج کو اس راستے میں گھس جانے سے قبل سوچا تو ہو گا کیونکہ یہ ایک عجیب عمل تھا۔

اللہ کی اس تدبیر سے بنی اسرائیل دوسری طرف نکل گئے۔ ابھی تک پانی دو ٹکڑے ہی تھا۔ اور فرعون اور اس کا لشکر پانی کے اندر ہی تھے کہ اللہ نے ان کا انجام قریب کر دیا۔

وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ (٦٤) وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ (٦٥) ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ (٦٦) (۲۶: ٦٤ تا ٦٦) ”اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے۔ موسیٰ اور ان سب لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے، ہم نے بچا لیا اور دوسروں کو غرق کر دیا“۔ یہ معجزہ ایک عرصہ تک لوگوں کی زبان پر رہا۔ صدیوں تک وہ اس کا تذکرہ کرتے رہے۔ کیا اس پر زیادہ لوگ ایمان لے آئے؟

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿٦٧﴾

”اس واقعہ میں ایک نشانی ہے مگر ان لوگوں میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں“۔

اس لیے اگر خارق عادت معجزات کا صدور بھی ہو جائے تو نہ ماننے والے پھر بھی نہیں مانتے۔ اگرچہ بظاہر لوگ لاجواب ہو جائیں، کیونکہ ایمان تو ایک ہدایت ہے اور ہدایت وہ ہوتی ہے جسے دل قبول کرے۔

۴

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿٦٨﴾ ع ۱۷

۸

”اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی“۔ یہ پوری سورت کا سبق اور محور ہے کہ معجزات اور آیات پیش کرنے کے بعد، اگر لوگ تکذیب پر اصرار کریں گے تو اللہ بھی عزیز ہے“۔

---ooo---

Marfat.com

درس نمبر ۱۶۳ ایک نظر میں

حضرت موسیٰ، فرعون اور سرداران فرعون کی کہانی آپ لوگوں نے سنی اور اس کا انجام دیکھ لیا۔ اس قصہ میں مکہ میں رہنے والے کمزور اور مظلوم اہل ایمان کے لیے ایک قسم کی بشارت تھی، کہ جس طرح بنی اسرائیل پر ظلم ہوا اسی طرح آج مکہ کی جماعت قلیلہ بھی مظلوم ہے۔ مشرکین مکہ کا رویہ بھی بعینہ اسی طرح ہے جس طرح فرعونیوں کا تھا اور ان کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا جو فرعونیوں کا ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اب ذرا مزید پیچھے جاکر حضرت ابراہیم اور ان کی قوم کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو یہاں لایا جاتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جاتا ہے کہ ان کے سامنے ذرا اس قصے کو پڑھو۔ اس لیے کہ اہل مکہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جانشین اور پیروکار ہیں۔ یہ دین ابراہیم پر ہیں۔ حالانکہ کعبہ میں انہوں نے بت رکھے ہوئے ہیں اور بیت الحرام کے اندر جسے حضرت ابراہیم نے صرف اللہ کی عبادت کے لیے بنایا تھا۔ انہوں نے بت کھڑے کر رکھے ہیں، ذرا ان کو حضرت ابراہیم کے یہ افکار و عقائد بھی پڑھ کر سنائیں۔

اس سورت میں قصص تاریخی ترتیب کے مطابق نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سورت میں قصص مختصر برائے عبرت آموزی لائے گئے ہیں جبکہ اس سے قبل سورت اعراف میں یہی قصص تاریخی ترتیب کے ساتھ لائے گئے تھے۔ وہاں موضوع سخن یہ تھا کہ زمین کی وراثت ہمیشہ اللہ کے صالح بندوں کو دی جاتی رہی ہے۔ اس لیے وہاں قصص کا تاریخی پہلو بھی پیش نظر تھا۔ یعنی آدم علیہ السلام کے نزول، زوجیت اور انسانیت کا تاریخی سفر اور اس میں سنت الٰہیہ کا کام۔

یہاں حضرت ابراہیم کے قصے کی وہی کڑی پیش کی جارہی ہے جس میں وہ اپنی قوم کے سامنے دعوت پیش کرتے ہیں اور ان کے ساتھ نظریاتی مکالمہ کرتے ہیں اور قوم کے لوگ جن الٰہوں کو مانتے ہیں آپ ان کا انکار کرتے ہیں اور ان کو یہ بتاتے ہیں کہ میری بندگی اور عبادت کا رخ تو صرف اللہ وحدہ کی طرف ہے۔ اور یہ کہ میں پوری زندگی میں قیامت کو پیش نظر رکھ کر عمل کرتا ہوں۔ اور اس موقعہ پر قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر بھی پیش کر دیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن ان بتوں اور الٰہوں کی بندگی کرنے والے لوگ الٰہوں کی مذمت کریں گے اور شرک کے ارتکاب پر سخت نادم ہوں گے۔ یہ منظر یوں نظر آتا ہے کہ گویا یہ لوگ عملاً قیامت میں ہیں۔ چنانچہ مشرکین مکہ کے لیے اس قصے میں سامان عبرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قصے میں عقیدۂ توحید کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور عقیدۂ شرک کے فساد کو بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن ان مشرکین کا انجام کیا ہوگا۔ کیونکہ مقصد اور محور یہی ہے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہونے والا ہے، اس لیے قصے کے دوسرے واقعات جو دوسری سورتوں میں مفصل بیان ہوئے یہاں نہایت ہی اختصار کے ساتھ بیان کر دیئے گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کی بعض کڑیاں سورہ بقرہ، سورہ انعام، سورہ ہود، سورہ ابراہیم، سورہ

Marfat.com

انبیاء اور سورہ حج میں دی گئی ہیں۔ ہر سورت میں یہ قصہ سیاق کلام کی مناسبت سے دیا گیا ہے اور سورت کی جو فضا تھی اور اس کے موضوع کے اعتبار سے جو سبق دینا مطلوب تھا وہ دیا گیا۔

سورہ بقرہ میں قصے کا وہ حصہ دیا گیا جس میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام خانہ کعبہ تعمیر کر رہے ہیں۔ پھر انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ اس گھر کو پرامن بنا دے کہ لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آئیں اور یہ کہ اس گھر کی وراثت اور امامت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی جو مسلمان ہوں گے۔ جو حضرت ابراہیم کی ملت کے پیرو ہوں گے۔ وہ لوگ وارث نہ ہوں گے جو محض نسبت کے اعتبار سے ابراہیمی ہوں گے اور یہ قصہ اس لیے لایا گیا تھا کہ بنی اسرائیل کی خلاف ورزیاں ان کو اللہ کی طرف سے سزائیں اور ملعون کیے جانے کے اسباب بتائے جائیں اور یہ بتایا جائے کہ دنیا کی قیادت بنی اسرائیل سے لے کر کیوں مسلمانوں کو دی گئی۔

سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم اور وقت کے مشرک بادشاہ کے ساتھ آپ کا مناظرہ بھی نقل کیا گیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت' حاکمیت اور تخلیق پر بحث کی گئی ہے اور حضرت ابراہیم نے اسے بتایا کہ تخلیق بذات خود معجزہ ہے جب وہ نہ سمجھا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تو سورج کو مغرب سے طلوع کر کے دکھاؤ تو تب وہ مبہوت الحواس ہو گیا۔

پھر' خود آپ نے رب سے درخواست کی کہ اے اللہ' ذرا معجزہ تخلیق کا عملی مشاہدہ کرائیں۔ چنانچہ چار پرندے ذبح ہوئے' ان کے گوشت کو پہاڑوں پر تقسیم کیا گیا۔ اور علی رؤس الاشہاد ان کو دوبارہ زندہ کیا گیا اور یہ پرندے اڑ کر آئے اور اس طرح اس بادشاہ اور کافر لوگوں کو بتایا گیا کہ یہ ہیں معجزات الٰہیہ اور اللہ وہی ہے جو جلانے اور مارنے والا ہے۔

سورہ انعام میں ان کی جانب سے سورج اور چاند اور دوسرے پوجے جانے والے مظاہر پر غور کا قصہ لایا گیا ہے۔ یہ ستارے اور شمس و قمر بھی کیا الٰہ ہو سکتے ہیں؟ یہ کڑی اس سورت میں دی گئی جس کا موضوع عقیدۂ توحید اور نظریاتی مسائل ہیں۔ اور جس میں لوگوں کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ یہ پوری کائنات اور اس کے مناظر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کا پیدا کرنے والا وحدہ لاشریک ہے۔

سورت ہود میں حضرت اسحاق کی خوشخبری والا حصہ ہے' یہ قصہ لوط کے لیے تمہید کے طور پر لایا گیا ہے کیونکہ ملائکہ کا اصل ٹارگٹ قوم لوط تھی۔ راستے میں وہ حضرت ابراہیم کے پاس بھی ٹھہرے۔ اس قصے میں یہ بتانا مقصود تھا کہ اللہ اپنے سچے بندوں کی نگرانی اور نصرت کس طرح کرتا ہے۔

اور سورہ ابراہیم میں اولاد کو مکہ میں بسانے کے بعد ان کے لیے دعا کرنے کا حصہ لایا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی اولاد کو وادی غیر ذی زرع میں بٹھا کر جا رہے ہیں۔ بڑھاپے میں اسحاق اور اسماعیل کی ولادت کا شکریہ یہ ہے کہ وہ دین کا کام کریں۔ اور یہ دعا ان کے لیے کی گئی کہ اے اللہ' میری اولاد نماز قائم کرنے والی ہو۔ اور یہ کہ اے اللہ اس دعا کو قبول فرما اور مجھے اور میرے والدین کو یوم الدین میں بخش دے۔ اس سورت میں انداز کلام یوں تھا کہ تمام رسول ایک امت ہیں۔ ایک جماعت ہیں اور ان کا مشن بھی ایک ہے یعنی عقیدۂ توحید۔ کام بھی ایک ہے اور انجام بھی ایک ہے۔ سب ایک صف میں کھڑے ہیں۔ ایک ہی بات کرتے ہیں۔ گویا کفر و انکار کے تپتے ہوئے صحرا میں صرف ایک ہی سایہ دار درخت ہے یعنی شجرۂ نبوت۔ اور لوگوں کو اگر آرام مل سکتا ہے تو اس درخت کے زیر سایہ مل سکتا ہے۔

سورہ حجر میں بھی وہی حصہ مذکور ہے جو ہود میں لایا گیا تھا۔ البتہ مجرمین کی قدرے تفصیلات ہیں اور اس میں یہ بتایا

Marfat.com

گیا ہے کہ اللہ اپنے مومن بندوں پر رحمتوں کی بارش کرتا ہے اور مخالفین تحریک اسلامی اور مکذبین پر ہمیشہ اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

اور سورہ مریم میں وہ حصہ ہے جس میں آپ اپنے باپ کے ساتھ نہایت ہی نرمی سے پیش آتے ہیں جبکہ باپ ان پر سختی کرتا ہے۔ اور آپ نہایت ہی خوش اسلوبی سے قوم اور والد کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ پھر اللہ آپ کو اسماعیل اور اسحاق دیتا ہے۔ اس پوری سورت کا مضمون بھی ایسا ہے کہ اللہ اپنے منتخب اور برگزیدہ بندوں کو نوازتا رہتا ہے اور ان کے ساتھ نرمی اور محبت کا سلوک کرتا ہے۔

سورہ انبیاء میں قصے کا وہ حصہ پیش کیا گیا ہے جہاں آپ اپنے والد اور قوم کو دعوت دیتے ہیں۔ بتوں کے توڑنے کا واقع' آپ کو آگ میں پھینکے جانے کا واقعہ' اور آگ کا ٹھنڈا اور پرسکون ہونے کا واقعہ' اور آپ اور آپ کے بھتیجے کو ان لوگوں سے نجات دلا کر ارض برکت فلسطین کی طرف نکال لے جانے کا واقعہ۔ اور یہ سب بات تمام انبیاء کے اس مسلسل بیان کے ضمن میں ہے کہ اللہ نے گروہ انبیاء کی ہمیشہ نصرت کی اور تمام انبیاء نے اس اللہ کی عبادت کی جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جبکہ سورت حج میں یہ حکم دیا گیا کہ اس گھر کو یہاں رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں کے لیے ہر قسم کی گندگی سے پاک رکھو۔

---ooo---

Marfat.com

درس نمبر ۱۶۳ تشریح آیات

۶۹--- تا--- ۱۰۴

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾

"اور انہیں ابراہیم کا قصہ سناؤ جبکہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا تھا کہ "یہ کیا چیزیں ہیں جن کو تم پوجتے ہو"۔

ان کے سامنے حضرت ابراہیم کا قصہ پیش کرو۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ابراہیم کے وارث ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ ان کو بتاؤ کہ ابراہیم کے والد بھی تو بت پرست تھے اور انہوں نے تو والد کے فعل بت پرستی پر سخت مواخذہ کیا تھا۔ پھر تم بت پرست کس طرح بن گئے۔ وہ تو بت پرستی اور شرک کے مسئلے پر ہی اپنے والد اور قوم سے ٹکرا گئے۔ انہوں نے والد اور قوم کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ بت پرستی کھلی گمراہی ہے کس قدر سخت لہجے میں ما تعبدون (۲۶: ۷۰) "یہ کیا چیزیں ہیں جنہیں تم پوجتے ہو"۔

قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾

"انہوں نے جواب دیا "کچھ بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور انہی کی سیوا میں ہم لگے رہتے ہیں"۔ یہ لوگ اپنے بتوں کو الٰہ کہتے تھے لیکن قرآن کریم نے ان کی زبانی ان کے لیے اصنام کا لفظ بھی نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ یہ بت پتھروں سے گھڑے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ لوگ ان بتوں کی عبادت اور تعظیم میں لگے ہوئے ہیں اور یہ ان کے عقائد کی ایک عام کمزوری تھی لیکن جب عقائد اور خیالات بگڑ جاتے ہیں، تو پھر جن لوگوں نے ان بگڑے ہوئے عقائد کو سینے سے لگا لیا ہوتا ہے وہ سمجھ نہیں سکتے کہ ان کا یہ رویہ ان کو کس قدر ذلتوں اور کس قدر پستیوں تک گرا رہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے غافل دلوں کو جگاتے ہیں، ان کی عقل سے اپیل کرتے ہیں کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ کس حد تک تم گر گئے ہو اور کیا کیا حماقتوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہو۔ بغیر سوچنے اور سمجھنے کے۔

Marfat.com

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾

''اس نے پوچھا ''کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو' یا یہ تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں''۔

کسی الٰہ کی کم از کم جو خاصیت ہونا چاہیے' کہ وہ سنے اور سوال و جواب کرے۔ کم از کم کوئی اپنے اس بندے جیسا تو ہونا چاہئے جو اس کی عبادت کر رہا ہے اور اس کے سامنے گڑگڑا رہا ہے۔ یہ الٰہ تو نہ سنتے ہیں اور نہ گویا ہیں اور نہ ہی کوئی نفع و ضرر دے سکتے ہیں۔ اگر یہ سن ہی نہیں سکتے' بہرے ہیں تو پھر نفع و نقصان کیسے دیں گے۔ اس لیے ان کو کسی صورت میں پکارنا جائز نہیں ہے۔

لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوالات میں سے کسی کا جواب نہ دیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم ان کے ساتھ سخت مذاق کر رہے ہیں اور ان کے بتوں اور ان کی روش پر تنقید کر رہے ہیں کیونکہ ان کے پاس اس کا کوئی جواب ہی نہ تھا۔ ان کا جواب بس یہ تھا جو ہر شخص کا جواب ہوتا ہے جو بے سوچے سمجھے تنقید کرتا ہے۔

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾

''انہوں نے جواب دیا ''بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے''۔ بے شک یہ بت تو نہ نفع دیتے ہیں' نہ نقصان اور نہ سنتے ہیں لیکن ہمارے آباء و اجداد سے یہ عمل یوں ہی ہوتا چلا آرہا ہے کہ ہم ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔

یہ تو نہایت ہی شرمسار کرنے والا جواب ہے لیکن مشرکین بڑی ڈھٹائی سے یہ جواب دیتے ہیں اور اسی طرح مکہ کے مشرکین بھی یہی کہتے تھے اور کوئی شرم محسوس نہ کرتے تھے بلکہ ان کے لیے ان کے آباء و اجداد کا فعل ہی کافی دلیل تھا۔ مزید بحث کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ان لوگوں کی یہ آباء پرستی ہی اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تھی۔ کہ وہ آباء کے دین کو چھوڑ دیں' یوں وہ آباء و اجداد کی پیروی ترک کر دیں اور بالواسطہ یہ اقرار کر لیں کہ ہمارے آباء گمراہی پر تھے۔ لہٰذا گزرے ہوئے اجداد کے حق میں یہ بات درست نہیں ہے۔ یوں آباء و اجداد کا یہ احترام' بے حقیقت احترام' سچائی کو قبول کرنے کی راہ میں ہمیشہ ایک بڑی رکاوٹ رہا ہے۔ خصوصاً جب لوگ عقلی لحاظ سے جامد اور کورے ہو جاتے ہیں اور ایسے جمود اور وہم پرستی اور آباء پرستی سے لوگوں کو نکالنے کے لیے ان کو بڑا ذہنی جھٹکا دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ لوگ آزادانہ غور و فکر سے کام لیں۔

اس جمود اور غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو جگانے کے لیے ضروری تھا کہ حضرت ابراہیم ان کو ایک سخت جھٹکا دیں حالانکہ حضرت ابراہیم اپنے مزاج کے اعتبار سے نہایت ہی نرم اور سنجیدہ تھے۔ چنانچہ آپ یہ اعلان کرتے ہیں کہ اچھا میں تو ان کا دشمن ہوں اور ان تمام نظریات کا دشمن ہوں جو اس بت پرستی کی اساس پر اٹھائے گئے ہیں۔

قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۷﴾

"اس پر ابراہیم نے کہا "کبھی تم نے (آنکھیں کھول کر) ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی تم اور تمہارے پچھلے باپ دادا بجالاتے رہے؟ میرے تو یہ سب دشمن ہیں' بجز ایک رب العالمین کے"۔

یوں انہوں نے اعلان کیا کہ میرا باپ اور میری قوم بھی ان کی پرستش کرتی ہے مگر میں ان عقائد کو نہ صرف ترک کرنے کا اعلان کرتا ہوں بلکہ ان کا دشمن ہوں۔ ان الہوں کا دشمن ہوں' آباء پرستی کا دشمن ہوں اور اپنی پرانی تاریخ اور قدیم سے قدم ترین اجداد کا دشمن ہوں۔

یوں قرآن مجید اہل ایمان کو تعلیم دیتا ہے کہ سچائی کے مقابلے میں اگر باپ آجائے' قوم آجائے' آباؤ اجداد کی روایات آجائیں سب کو ٹھکرانا لازمی ہے کیونکہ اسلام کے بعد تمام انسانی رابطوں کو کاٹ کر صرف اسلامی رابطہ اور تعلق اپنانا فرض ہے۔ اسلام میں ایمان اور نظریہ کو اولیت حاصل ہے اور باقی سب چیزیں اس کے تابع ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام آباء واجداد کی روایات کا انکار کرتے ہوئے صرف رب العالمین کی روایات کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (۲۶:۷۷) "میرے تو یہ سب دشمن ہیں بجز رب العالمین کے"۔ کیونکہ ان کے آبائے اقدمین میں ضرور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو صرف اللہ کی عبادت کرتے ہوں گے۔ تاریخ کے اس دور میں جب ان کے عقائد فساد کا شکار نہ ہوئے تھے اور ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے رب العالمین کے ساتھ دوسروں کی بندگی بھی کی ہو۔ اس لیے آپ نے غایت درجہ احتیاط کرتے ہوئے یہاں رب العالمین کو مستثنیٰ کر دیا اور یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے سنجیدہ شخص کے لائق تھی کیونکہ آپ یہاں ایمان اور نظریہ پر مکالمہ کر رہے تھے اور ظاہر ہے کہ ایمان اور عقیدے اور نظریہ کی بات بڑی نازک ہوتی ہے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام رب العالمین کی صفات بیان کر کے تعارف کراتے ہیں جس کے ساتھ آپ کا رابطہ ہر حال اور ہر وقت موجود ہوتا ہے۔ وہ ہمارے قریب ہے۔ انسان کی ہر حرکت اور ہر سکون میں وہ انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ انسان کی تمام حاجات اور ضروریات وہ فراہم کرتا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾

"جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز جزا میں وہ

Marfat.com

Marfat.com

میری خطا معاف فرما دے گا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں اپنے رب کی جو حمد کی ہے اور اس میں وہ تفصیلات تک چلے گئے ہیں اور تصویر کشی کی ہے' اس سے ہمیں یہ شعور ملتا ہے کہ آپ اپنی پوری شخصیت کے ساتھ معرفت رب میں ڈوبے ہوئے تھے اور ان کی پوری شخصیت کا خدا کے ساتھ رابطہ تھا۔ وہ نہایت ہی محبت سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور حضرت اپنے رب کی حمد اس طرح کرتے تھے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہے ہوں۔ اور وہ اپنے تمام احساسات' تمام شعور اور وجدان کے ساتھ اور اپنے تمام اعضاء کے ساتھ اللہ کے فضل و کرم کو پا رہے تھے۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم اور رب العالمین کے تعلق کو جس قدر دھیمے نغمے کے ساتھ یہاں بیان کیا ہے اس سے اس تعلق کی فضا' اس کے آثار اور پرتو اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔ میٹھا اور نرم نغمہ اور طویل اور وسیع اثرات۔

اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ (۲۶:۷۸) "جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری راہنمائی فرماتا ہے"۔ اس نے مجھے پیدا کیا' وہی جانتا ہے اور میں نہیں جانتا کہ کہاں کہاں سے اجزائے جسم جمع ہوئے۔ میری ماہیت اور میری تشکیل سے وہی باخبر ہے۔ میرے فرائض اور میرے شعور کی باریکیوں سے بھی وہی باخبر ہے۔ میرے مال اور میرے متال سے بھی وہی خبردار ہے۔ فَهُوَ يَهْدِيْنِ (۲۶:۷۸) "پھر وہی تو ہے جو میری راہنمائی فرماتا ہے"۔ اپنی طرف راہنمائی' جس راہ پر مجھے چلنا ہے اس کی نشاندہی' جس نظام کے مطابق مجھے زندگی بسر کرنی ہے۔ اس کی نشاندہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ احساس دے رہے ہیں کہ وہ اس طرح ہیں جس طرح پگھلا ہوا مادہ۔ اس سے صانع جو چاہتا' بنا لیتا ہے۔ جس شکل و صورت میں چاہتا ہے مصنوعات تیار کر لیتا ہے یہ ہے مکمل اطاعت' مکمل سپردگی' مکمل اطمینان' راحت' سکون اور اعتماد ذات باری پر۔

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ (۲۶:۷۹) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (۲۶:۸۰) "جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے"۔ یہ براہ راست کفالت ہے' گہری شفقت ہے' ساتھ رہنے والی محبت ہے' اس کا احساس ابراہیم ہی کر سکتے ہیں۔ صحت میں اور مرض میں حضر میں اور سفر میں' ہر حال میں' بلند آداب نبوت کے ساتھ' جو جانتے ہیں کہ مرض بھی تو اللہ کی مشیت سے آتی ہے۔ نہیں' وہ اس کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتے حالانکہ مرض و شفا دونوں اللہ کی طرف سے ہے۔ لیکن مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (۲۶:۸۰) میں گہرا احترام ملحوظ ہے۔ کرم کا مقام يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ (۲۶:۷۹) اور يَشْفِيْنِ لیکن ابتلا میں فعل کا اسناد خود اپنی طرف کرتے ہیں۔ یہ ہے مقام ابراہیم۔

وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ (۲۶:۸۱) "جو مجھے موت دے گا اور دوبارہ زندگی بخشے گا"۔ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ موت کا فیصلہ اللہ کرتا ہے اور پھر ایک دن حساب و کتاب کے لیے اللہ ہی اٹھائے گا۔ لہٰذا یہ مکمل تسلیم و رضا کا اظہار ہے۔

Marfat.com

وَالَّذِيْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ (۲۶:۸۲) "اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز جزاء میں میری خطا معاف فرمائے گا"۔ حضرت ابراہیم جو نبی اور رسول ہیں ان کی منتہائے آرزو ہے کہ اللہ قیامت کے دن ان کی خطائیں معاف کر دے' حالانکہ وہ پوری طرح عارف باللہ ہیں۔ وہ اللہ کی ذات کا گہرا شعور رکھتے ہیں اور ان کے نفس کی گہرائیوں میں رب کی معرفت رچی بسی ہے۔ وہ اپنے نفس کو پاک و صاف تصور نہیں کرتے۔ اس معرفت اور قرب کے ساتھ پھر بھی ڈرتے ہیں کہ ان سے کوئی خطا ہوئی ہو' وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں کرتے نہ وہ اپنے اعمال کی اساس پر اپنے آپ کو مستحق نجات کہتے ہیں۔ وہ فضل ربی پر بھروسہ کرتے ہیں' اللہ کی رحمت کے طلبگار ہیں اور یہ رحمت خداوندی ہے جس کے وہ امیدوار ہیں کہ عفو و درگزر ہو گا اور تب ان کی نجات ہو گی۔

تقویٰ اور خدا خوفی کا یہ پیغمبرانہ شعور ہے' ادب و احترام پر مبنی شعور ہے' نہایت احتیاط کا انداز ہے۔ اللہ کی عظمتوں اور اللہ کے انعامات کا یہ حقیقی شعور ہے۔ اس شعور کے مطابق عمل کی قیمت بہت ہی کم ہے اور مغفرت کی قیمت زیادہ ہے۔

یوں ذات باری کے بارے میں حضرت ابراہیم اپنے عقائد کے بنیادی عناصر ترکیبی یہاں بیان کرتے ہیں کہ رب العالمین وحدہ لاشریک ہے' زمین پر انسان کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی اللہ رب العالمین متصرف ہے۔ بعث بعد الموت اور حساب و کتاب میں صرف فضل الٰہی بندے کو بچا سکتا ہے۔ اعمال کے اعتبار سے بندہ پر تقصیر ہی ہوتا ہے اور یہ وہ باتیں ہیں کہ مشرکین اور ابراہیم کی قوم ان کی منکر ہے۔

حضرت ابراہیم جو نہایت ہی حلیم الطبع اور اللہ کے سامنے گریہ و بکا کرنے والے ہیں وہ نہایت ہی خضوع و خشوع کے ساتھ اپنی دعا کو آگے بڑھاتے ہیں۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾

ابراہیم نے دعا کی "اے میرے رب' مجھے حکم عطا کر۔ اور مجھ کو صالحوں کے ساتھ ملا۔ اور بعد کے آنے والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا کر اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں شامل فرما۔ اور میرے باپ کو معاف کر دے کہ بے شک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے اور مجھے اس دن رسوا نہ کر جبکہ سب لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جبکہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد' بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو"۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا پر ذرا غور فرمائیں کہ اس میں اس دنیا کے اغراض میں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی نہیں کہا کہ اے اللہ' مجھے صحت عطا کیجئے۔ یہ پوری دعا بلند مقاصد اور اعلیٰ اور پاکیزہ شعور کی تحریک ہے۔ یہ اس خدا رسیدہ دل کی دعا ہے جس کے پیش نظر اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کے ہاں اللہ کے سوا ہر

Marfat.com

چیز کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور معرفت کے جس مقام تک یہ دل پہنچا ہے اس کے آگے مزید کا طلبگار ہے اور ایک ایسے قلب سے نکلی ہوئی دعا بیم ورجا کی حالت میں ہے کیونکہ اس نے اللہ کے کرم دیکھے ہوئے ہیں اور مزید کا امیدوار ہے۔

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا (۲۶ : ۸۳) "اے میرے رب، مجھے حکم عطا کر"۔ اے اللہ مجھے ایسی حکمت عطا کر جس کی روشنی میں کھری اور کھوٹی قدروں کے درمیان تمیز کر سکوں تاکہ میں ایسے طرز عمل پر قائم رہوں جو مجھے باقی رہنے والی قدروں تک پہنچائے۔

وَّاَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِيْنَ (۲۶ : ۸۳) "اور مجھے صالحوں کے ساتھ ملا دے"۔ یہ حضرت ابراہیم کی دعا ہے جو نبی اور رسول ہیں اور گڑگڑانے والے اور نہایت ہی حلیم الطبع ہیں۔ اس عظیم المرتبہ ابو الانبیاء کی تواضع قابل دید ہے۔ ان کی احتیاط قابل ملاحظہ ہے۔ کس قدر خدا خوفی ان کی باتوں میں اور کس قدر اعتراف قصور ہے۔ وہ بروقت ڈرتے ہیں کہ انسان کا دل کسی بھی وقت برائی کی طرف مائل ہو سکتا ہے اس لیے وہ صالحین کی محفل اور ماحول کے طلبگار ہیں وہ اللہ کی توفیق سے عمل صالح کے لیے یا عمل صالح پر قائم رہنے کے آرزومند ہیں۔

وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (۲۶ : ۸۴) "اور بعد میں آنے والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا کر"۔ آپ کی دعا یہ ہے کہ میری شروع کی ہوئی دعوت توحید قیامت تک رہے۔ وہ کثرت اولاد کے لیے دعا نہیں کرتے بلکہ آپ کی دعا آنے والی نسلوں میں آپ کے نقش قدم پر چلنے والے مداحوں کے لیے ہے کہ وہ آپ کی دعوت توحید کو قبول کریں۔ اور "دین حنیف" کو اپنائیں اور یہی دعا آپ نے قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی کی ہے۔ اس وقت جب آپ اور آپ کے بیٹے اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۱۲۸) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۱۲۹) (۲ : ۱۲۸ - ۱۲۹) "اے رب، ہم دونوں کو اپنا مسلم بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔ تو بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔ اور اے ہمارے رب، ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے، تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے"۔ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی۔ آپ کی دعوت کو پھیلایا۔ اور آنے والے زمانوں میں ان کے لئے

Marfat.com
Marfat.com

تمام لوگ کلمہ خیر کہنے والے ہوئے۔ اور پھر آپ کی دعا کے مطابق نبی آخر الزمان پیدا ہوئے۔ اور ہزارہا سال کے بعد یہ دعا پوری ہوئی۔ لوگوں کے حساب میں تو دنیا کے ہزارہا سال بہت طویل ہیں لیکن اللہ کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ دعائے ابراہیمی اس قدر عرصہ کے بعد قبول ہو۔

وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ (۲۶:۸۵) "اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں شامل فرما"۔ اس سے قبل آپ نے دعا فرمائی تھی کہ مجھے صالحین کے گروہ میں شامل فرما اور عمل صالح کی توفیق دے کہ میں صالحین کی صفوں میں چلوں اور پھر اس جنت میں داخل ہو جاؤں جس کی وراثت عباد صالحین کا حق ہے۔

وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ (۲۶:۸۶) "اور میرے باپ کو معاف کر دے۔ بے شک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے"۔ باوجود اس کے کہ حضرت ابراہیم کو ان کے والد نے سختی سے ڈانٹا اور تہدید آمیز گفتگو کی لیکن انہوں نے اس گفتگو کے وقت بھی وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے لیے دعا ہی کرتا رہوں گا۔ یہ اس وعدے کی وجہ سے والد کے حق میں دعا فرما رہے ہیں۔ بعد میں یہ بات قرآن نے بیان کر دی کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کرنا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں اور قرآن کریم نے اس بات کی بھی صراحت کر دی کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت اس لیے کی تھی کہ انہوں نے باپ کے ساتھ اس کا وعدہ کیا تھا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ "جب اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے باپ سے برات کا اظہار کر دیا"۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جان لیا کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست۔ یہاں تو اخوت نظریاتی اخوتیں ہیں۔ اسلامی تربیت کے بنیادی عناصر میں سے ایک عنصر یہ ہے کہ اسلامی سوسائٹی میں پہلا آمیزہ اور رابطہ اور تعلق نظریاتی تعلق ہے۔ اور کسی انسان اور انسان کے درمیان مضبوط تعلق صرف نظریات کا ہو سکتا ہے جب یہ تعلق کٹ جائے تو تمام تعلقات کٹ جاتے ہیں۔ اور پھر انسان انسان سے دور ہو جاتا ہے۔ کوئی رابطہ اور تعلق نہیں رہتا۔

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ (۲۶:۸۷) يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (۲۶:۸۸) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (۲۶:۸۹) "اور مجھے اس دن رسوا نہ کر جبکہ سب لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جبکہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد، بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو"۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس بات سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ قیامت کا دن کس قدر ہولناک ہو گا اور یہ کہ حضرت ابراہیم اللہ سے کس قدر حیا فرماتے ہیں، اور اللہ کے سامنے شرمندہ ہونے سے کس قدر خائف ہیں اور یہ خوف اپنی تقصیر کی وجہ سے ہے کہ وہ ایک معزز نبی ہیں۔ نیز حضرت کی اس دعا سے "جبکہ نہ مال کوئی فائدہ دے نہ اولاد، بجز اس کے کہ کوئی قلب سلیم لے کر اللہ کے حضور حاضر ہو"۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوم قیامت کی ذمہ داریوں کو کس قدر تفصیل کے ساتھ سمجھ لیا تھا۔ نیز آپ نے دنیاوی اقدار اور اسلامی اقدار کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ کیونکہ یوم القیامہ میں وہی کامیاب ہو گا جو اخلاص کے ساتھ آئے اور اس کا دل اللہ کے لیے ہو جائے۔ اور اس کے اندر دنیا

Marfat.com

کا کوئی بت یا مقصد نہ ہو۔ ہر بیماری سے پاک ہو' ہر مفاد سے پاک ہو' ہر قسم کی خواہشات اور انحرافات سے پاک ہو۔ اللہ کے سوا کسی اور الٰہ و معبود سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ ہے قلب کی سلامتی جس کا اسلام اور قیامت میں کوئی وزن ہو گا۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (۲۶:۸۸) "جبکہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد"۔ دنیا کی کوئی قدر اور کوئی ترجیح اس دن مفید مطلب نہ ہو گی حالانکہ اس دنیا میں ان مطالب اور ترجیحات کے پیچھے انسان کتوں کی طرح دوڑتے ہیں لیکن آخرت کے ترازو میں یہ ترجیحات بے وزن ہیں۔

اب یہاں قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر آتا ہے۔ وہ دن جس سے حضرت ابراہیم اس قدر خائف ہیں تو وہ دیکھو وہ دن نمودار ہوا۔ حضرت ابراہیم ابھی ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ منظر پر اس دن کا نقشہ نمودار ہوتا ہے۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَ الْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَ جُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

"(اس روز) جنت پرہیزگاروں کے قریب لے آئی جائے گی اور دوزخ بہکے ہوئے لوگوں کے سامنے کھول دی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ "اب کہاں ہیں وہ جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر رہے ہیں یا خود اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟" پھر وہ معبود اور یہ بہکے ہوئے لوگ' اور ابلیس کے لشکر سب کے سب اس میں اوپر تلے دھکیل دیئے جائیں گے۔ وہاں یہ سب آپس میں جھگڑیں گے اور یہ بہکے ہوئے لوگ (اپنے معبودوں سے) کہیں گے کہ "خدا کی قسم' ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے جب کہ تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے' اور وہ مجرم لوگ ہی تھے جنہوں نے ہم کو اس گمراہی میں ڈالا۔ اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی جگری دوست۔ کاش ہمیں ایک دفعہ پھر پلٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مومن ہوں"۔

جنت کو ایسے لوگوں کے بالکل قریب کر دیا جائے گا جو خدا کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ اور جہنم پر سے بھی پردہ اٹھا دیا جائے گا بہکے ہوئے سرکش گمراہوں کے لیے بالکل صاف صاف نظر آئے گی' وہ لوگ جنہوں نے راستہ گم کر دیا تھا اور اس دن کو جھٹلاتے تھے۔ اب وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہاں اب ان پر لعنت و ملامت ہو گی اور قبل اس

Marfat.com

Marfat.com

کے کہ انہیں اس میں اوپر نیچے گرا دیا جائے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ جن معبودوں کی بندگی کرتے تھے' وہ کہاں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کی مناسبت سے یہاں یہ سوال لایا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے ساتھ ایسا ہی مکالمہ کیا تھا کہ آیا یہ بت سنتے بھی ہیں یا نفع و نقصان بھی دے سکتے ہیں۔ اب قیامت میں ان سے کہا جائے گا۔

اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ (۲۶:۹۲) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۲۶:۹۳) "کہ اللہ کے سوا تم جن کی پوجا کرتے تھے وہ کہاں ہیں"۔

هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ (۲۶:۹۳) "کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں"۔ اس کے بعد ان کا کوئی جواب سامنے نہیں آتا نہ ان کے جواب کا انتظار کیا جاتا ہے۔ یہاں تو محض سوال کرنا ہی مطلوب تھا' صرف سوال ہی سے سرکوبی اور ملامت مطلوب تھی۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَ الْغَاوُنَ (۲۶:۹۴) وَ جُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ

(۲۶:۹۵) "پھر وہ معبود' یہ بہکے ہوئے لوگ اور ابلیس کے لشکر سب کے سب اس میں اوپر تلے دھکیل دیئے جائیں گے"۔ لفظ کبکبوا کے تلفظ ہی سے اور اس کی صوتی شوکت سے ہی یہ تاثر ملتا ہے کس طرح انہیں دفع کیا جاتا ہے' کس طرح جہنم کے دھانے سے نیچے بے رحمی کے ساتھ گرایا جاتا ہے' بغیر کسی ترتیب اور رعایت کے یہ لوگ اوپر تلے گرتے ہیں اور اس پورے عمل سے ایک کبکبہ اور ایک غلغلہ بلند ہوتا ہے۔ جس طرح دریا کا کوئی بلند کنارہ گرتا ہے اور اس کے گرنے کی ڈوبی ہوئی آواز بلند ہوتی ہے۔ کبکبوا ایسا ہی لفظ ہے جس کے تلفظ ہی سے مفہوم ذہن کی طرف دوڑتا ہے۔ یہ چونکہ گمراہ اور سرکش تھے اس لیے ان کے ساتھ سب سرکش گرائے گئے۔ اور شیطان کے لشکر کے لشکر لائے جاتے ہیں اور گرائے جاتے ہیں اور ان کے گرنے سے کبکبہ اور غلغلہ بلند ہوتا ہے۔ یہاں مخصوص مجرمین کو پہلے خصوصیت کے ساتھ گرایا جائے گا اور بعد میں عام گرائی شروع ہوگی۔

اب یہ لوگ جہنم میں پڑے ہیں مگر مکالمہ بھی سنائی دیتا ہے۔ یہ اپنے بتوں اور الہوں کے بارے میں اب یوں تبصرے کرتے ہیں۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۲۶:۹۷) اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(۲۶:۹۸) "یہ بہکے ہوئے لوگ ان معبودوں سے کہیں گے خدا کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے جبکہ تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے"۔ تمہاری عبادت بھی رب العالمین کی عبادت کی طرح کرتے تھے۔ یا تو رب العالمین کے ساتھ تمہاری عبادت کرتے تھے یا اس سے الگ۔ اب تو یہ لوگ جہنم میں یہ بات کہہ رہے ہیں لیکن اس کا فائدہ کیا ہے؟ یہ تو سب ذمہ داری ان لوگوں پر ڈال رہے ہیں جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا۔ جنہوں نے ان کو گمراہ کیا اور راہ راست کی طرف آنے سے روک دیا لیکن جب یہ جہنم میں قرار پکڑیں گے تو ہوش آئے گا کہ اب تو وقت گزر گیا

Marfat.com

ہے۔ اور یہ واو یا بعد از وقت ہے۔ اب اگر ہم ذمہ داریاں تقسیم بھی کر دیں تو فائدہ کیا ہو گا۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ (۲۶: ۱۰۰) وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ (۲۶: ۱۰۱) "اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی جگری دوست"۔ اب نہ الٰہ ہیں جو سفارش کریں۔ نہ دوست ہیں جو کام آئیں۔ اگر سفارش نہیں ہے تو کیا ہم دنیا کی طرف لوٹ نہیں سکتے کہ وہاں دوبارہ جا کر درست رویہ اختیار کریں۔

فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (۲۶: ۱۰۲) "کاش ہمیں ایک دفعہ پھر پلٹنے کا موقعہ مل جائے تو ہم مومن ہوں"۔ مگر یہ تو تمنا ہی تمنا ہو گی۔ نہ واپسی ہو گی' نہ سفارش ہو گی۔ یہ ہو گا یوم الدین۔ اب آخری تبصرہ!

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ
۵
۲۶ ع لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۴﴾ ع
۹

"یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔ مگر ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی"۔

یہ وہی تبصرہ ہے جو اس سورت میں قوم عاد' قوم ثمود اور قوم لوط کی تباہی کے واقعات کے بیان کے بعد آیا ہے۔ نیز یہ تبصرہ ان تمام معجزات کے بعد بھی آیا ہے۔ جو جھٹلانے والوں کو دکھائے گئے۔ قیامت کے مناظر میں سے یہ منظر ان مکذبین کے مناظر عبرت کے بالمقابل آیا ہے۔ جن کا تذکرہ اس سورت میں آیا ہے اور جن کو اس جہاں میں نیست و نابود کیا گیا۔ یہاں قوم ابراہیم اور ان مشرک اقوام کے انجام کی تصویر کشی کی گئی تھی۔ اور اس سورت کے تمام قصص سے یہی سبق دینا مطلوب ہے۔ قرآن کریم میں قیامت کے مناظر اسی طرح پیش کیے جاتے ہیں جس طرح گویا یہ افعال ہمارے سامنے واقع ہو رہے ہیں۔ ہمیں نظر آ رہے ہیں۔ اس انداز بیان سے وہ انسانی شعور کا جزء بن جاتے ہیں۔ انسانی وجدان جاگ اٹھتا ہے جس طرح تاریخ میں انسانوں نے دیکھا کہ مکذبین کو مختلف عذابوں میں مبتلا کر کے نیست و نابود کیا گیا اور لوگ دیکھتے ہی رہے۔ اسی طرح قیامت کے مناظر ہوں گے۔

Marfat.com

Marfat.com

درس نمبر ۱۶۴ ایک نظر میں

جس طرح سابقہ قصے میں گردش ایام کو پیچھے کی طرف دوڑایا گیا تھا اور روئے سخن قصہ موسیٰ سے پیچھے قصہ ابراہیم کی طرف چلا گیا تھا۔ یہاں بھی قصہ ابراہیم سے آپ مزید پیچھے قصہ نوح کی طرف ہم جا رہے ہیں۔ یہاں دراصل تاریخی ترتیب قصص ملحوظ نہیں ہے۔ مقصد شرکیہ عقائد کے خلاف جدوجہد کے چند نمونے دینے ہیں۔

قصہ نوح بھی قصہ موسیٰ اور قصہ ابراہیم کی طرح کئی سورتوں میں آیا ہے۔ یہ قصہ اس سے قبل سورہ اعراف میں آیا ہے۔ سورۂ اعراف میں نزول آدم کے بعد اختصار کے ساتھ آیا تھا جس میں آپ نے قوم کو توحید کی طرف بلایا تھا اور قیامت کے دن کے عذاب عظیم سے ڈرایا تھا اور یہ بتایا تھا کہ قوم نوح نے الٹا نوح علیہ السلام سے کہا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔ ان کو تعجب ہوا کہ اللہ ان کے طرف ان جیسا انسان کس طرح بھیج سکتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو ہدایت دے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آپ کی قوم کو غرق کیا اور آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو نجات دے دی۔

یہ قصہ سورہ یونس میں بھی اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے' یہ آپ کی رسالت کا آخری دور تھا' جب آپ نے اپنی قوم کو چیلنج کیا۔ انہوں نے ان کی تکذیب کی۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو کشتی کے ذریعے نجات ملی اور دوسرے فریق کو غرق کر دیا گیا۔

سورت ہود میں اس قصے کی تفصیلات دی گئی ہیں اس میں کشتی' طوفان اور اپنے بیٹے کے بارے میں حضرت نوح کی دعا جو غرق ہوا اور پھر طوفان کے بعد کے واقعات اور وہ واقعات جو طوفان سے پہلے تبلیغ کے دوران ان کو پیش آئے۔

سورت المومنون میں بھی یہ قصہ آیا ہے۔ وہاں حضرت نوح اپنی قوم کو رب واحد کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں جبکہ قوم یہ اعتراض کرتی ہے کہ تم تو ہم جیسے انسان ہو اور ہم پر فضیلت حاصل کرنے کے لیے یہ باتیں کرتے ہو۔ اگر اللہ کو کوئی نبی بھیجنا بھی تھا تو وہ فرشتے بھیج سکتا تھا۔ انہوں نے آپ پر مجنوں ہونے کا الزام عائد کیا۔ وہاں پھر حضرت نوح رب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نصرت طلب کرتے ہیں اور وہاں پھر کشتی اور طوفان کی طرف ایک سرسری اشارہ ہوتا ہے۔

بالعموم قصہ نوح' قصص عاد' ثمود' لوط اور اہل مدین کے قصے کے ساتھ آتا ہے۔ اس سورت میں بھی یہی صورت حال ہے۔ یہاں اس قصے میں جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ قوم سے کہتے ہیں کہ خدا خوفی اختیار کرو' یہ کہ وہ ان سے کسی اجر کے طلبگار نہیں ہیں اور یہ کہ ان کی قوم کے کبراء ان سے جو مطالبہ کرتے تھے کہ تمہارے پاس جو غریب اہل ایمان چپکے ہوئے ہیں' ان کو دور کرو' جس سے حضرت نوح انکار فرماتے تھے اور بعینہ یہی مطالبہ حضور اکرمؐ سے بھی اہل مکہ کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت نوح دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کے اور ان کی قوم کے تنازعہ کا فیصلہ حق کے ساتھ فرما دے۔ اللہ ان کے اس سوال کو پورا کرتا ہے اور مکذبین کو ہلاک کرتا ہے اور اہل ایمان کو بچا لیتا ہے۔

Marfat.com

درس نمبر ۱۰۶ تشریح آیات

۱۰۵ --- تا --- ۱۲۲

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾

"قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا"۔ یہ تو قصے کا انجام بتا دیا' قصے کا انجام پہلے لاکر پھر تفصیلات دی جاتی ہیں تاکہ قاری کو معلوم ہو جائے کہ روئے سخن کدھر ہے۔

سوال یہ ہے کہ قوم نوح نے تو صرف نوح علیہ السلام کو جھٹلایا جبکہ قرآن کہتا ہے اس نے رسولوں کو جھٹلایا۔ رسالت اپنی حقیقت کے اعتبار سے دراصل ایک حقیقت ہے۔ تمام رسولوں کی دعوت یہی رہی ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اور صرف اسی کی بندگی کرنا چاہیے۔ جو شخص یا جو قوم ایک رسول کی تکذیب کرے وہ دراصل تمام رسولوں کی تکذیب کرتا ہے۔ قرآن کریم اس مفہوم اور حقیقت کو مختلف مقامات پر دہراتا ہے۔ اور مختلف انداز اور اسالیب میں اس بات کو دہرایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اسلامی نظریہ حیات کا ایک مسلمہ اصول ہے تمام رسولوں کی دعوت میں یہ اصول مسلم رہے ہیں۔ اور اسی اصول پر انسانیت کی تقسیم ہوتی رہی ہے۔ یعنی رسولوں کو ماننے والے ایک طرف اور نہ ماننے والے دوسری طرف۔ تمام رسالتوں اور تمام زمانوں میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ ایک مسلمان جب دیکھتا ہے تو ہر دین اور ہر عقیدے میں امت ایک ہی رہی ہے۔ ابتدائی تاریخ سے لے کر آج تک اور آخری دین توحید اسلام تک۔ ہر ملت اور ہر دین میں صف مخالف کافروں اور منکرین کی رہی ہے۔ اہل ایمان وہ ہیں جو رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور اہل کفر وہ ہیں جو انکار کرتے ہیں۔ اہل ایمان تمام رسولوں کا احترام کرتے ہیں اور ان پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ منصب رسالت کی نوعیت اور حقیقت ایک ہے۔

ایک مسلم کے اندازے کے مطابق انسانیت کی تقسیم رنگوں' علاقوں اور نسلوں کے مطابق نہیں کی جا سکتی۔ انسانیت کی تقسیم صرف اہل حق اور اہل باطل دو گروہوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اور آغاز انسانیت سے لے کر یہی تقسیم رہی ہے۔ لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے تاریخ کے لیے ایک ہی معیار اور ایک ہی ترازو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلم کی ذہنیت اور اس کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ وہ رنگ و نسل اور قوم وطن سے بالا ہو کر سوچتا ہے۔ اس کے موجودہ روابط یا تاریخی روابط وہی ہوتے ہیں جو ایمانی اقدار پر مبنی ہوں۔ وہ ایمانی اقدار کے اصول پر سب کا محاسبہ کرتا ہے اور اپنی تمام اقدار اور افکار کو ایمان ہی کے معیار پر تولتا ہے۔

Marfat.com

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ
أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾

"قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب کہ ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے ان سے کہا تھا "کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں' لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو"۔

یہ تھی حضرت نوح کی قوم' جس نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ خود اپنی قوم نے ان کی تکذیب کی اور وہ خود ان کے بھائی تھے۔ حالانکہ اخوت کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ نوح کے ساتھ رواداری برتتے اور اطمینان سے ایمان لاتے اور تصدیق کرتے۔ لیکن ان کی قوم نے برادرانہ رواداری کا مظاہرہ بھی نہ کیا اور خود اپنے بھائی کی ہمدردانہ باتوں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

الا تتقون (۲۶: ۱۰۶) "کیا تم ڈرتے نہیں ہو"۔ ..... اور اس انجام سے نہیں ڈرتے ہو جو اس رویہ کا لازمی نتیجہ ہے جس پر تم ہو۔ اور تمہارے دل خوف اور خشیت محسوس نہیں کرتے۔ خدا خوفی کی طرف بلانا اسی سورت کا مخصوص مضمون ہے۔ یہی بات حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہی اور یہی بات نوح نے اپنی قوم سے کہی اور یہی بات ہر رسول نے اپنی اپنی قوم سے کہی۔

انی لکم رسول امین (۲۶: ۱۰۷) "میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں"۔ جو نہ خیانت کرتا ہے' نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ کوئی چیز چھپاتا ہے۔ نہ کوئی کمی کرتا ہے اور نہ بیشی اور مبالغہ کرتا ہے۔ بس جو کچھ اللہ نے حکم دیا وہ پہنچاتا ہے۔

فاتقوا اللہ و اطیعون (۲۶: ۱۰۸) "لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو"۔ یوں حضرت نوح علیہ السلام ان کو خدا خوفی کی دعوت دیتے ہیں اور یہاں وہ ڈرنے کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں اور اس طرح ان کو اطاعت اور تسلیم پر آمادہ کرتے ہیں۔

پھر حضرت نوح دنیا کے مقاصد کی طرف سے ان کو اطمینان دلاتے ہیں۔ یہ کہ دعوت الی اللہ کی تحریک کے ساتھ ان کے کوئی مقاصد وابستہ نہیں ہیں۔ وہ ان سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے کہ تم اللہ کی طرف رجوع کرو گے تو مجھے یہ انعام بھی دو گے۔ میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے جس نے مجھے یہ دعوت دینے پر مامور کیا ہے۔ لوگوں سے یہ کہنا کہ میں تم سے کوئی دنیاوی اجر طلب نہیں کرتا' یہ بات ہر نبی نے کی ہے اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہر دور میں تحریک اسلامی کی دعوت دینے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحریک کے ساتھ اپنے اغراض و مقاصد وابستہ نہ کریں کیونکہ ایک سچے داعی اور جھوٹے داعی میں فرق ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک جھوٹا داعی مفادات کے لیے دعوت سے وابستہ ہوتا ہے۔ تمام انبیاء کے زمانے میں کاہن اور دوسرے مذہبی راہنما لوگوں کے اموال باطل طریقے سے کھاتے تھے۔ ان کا کام ہی یہ ہوتا تھا کہ مختلف طریقوں

Marfat.com

اور حیلوں سے لوگوں کے مال بٹورنے کی کوشش کریں۔ اس کے مقابلے میں داعیان حق ہمیشہ مخلص ہوتے تھے۔ وہ اس ہدایت پر کوئی فیس طلب نہ کرتے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا اجر اللہ رب العالمین پر ہے۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

"میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے"۔

یہاں ان سے مکرر یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو اور اطاعت اختیار کر لو' ہم تم سے کوئی اجر نہیں چاہتے نہ مال کا حصول چاہتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾

"پس تم اللہ سے ڈرو اور (بے کھٹکے) میری اطاعت کرو"۔ لیکن لوگ ان پر عجیب اعتراض کرتے ہیں اور انسانی تاریخ میں تمام رسولوں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

"انہوں نے جواب دیا "کیا ہم تجھے مان لیں حالانکہ تیری پیروی رذیل ترین لوگوں نے اختیار کی ہے"۔

یہاں ارذلون سے مراد غرباء و فقراء ہیں اور یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو رسولوں کی پیروی اختیار کرتے ہیں۔ یہی لوگ ایمان لاتے اور استقامت اختیار کرتے ہیں۔ اور ان غرباء کو راہ ہدایت اختیار کرنے سے یہی بے کار کبرا روکتے ہیں۔ اور یہ اس لیے روکتے ہیں کہ معاشرے میں ان کی پوزیشن اور ان کا مقام و مرتبہ کہیں آگے سے گر نہ جائے۔ غریب لوگ تو ہمیشہ دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور کبرا محروم رہتے ہیں ان کا مقام و مرتبہ انہیں حق سے دور رکھتا ہے۔ وہ اپنی مصلحتوں' جھوٹے حالات اور وہمی روایات کے خول سے باہر نہیں آسکتے۔ پھر یہ کبرا اور معتبرین عقیدۂ توحید اختیار کر کے یہ پسند نہیں کرتے کہ عامۃ الناس اور جمہور کے ساتھ ان کا مقام اور مرتبہ برابر ہو جائے۔ کیونکہ اسلام میں داخل ہو کر نہ وہ خصوصی مراعات کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور جھوٹے مرتبے کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ جبکہ اسلامی معاشرے میں ایک ہی قدر ہے "ایمان اور عمل صالح" یہی کسی کو اٹھاتی ہے اور کسی کو گراتی ہے اور اسلامی معاشرے میں ایک ہی میزان ہے "عقیدہ اور درست عمل"۔

چنانچہ حضرت نوح ان کو ایسا جواب دیتے ہیں جو ان ثابت شدہ قدروں کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ رسول کا فریضہ کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ لوگ جو کچھ کرتے ہیں ان کا ذمہ دار رسول نہیں ہے۔ حساب و کتاب لینے والا اللہ ہے۔

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي

رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۵﴾

تو نے کہا میں کیا جانوں کہ ان کے عمل کیسے ہیں ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے کاش تم کچھ شعور سے کام لو۔ میرا یہ کام نہیں ہے کہ جو ایمان لائیں ان کو میں دھتکار دوں۔ میں تو بس ایک صاف صاف متنبہ کر دینے والا آدمی ہوں"۔

یہ پیسے لوگ عوام کے بارے میں ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ ان کے اخلاق و عادات اعلیٰ معیار کے نہیں ہوتے اور نہ ہی اعلیٰ طبقات میں بیٹھنے کے قابل ہوتے ہیں کیونکہ یہ اعلیٰ طبقات کے لوگ بہت زیادہ حساس ہوتے ہیں اور ذوق لطیف رکھتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام ان سے کہتے ہیں کہ میں تو لوگوں سے ایمان لانے کے سوا کچھ مطالبہ نہیں کرتا اور یہ غریب لوگ جب ایمان لے آئے ہیں تو میں ان سے اب اور کیا مطالبہ کروں۔ اس سے قبل ان کے جو اعمال تھے وہ خدا ہی جانتا ہے۔ ان کی قدر و قیمت کا تعین اللہ کرے گا۔ اور اچھائیوں اور برائیوں پر جزا و سزا بھی اللہ دے گا۔ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے اور تمہاری حالت یہ ہے کہ وما تشعرون "تم شعور نہیں رکھتے"۔ کہ اللہ کے ترازو میں کون وزن رکھتا ہے جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرا فریضہ صرف کھلے انداز سے ڈرانا ہے۔

جب حضرت نوح علیہ السلام نے واضح دلائل اور سیدھی منطق پیش کی اور جب وہ اس بات سے عاجز آ گئے کہ حضرت نوح کے ساتھ مزید کوئی مکالمہ کر سکیں تو انہوں نے وہی ہتھیار استعمال کرنے کی دھمکی دی جس کو سرکش اور ظالم اور جابر ہمیشہ اختیار کرتے ہیں۔ یعنی حجت اور برہان کے مقابلے میں ڈنڈا۔ ہر زمان و مکان میں لاجواب انسان کا یہی دستور ہوتا ہے کہ جب اس کے پاس دلیل کا توشہ ختم ہوتا ہے تو وہ ہتھیار نکالتا ہے۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾

"انہوں نے کہا "اے نوح، اگر تو باز نہ آیا تو پتھکارے ہوئے لوگوں میں شامل ہو کر رہے گا"۔ اب سرکشی ننگی ہو کر سامنے آ گئی۔ گمراہی نے اپنے ذرائع اور اوچھے ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیئے اور حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ سنگ دل کوئی نرمی قبول نہیں کرتے۔

اب حضرت نوح علیہ السلام بھی اپنا آخری ہتھیار استعمال کرتے ہیں وہ اپنے والی اور مددگار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کے سوا اہل ایمان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾

Marfat.com

"نوح نے دعا کی "اے میرے رب' میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔ اب میرے اور ان کے درمیان دو ٹوک فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں' ان کو نجات دے"۔

اور اللہ تعالیٰ کو تو خوب معلوم تھا کہ قوم نے ان کی تکذیب کر دی ہے۔ لیکن ہمیشہ شکایت' استغاثہ اور دادرسی کی استدعا وہاں کی جاتی ہے جہاں اختیار ہوتا ہے۔

فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا (۲۶:۱۱۸) "میرے اور ان کے درمیان دو ٹوک فیصلہ کر دے"۔ حد ہو چکی ہے اور یہ لوگ ہرگز مان کر نہیں دیتے۔

وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (۲۶:۱۱۸) "مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے"۔ اللہ نے اپنے نبی کا یہ استغاثہ قبول فرمایا۔ جن کو کفر نے دھمکی دی تھی کہ تمہیں رجم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ تم لوگوں کو نیک بنانے کی کوشش کرتے ہو۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کی دعوت دیتے ہو۔ اور پھر یہ کام بھی بہت ہی بے لوثی سے کرتے ہو۔ اور اس معاملے میں کوئی سودا بازی نہیں کرتے۔

فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿۱۲۰﴾

"آخر کار ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ایک بھری ہوئی کشتی میں بچا لیا اور اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا"۔

یوں نہایت ہی اختصار کے ساتھ حق اور باطل کی اس کشمکش کا انجام ہوا۔ اور یہ کشمکش بھی انسانیت کے نہایت ہی ابتدائی دور میں ہوئی۔ اور یہ کشمکش آخر تک اسی نہج پر چلتی رہی۔ جس طرح انسانی تاریخ طویل ہے اسی طرح حق و باطل کا یہ معرکہ بھی طویل ہے۔

اور اب وہی مانوس فقرہ' وہی عبرت آموز نتیجہ جو اس سورت میں مکرر آ رہا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۱﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ ۶
۱۸ع لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۲﴾ ۱۰

"یقیناً اس میں ایک نشانی ہے' مگر ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی"۔

---ooo---

Marfat.com

درس نمبر ۱۶۵ تشریح آیات

۱۲۳--- تا--- ۱۴۰

قوم ہود احقاف میں رہتی تھی۔ یہ حضرموت کے قریب یمن کی طرف ریت کے ٹیلے ہیں۔ یہ قوم نوح علیہ السلام کے بعد بڑی ترقی یافتہ قوم رہی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کرۂ ارض کو سرکشوں سے پاک کر دیا گیا تھا' لیکن آپ کے بعد اپنی ترقی کی وجہ سے یہ لوگ سرکش ہو گئے۔

سورت اعراف میں ان کا قصہ متصلاً آیا ہے۔ سورت ہود میں بھی آیا ہے۔ سورت مومنین میں یہ قصہ حضرت ہود کے ذکر کے بغیر آیا ہے۔ اس میں ان کا نام عاد بھی نہیں لیا گیا۔ یہاں بھی اس قصے کو بڑے اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے۔ حضرت ہود اپنی قوم کو دعوت دیتے ہیں۔ قوم تکذیب کرتی ہے اور اللہ کی طرف سے مکذبین ہلاک کر دیے جاتے ہیں۔ اس کا آغاز بھی یوں ہوتا ہے جس طرح قصہ نوح کا آغاز ہوا تھا۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب کہ ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا تھا "کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے"۔

ایک ہی بات ہے جسے تمام رسول دہراتے نظر آتے ہیں۔ اللہ کی طرف آ جاؤ' خدا سے ڈرو اور رسول کی اطاعت کرو' اور دنیا پرستی کو چھوڑ دو اور دنیا کا سازوسامان اور ترقی مومن کی منزل مقصود نہیں ہے۔ محض دنیا کے سازوسامان سے ذرا بلند ہو کر کام کرو' اور اللہ کے نزدیک جو عظیم اجر موجود ہے اس پر نظریں گاڑے رہو۔

اس کے بعد بعض اضافی باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس قوم کے مخصوص افعال تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ تم بڑے بڑے مکانات بنانے میں سخت اسراف اور فضول خرچی سے کام لیتے ہو' محض عظمت کے اظہار کے لیے' دولت کی نمائش کے

Marfat.com

لیے - بڑے بڑے پلازے اور ملٹی سٹوری بلڈنگز - مزید یہ کہ تم نے دنیا کی مادی قوتوں کو مسخر کر لیا ہے اور اس پر نازاں ہو اور اللہ کی قوت سے غافل ہو جو تمہیں ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

"یہ تمہارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو' اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے"۔

ریع عربی میں بلند زمین کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اونچے مقامات پر مکانات بناتے تھے اور دور سے وہ مکانات یوں نظر آتے تھے جیسا کہ بڑا پہاڑ اور مقصود ان کا یہ دکھانا تھا کہ وہ بڑے ماہر فن اور بڑے صاحب مقدرت ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اس کے لیے عبث کا لفظ استعمال کیا' اگر یہ بڑے بڑے نشانات وہ مسافروں کی رہنمائی یا سمندری جہازوں کی راہنمائی کے لیے بناتے تو قرآن ان کے لیے عبث کا لفظ استعمال نہ کرتا۔ اس سے یہ تاثر دینا مطلوب ہے کہ قوت اور مہارت اور دولت کو منفعت بخش امور میں خرچ کرنا ہے۔ محض نمائش' زیبائش اور اظہار حسن و کمال کے لیے نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس تبصرے میں ایک معنی خیز فقرہ بھی استعمال کیا ہے۔

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ (۲۶: ۱۲۹) "تم بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تم نے ہمیشہ رہنا ہے"۔ قوم عاد تہذیب و تمدن میں قابل ذکر حد تک ترقی کر گئے تھے۔ بڑے بڑے محلات بنانے اور پہاڑوں کو کاٹنے کے لیے انہوں نے ترقی یافتہ ٹیکنالوجی ایجاد کر لی تھی۔ بڑے بڑے مینارے بلند مقامات پر بناتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ شاید یہ بڑے بڑے محلات اور اونچی اونچی علامات اور مینارے وہ اس لیے بناتے تھے کہ انہیں اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ نہ اس دنیا کے طبعی حالات ان پر اثرانداز ہوں گے اور نہ کوئی دشمن ان پر فتح پا سکے گا۔

حضرت ہود اپنی تنقید جاری رکھتے ہیں:

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

"اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو جبار بن کر ڈالتے ہو"۔ یہ لوگ بہت بڑے نافرمان اور سرکش تھے۔ جب کسی کو اپنی ظالمانہ گرفت میں لیتے تو حد سے گزر جاتے۔ ظلم اور سنگدلی ان کا شیوہ ہوتا۔ جس طرح اس دنیا میں مادی قوت رکھنے والے ہر جبار کا قانون ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت ہود ان کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ خدا سے ڈریں اور اس کے رسول کی اطاعت میں آجائیں۔ تاکہ اللہ

Marfat.com
Marfat.com

اور رسول ان کو اس سختی سے روک دیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾

"پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو"۔

حضرت ہود ان کو یاد دلاتے ہیں کہ تمہارے پاس جو مادی قوت ہے اور جس کے ذریعہ تم بڑے بڑے محلات بناتے ہو اور اپنی قوت کا رعب جماتے ہو۔ یہ تو سب اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے اور اس نعمت کے بدلے مناسب تو یہ تھا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرتے اور اس بات سے ڈرتے کہ اللہ کہیں یہ نعمت تم سے چھین نہ لے اور مزید اس پر تمہیں سزا نہ دے دے کیونکہ تم تو اسراف کرتے ہو' بے فائدہ کام کرتے ہو اور ظلم و ستم ڈھاتے ہو۔

وَ اتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾

"ڈرو اس سے جس نے وہ کچھ تمہیں دیا ہے جو تم جانتے ہو۔ تمہیں جانور دیئے' اولاد دی' باغ دیئے اور چشمے دیئے۔ مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے"۔

حضرت ان کو پہلے اجمالی نعمت یاد دلاتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا کیا انعامات سے نوازا گیا۔ جو کچھ تم ہو' وہ تمہارے سامنے ہے۔ تم اس حال میں مست ہو لیکن بعض اہم چیزوں کا وہ نام بھی لیتے ہیں۔ تمہیں جانور دیئے' تمہیں اولاد دی' باغات دیئے اور پانی کے چشمے دیئے۔ اس دور کی ترقی میں یہی چیزیں اہم تھیں۔ جبکہ یہ چیز ہر دور کی ترقی میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں اور آج بھی اہم ہیں۔ حضرت ان لوگوں کو ایک عظیم دن کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ کیونکہ جو روش انہوں نے اختیار کر لی تھی اس کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے تھے اور حضرت ہود چونکہ انہی کے بھائی تھے۔ اس لیے وہ بڑی شفقت سے انہیں ڈرا رہے تھے نہایت والہانہ انداز میں۔ کیونکہ عذاب ان کو بصیرت نبوت کے ذریعے یقینی نظر آ رہا تھا۔

لیکن ان کی یہ مشفقانہ نصیحت اور ڈراوا ان کے دلوں پر اثر نہ کر رہا تھا جو بہت ہی سخت ہو گئے تھے اور عناد اور سرکشی پر تلے ہوئے تھے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

انہوں نے جواب دیا "تو نصیحت کر یا نہ کر' ہمارے لیے سب یکساں ہے"۔ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہود صاحب آپ فضول لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے آپ کا وعظ کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ یہ جواب ان کی طرف سے سخت توہین

Marfat.com

آمیز' سنگدلانہ اور انتہائی دینی جمود اور بلاوت کا مظہر تھا۔ یہ لوگ اپنے تقلیدی مذہب پر تلے ہوئے تھے' ہوئے تھے۔

إِنْ هَٰذَآ إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾

"یہ باتیں تو یوں ہی ہوتی چلی آئی ہیں اور ہم عذاب میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں"۔

یعنی وہ جو کام کر رہے ہیں وہ تو اسی طرح ہوتے چلے آئے ہیں۔ ہود علیہ السلام خواہ مخواہ گرفت کر رہے تھے وہ تو آباء و اجداد کی راہ پر جا رہے ہیں۔ اور کوئی عذاب آنے کا ڈر نہیں ہے کیونکہ ہمارے آباء پر تو عذاب نہیں آیا۔

اب قرآن مجید اس مکالمے کے بقیہ حصوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ بس انجام بتا دیا جاتا ہے' اختصار کے ساتھ۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ

"آخر کار انہوں نے اسے جھٹلا دیا اور ہم نے ان کو ہلاک کر دیا"۔

غرض صرف دو لفظوں میں ان کا انجام بتا دیا جاتا ہے۔ دو لفظوں میں قصہ تمام "تکذیب" کی "ہلاک ہوئے"۔ وہ تمام محلات لپیٹ دیئے گئے۔ وہ تمام انعامات و اکرامات واپس لے لیے گئے۔ وہ تمام مویشی' تمام آبادی' تمام باغات اور تمام چشمے لپیٹے گئے۔

قوم عاد کے بعد کئی دوسری اقوام نے انسانی تاریخ میں عادیوں کی طرح سوچا' عادیوں کی طرح دھوکہ کھایا' اللہ سے دور ہو کر انہوں نے تہذیب و تمدن میں ترقی کی' اور یہ سوچا کہ اب انسان اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ اسے خدا کی ضرورت نہیں ہے۔ کئی اقوام نے دوسروں کے لیے ہلاکت کا سامان تیار کیا اور اپنے آپ کو بچایا۔ اور یہ سوچتی رہیں کہ یہ سازوسامان اسے اپنے دشمنوں سے بچا لے جائے گا لیکن ایسی اقوام کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ ان کے دائیں' اس کے بائیں' اس کے اوپر' اس کے نیچے اور ہر طرف سے اس پر عذاب ٹوٹ پڑتا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾ ع ۱۸

"یقیناً اس میں ایک نشانی ہے' مگر ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی"۔

---ooo---

Marfat.com
Marfat.com

درس نمبر ۱۶۶ تشریح آیات

۱۴۱--- تا--- ۱۵۹

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۴۱﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۴۲﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۵﴾

''ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب کہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا ''کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں' میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے''۔

وہی الفاظ اور وہی دعوت جسے ہر رسول پیش کر رہا ہے۔ اور قرآن کریم تمام رسولوں کی طرف سے مختلف زمان و مکان اور مختلف اقوام و لسان کے باوجود ایک جیسے الفاظ لاتا ہے۔ یہ بتانے کے لیے کہ تمام رسولوں کی رسالت کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی مضمون تھا۔ ایک فکر اور ایک منہاج تھا۔ وہ ایک ہی اصول اور نظریہ تھا جس پر یہ رسالتیں اور یہ دعوتیں بلند ہوئیں۔ اللہ پر ایمان' اس کی جوابدہی کا احساس اور ڈر' اور ہر رسول کی اطاعت۔

اس کے بعد قرآن مجید قوم ثمود کی مخصوص باتیں بیان کرتا ہے۔ جو اس وقت سورت کے مضمون کے ساتھ مناسب ہیں۔ ان کو بھی حضرت صالح یاد دلاتے ہیں کہ دیکھو تم پر اللہ کے کیا کیا انعامات ہیں۔ یہ لوگ شام اور حجاز کے درمیان علاقہ حجر میں رہائش پذیر تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ تبوک میں گئے تو اپنے صحابہ کرام کے ساتھ آپ نے ان کے علاقے اور گھروں کا عبرت ناک دورہ فرمایا۔ حضرت صالح فرماتے ہیں کہ تمہارے اعمال کے پیش نظر اللہ تم سے یہ انعامات چھین سکتا ہے' ذرا خدا کا خوف کرو۔

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ﴿۱۴۶﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۴۷﴾ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ﴿۱۴۹﴾

Marfat.com

"کیا تم ان سب چیزوں کے درمیان' جو یہاں ہیں' بس یونہی اطمینان سے رہنے دیے جاؤ گے؟ ان باغوں اور چشموں میں؟ ان کھیتوں اور نخلستانوں میں جن کے خوشے رس بھرے ہیں؟ تم پہاڑ کھود کھود کر فخریہ ان میں عمارتیں بناتے ہو"۔

یہ لوگ ایسے معاشی حالات میں رہتے تھے جس کی تصویر کشی ان کے لیے ان کے بھائی صالح کر رہے تھے۔ لیکن یہ لوگ نہایت غفلت سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور اس بات کی کوئی فکر نہیں کر رہے کہ یہ انعامات دینے والا کون ہے۔ ان انعامات کا سرچشمہ اور آنے کی جگہ کون سی ہے۔ یہ لوگ اس منعم حقیقی کا تصور بھی نہیں کرتے جس نے یہ انعامات عطا کیے ہیں۔ چنانچہ رسول وقت نے ان کو اس طرف متوجہ کرنے کی ضرورت محسوس کی کہ ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرو ورنہ واپس لی جا سکتی ہیں۔

حضرت صالح نے ان کو ایسے جھٹکے دیئے کہ ان کے غافل دل جاگ اٹھیں اور اللہ کا خوف کریں۔

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَٰهُنَا آمِنِينَ (۲۶: ۱۴۶) "کیا تم ان سب چیزوں کے درمیان جو یہاں ہیں' بس یوں ہی اطمینان سے رہنے دیئے جاؤ گے"۔ مطلب یہ کہ کیا تم جس خوشحالی' عیش و عشرت اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہو' ہمیشہ رہو گے' تمہیں کہیں جواب نہیں دینا ہے' کہیں نہیں جانا ہے۔ کسی بالائی قوت سے تمہیں کوئی ڈر نہیں ہے۔ ان کے زوال کا بھی کوئی ڈر نہیں ہے۔ کیا تم ڈرتے نہیں ہو کہ حالات بدل بھی سکتے ہیں۔

ان باغات اور چشموں میں' ان فصلوں اور میوہ جات میں' نخلستانوں اور نخلستانوں میں اور ان خوشگوار اور خوش ذائقہ میوہ جات میں' زود ہضم پھلوں میں اور پہاڑوں میں تم جو مکانات بناتے ہو' یا اپنی عیاشیوں کے لیے تم پہاڑوں جیسے اونچے مکانات بناتے ہو۔ اور یہ سب کام عبث ہے کیونکہ یہ تمہاری رہائش کی ضرورت سے بہت ہی زیادہ ہے۔ محض مہارت' حسن اور تعیش کے اظہار کے لیے۔

یوں حضرت صالح ان غافل لوگوں کو سخت جھٹکے دے کر جگانے کے بعد ان کو دعوت دیتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور ان لوگوں کی مخالفت کرو جو ظالم سردار ہیں اور جو ہر وقت شر و فساد اور ظلم کی طرف مائل رہتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۱۵۲﴾

"اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے"۔

لیکن جب کسی قوم کے دل خشک ہو جاتے ہیں اور ان سے غور و فکر ختم ہو جاتا ہے۔ تو ایسی درد بھری پکاریں ان کو سنائی نہیں دیتیں۔ وہ کسی بات پر کام نہیں دھرتے اور ان کے دل نرم نہیں ہوتے۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِن

Marfat.com
Marfat.com

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾

انہوں نے جواب دیا "تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے۔ تو ہم جیسے ایک انسان کے سوا اور کیا ہے؟ لا کوئی نشانی اگر تو سچا ہے"۔

ان کا جواب یہ تھا کہ اے صالح تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے' اس لیے تو یہ باتیں بغیر سوچے سمجھے کر رہا ہے۔ ان کے خیالات کے مطابق خدا کی طرف دعوت دینے والے مجنون ہوتے ہیں۔

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (۲۶: ۱۵۴) "تو ہم جیسے ایک انسان کے سوا اور کیا ہے"۔ جب بھی انسانوں کے کسی گروہ کے پاس کوئی رسول آیا ہے۔ انہوں نے یہی کہا ہے کہ تو تو ہم جیسا ہی ایک آدمی ہے۔ انسانوں نے ہمیشہ رسولوں کے بارے میں اور رسالت کے بارے میں کوتاہ بینی سے کام لیا۔ وہ اس بات کو کبھی نہ سمجھ سکے کہ رسول بشر کیوں ہوتا ہے۔ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ انسانوں میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجنا دراصل انسانیت کے لیے ایک عظیم تکریم ہے کہ انسانوں میں سے کوئی شخص عالم بالا سے مربوط ہو جاتا ہے اور رشد و ہدایت کے سرچشمے یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار سے براہ راست ہدایت پاتا ہے۔

انسانوں نے ہمیشہ رسولوں کو ایک دوسری مخلوق سمجھا۔ یا لوگوں نے یہ سمجھا کہ ایسا ہونا چاہیے کہ رسول انسانوں سے کوئی بالا و برتر مخلوق ہو۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک انسان غیب کی خبریں دے۔ نظروں سے اوجھل دنیا کی بات کرے اور یہ انسان یہ بات اس لیے کرتے تھے کہ لوگ اس راز کو نہیں سمجھتے تھے کہ اللہ نے انسان کو یہ شرف بخشا ہے۔ کہ اس زمین میں رہتے ہوئے بھی اس انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں ہیں کہ وہ عالم بالا سے رابطہ رکھ سکے جو اس دنیا میں رہے۔ کھائے پیے۔ شادی کرے' سوئے بازاروں میں پھرے اور وہ سب کام کرے جو بشر کرتے تھے۔ میلانات اور جذبات رکھنے والا ہو لیکن اس کے باوجود وہ اس سراعظم کا مالک ہو۔ وحی الٰہی کا مہبط ہو۔

پھر ہر دور میں انسانوں نے رسولوں سے معجزہ طلب کیا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ حضور ایک سچے رسول ہیں۔

فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۲۶: ۱۵۴) "لاؤ کوئی نشانی اگر تم سچے ہو"۔ تو ثمود نے بھی معجزہ طلب کیا اور حضرت صالح نے جواب دیا کہ ہاں یہ ہے معجزہ یہ ناقہ ہے' یہ ناقہ کیسی تھی؟ ہم یہاں اس کی تعریف میں وہ رطب و یابس کہانیاں لانا نہیں چاہتے جو مفسرین نے دی ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی بھی کہانی صحیح اور مستند روایت سے منقول نہیں ہے۔ ہاں یہ ایک معجزاتی ناقہ تھی۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾

Marfat.com

صالح نے کہا "یہ اونٹنی ہے' ایک دن اس کے پینے کا ہے اور ایک دن تم سب کے پانی پینے کا۔ اس کو ہرگز نہ چھیڑنا ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آلے گا"۔

یہ معجزاتی اونٹنی اس شرط پر آئی کہ جو محدود آبنوشی کی سہولتیں انہیں حاصل تھیں وہ ایک دن کے لیے ناقہ کے لیے وقف ہوں گی۔ اور دوسرا دن ان کے لیے اور ان کے مویشیوں کے لیے ہوگا۔ ناقہ کے دن میں یہ دخل اندازی نہ کریں گے اور نہ ناقہ ان کے دن پانی پئے گی۔ دونوں دنوں کا پانی اکٹھا نہ ہوگا۔ نہ ان کا دن ناقہ کے دن سے ملے گا اور نہ ناقہ کا ان کے دن سے۔ تو صالح علیہ السلام نے ان کو ڈرایا کہ اس کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کروگے۔ ورنہ ایک عظیم عذاب تم پر نازل ہو جائے گا۔

ان سرکشوں کے لیے یہ معجزہ کوئی مفید ثابت نہ ہوا۔ ان کے دلوں کے اندر ایمان بھی نہ داخل ہوا' ان کی روحانی دنیا پر ظلمتیں چھائی رہیں لیکن پانی ان کے لیے نصف ہوگیا۔ باوجود تاکید و وصیت کے ان سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے وعدہ خلافی کر دی۔

فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿١٥٧﴾

"مگر انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ دیں اور آخر کار پچھتاتے رہ گئے"۔ عقر کے معنی ذبح کرنے کے ہوتے ہیں اور جن لوگوں نے یہ کام کیا' یہ وہی تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ ان کو حضرت صالح نے خوب ڈرایا تھا مگر وہ حضرت صالح کی تنبیہات کو خاطر میں نہ لائے۔ اس جرم کا عذاب پوری قوم کو ملا۔ اور سب پکڑے گئے۔

یہ لوگ آخر کار عذاب دیکھ کر نادم ہوگئے تھے لیکن وقت کے بعد ندامت کا فائدہ ہی کیا ہوتا ہے۔ وقت کے بعد ایمان اور تصدیق کا کیا فائدہ۔

فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۗ

"عذاب نے انہیں آلیا"۔ یہاں اس عذاب کی تفصیلات نہیں دی گئیں کیونکہ اس سورت میں تمام قصص کو اختصار کے ساتھ لانا مقصود تھا۔

اور اب آخری سبق :

۸ ۱۹ ع ۱۲ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾

"یقیناً اس میں ایک نشانی ہے' مگر ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی"۔

درس نمبر ۱۶۷ تشریح آیات

۱۶۰ --- تا --- ۱۷۵

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ ِالْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا
تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾

"لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب کہ ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا تھا "کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہیں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں' میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے"۔

قصہ لوط یہاں لایا گیا ہے حالانکہ تاریخی اعتبار سے اس کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ لیکن اس سورت میں قصص کی تاریخی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ یہاں اصل بات یہ دکھانی مطلوب ہے کہ تمام انبیاء کی دعوت ایک ہی رہی ہے۔ طریقہ کار بھی سب کا ایک ہی رہا ہے اور جھٹلانے والوں کا انجام بھی ایک ہی رہا ہے۔ یعنی مکذبین کو ہلاک کیا گیا اور مومنین کو عذاب سے بچایا گیا۔

حضرت لوط علیہ السلام بھی دعوت کا آغاز اسی طرح کرتے ہیں' جس طرح حضرت نوح' حضرت ہود اور حضرت صالح علیہ السلام کرتے ہیں۔ قوم کی سرکشی اور عیاشی پر گرفت کرتے ہیں۔ ان کو خدا خوفی' ایمان اور اطاعت رسول کی طرف بلاتے ہیں۔ اور یہ اعلان بھی کرتے ہیں کہ اس ہدایت اور راہنمائی پر وہ ان سے کوئی مالی معاوضہ نہیں مانگتے۔

اس کے بعد حضرت ان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ تم جس بدی میں مبتلا ہو' اس کا ارتکاب انسانی تاریخ میں نہیں کیا گیا۔

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ
رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾

Marfat.com

"کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو' اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لیے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو؟ بلکہ تم لوگ تو حد سے ہی گزر گئے ہو"۔

قوم لوط وادی اردن کی کئی بستیوں میں آباد تھی۔ یہ لوگ جس جرم کے عادی تھے وہ عمل قوم لوط کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی مردوں کی ہم جنس پرستی۔ اور عورتوں سے جنسی تعلق کو ترک کرنا۔ یہ نہایت ہی مکروہ فطری بے راہ روی تھی۔ کیونکہ مرد اور عورت کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور ہر ایک کے اندر ایک دوسرے کے لیے جاذبیت رکھی ہے۔ یہ اللہ کا ایک تخلیقی راز ہے۔ اس طرح اللہ نے انسانی زندگی کے تسلسل کا انتظام کیا۔ نسل کشی کا یہ انتظام اللہ نے مرد اور عورت کے درمیان ملاپ کے ذریعہ سے جاری کیا۔ یہ نظام بھی اللہ کے اس نظام کا ایک حصہ ہے جو اس نے اس پوری کائنات میں جاری فرمایا ہے۔ جس نے اس کائنات کے ہر شخص اور ہر چیز کو باہم مربوط کر دیا ہے اور اس طرح اس کائنات کا ہر شخص اور ہر چیز ایک دوسرے کے ساتھ حالت تعاون میں ہے۔ رہی یہ حرکت کہ مرد' مرد کے ساتھ جنسی تعلق قائم کریں تو یہ تعلق بے مقصد اور غیر پیداواری ہوگا۔ اور اس سے کوئی مقصد پورا نہ ہوگا۔ اور یہ عمل فطرت کے قانون اور فطرت کے نظام دونوں کے خلاف ہوگا جن کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ بعض بے ذوق لوگوں کو اس عمل میں لذت ملتی ہے حالانکہ حقیقی لذت وہ ہوتی ہے جس میں مرد اور عورت کا التقاء ہو اور اس کے نتیجے میں مقاصد فطرت بھی پورے ہوں۔ لہٰذا عمل قوم لوط فطرت سے کھلا انحراف ہے۔ لہٰذا اس قوم کی سزا یہی تھی کہ یا تو وہ باز آجائیں یا ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ کیونکہ ایسے لوگ قافلہ انسانیت اور گروہ انسانیت سے نکل گئے ہیں اور اب انہوں نے وہ مقصد پورا کرنا چھوڑ دیا ہے جس کے لیے اللہ نے ان کو پیدا کیا تھا۔ یہ کہ سابقہ لوگوں کے فطری عمل سے یہ پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنے فطری عمل سے آنے والی اقوام کو پیدا کرنا تھا۔

جب حضرت لوط نے ان کو دعوت دی کہ وہ اس غیر فطری بے راہ روی کو ترک کر دیں اور اس بات پر انہوں نے ان کی سرزنش کی کہ انہوں نے اس راہ کو ترک کر دیا جو رب نے ان کے لیے پیدا کیا ہے۔ انہوں نے فطرت کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور اللہ کی تخلیق فطرت کو رد کر دیا ہے۔ اور یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنی اس روش کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اللہ کی سنت اور فطرت کی طرف لوٹنے کو تیار نہیں ہیں۔

قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾

"اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو جو لوگ ہماری بستیوں سے نکالے گئے ہیں ان میں تو بھی شامل ہو کر رہے گا"۔

حضرت لوط ان لوگوں میں باہر سے آکر بس گئے تھے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ عراق سے آئے تھے۔ جب حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ اور اپنے ملک کو بھی چھوڑ دیا اور دریائے اردن عبور کر کے اس کے اس پار آباد ہو گئے تھے۔ حضرت لوط ان لوگوں میں آکر آباد ہو گئے تھے اور بعد میں اللہ نے حضرت لوط کو انہی کی طرف نبی بنا کر بھیج دیا تھا تاکہ قوم لوط کے اندر جو برے کام راہ پا گئے تھے' اس کی اصلاح فرمائیں۔ اب جبکہ وہ حضرت کی بات نہیں مانتے تو یہ دھمکی دیتے ہیں کہ اگر وہ باز نہ آئے تو اسے ملک سے نکال دیں گے یعنی وہ تو اس فعل سے کبھی

نہیں آ سکتے - لوط ہی دعوت کا کام بند کر دیں -

چنانچہ حضرت لوط ان کی دھمکی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ وہ تمہارے عمل کو نہایت ہی مکروہ عمل سمجھتے ہیں - یہ بہت بڑی گندگی اور گراوٹ ہے -

قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿۱۶۸﴾

"اس نے کہا "تمہارے کرتوتوں پر جو لوگ کڑھ رہے ہیں' میں ان میں شامل ہوں"۔ القلی کے معنی ہوتے ہیں شدید نفرت - حضرت لوط علیہ السلام یوں اظہار نفرت کر کے ان کے منہ پر تھوکتے ہیں' اور اس کے بعد رب تعالیٰ کی طرف دست بدعا ہوتے ہیں - کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں سے نجات دے -

رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

"اے پروردگار' مجھے اور میرے اہل و عیال کو-ان کی بدکرداریوں سے نجات دے"۔ حضرت جس قسم کے معاشرے میں فرائض سرانجام دے رہے تھے وہ ان کے لیے عذاب تھا' وہ ان لوگوں کے ساتھ نہ چل سکتے تھے - وہ جانتے تھے کہ ان لوگوں کا عمل فطرتاً بھی مردود ہے - لیکن ادائیگی فرض کے لیے ان میں رہ رہے تھے - چنانچہ انہوں نے دعا کی کہ انہیں اس معاشرے سے نجات مل جائے -

رب تعالیٰ نے دعا قبول کر لی -

فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۷۱﴾

"آخر کار ہم نے اسے اور اس کے سب اہل و عیال کو بچا لیا' بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی"۔ یہ بوڑھی عورت کون تھی - یہ ان کی بیوی تھی - دوسری سورتوں میں تصریح آئی ہے - یہ بھی بڑی مکروہ عورت تھی کہ یہ ان لوگوں کی حمایت میں تھی جو یہ مکروہ فعل کرتے تھے اور ان کی مددگار تھی -

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾

"پھر باقی ماندہ لوگوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر برسائی ایک برسات' بڑی ہی بری بارش تھی' جو ان ڈرائے جانے والوں پر نازل ہوئی"۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے گاؤں دھنس گئے اور پانی کے نیچے آ گئے - ان گاؤں میں سے ایک گاؤں "سدوم" بھی تھا - آثار قدیمہ کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ گاؤں بحر مردار کے پانی کے نیچے موجود ہے -

Marfat.com
Marfat.com

بعض علمائے طبقات الارض کا یہ نظریہ ہے کہ بحر مردار کے نیچے ایسے گاؤں کے کھنڈرات ہیں جو کسی وقت آبادی سے بھرے ہوئے تھے۔ آثار قدیمہ کے ماہرین نے اس دریا کے پاس ایک قلعے کے آثار دریافت کیے ہیں اور اس قلعے کے قریب ہی ایک مذبح ہے جس کے اوپر قربانیاں دی جاتی تھیں۔

بہرحال قرآن کریم نے حضرت لوط کے گاؤں کی کہانی اسی طرح پیش فرمائی ہے اور سابقہ اقوام کی خبروں کے سلسلے میں قرآن کریم ہی حقیقی اور سچا ماخذ ہے۔ کیونکہ اللہ کی کتابوں میں سے یہی محفوظ ہے۔

آخر میں وہی تبصرہ انہی الفاظ میں جو ہر قصے کے بعد آیا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠﴾

۹ ۱۲ ع ۱۳

"یقیناً اس میں ایک نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی"۔

Marfat.com

درس نمبر ۱۶۸ تشریح آیات

۱۷۶--- تا--- ۱۹۱

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

"اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب کہ شعیب نے ان سے کہا تھا "کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے"۔

یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یہاں یہ قصہ بھی دوسرے قصص کی طرح محض عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آیا ہے۔ اصحاب ایکہ غالباً اہل مدین ہی کا نام ہے ایکہ ایک گھرے سائے والے ایسے درخت کو کہتے ہیں جو دہرا ہو گیا ہو۔ اور مدین کے گاؤں کو شاید ایسے بڑے بڑے درختوں نے گھیرا ہوا تھا۔ مدین حجاز اور فلسطین کے درمیان خلیج عقبہ کے کنارے تھا۔

ان کے سامنے حضرت شعیب نے وہی نظریہ حیات پیش کیا جو ہر رسول پیش کرتا چلا آیا ہے کہ اللہ کو ایک سمجھو' میری دعوت قبول کرو' میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ اس اصل دعوت کے پیش کرنے کے بعد پھر اہل مدین کے لیے دعوت کا مخصوص حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۚ وَ
لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

"ٹھیک بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو۔ صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو"۔

Marfat.com

جس طرح سورت اعراف اور ہود میں تفصیلات دی گئی ہیں کہ یہ لوگ ناپ اور تول میں مطفف تھے۔ یہ لوگ لیتے وقت جبراً لوگوں سے زیادہ لیتے تھے اور دیتے وقت یہ جبریا انکل سے کم دیتے تھے۔ لیتے وقت کم قیمت دیتے تھے اور دیتے وقت بہت مہنگے داموں فروخت کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی بستی کسی ایسے تجارتی شاہراہ پر تھی۔ جہاں سے قافلے گزرتے تھے۔ یہ لوگ ان تجارتی قافلوں پر اپنی مرضی نافذ کرتے تھے۔ ان کے رسول ان کو یہ تعلیم دیتے تھے کہ عدل اور انصاف کے ساتھ معاملہ کرو کیونکہ صاف اور ستھرے عقیدے کا لازمی تقاضا ہے کہ معاملات میں بھی اچھائی اختیار کرو۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اچھا عقیدہ اچھا عمل اختیار کرنے کا حکم نہ دے۔ اور حق' انصاف اور عدل کے بارے میں نظریہ خاموش ہو جائے۔

اب حضرت شعیب علیہ السلام ان کے دلوں میں تقویٰ اور خدا خوفی کا جوش پیدا کرتے ہیں۔ وہ ان کو یاد دلاتے ہیں کہ ایک ذات ایسی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ یہ ذات تمام نسلوں کی پیدا کرنے والی ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۸۴﴾

"اور اس ذات کا خوف کرو جس نے تمہیں اور گزشتہ نسلوں کو پیدا کیا ہے"۔ اس بات کا تو ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا بس انہوں نے آسان الزام لگا دیا کہ آپ پر جادو چل گیا ہے۔ اس لیے آپ غلط ملط باتیں کرتے ہیں۔ اور واہیات کہہ رہے ہیں۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۸۵﴾

"انہوں نے کہا "تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے"۔ اور اگر آپ سحر زدہ نہیں ہیں تو پھر بھی ہم تیری رسالت کو نہیں مانتے اس لیے کہ تو تو ہماری طرح کا ایک آدمی ہے۔ رسول کوئی بشر نہیں ہو سکتا' لہٰذا تو جھوٹا ہے۔

وَمَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِن نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۱۸۶﴾

"اور تو کچھ نہیں ہے مگر ایک انسان ہم ہی جیسا' اور ہم تو تجھے بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں"۔

"ہاں اگر تم سچے ہو تو جس عذاب سے ہمیں ہر وقت ڈراتے ہو وہ لے کر آؤ اور آسمان کا کوئی ٹکڑا یا تارا ہم پر لا کر گرا دو۔ یا آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو اور ہم پر گرا دو"۔

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۸۷﴾

"اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے"۔ یہ ایک ایسے شخص کا چیلنج ہے جو نہایت ہی سرکش' مغرور اور لاپرواہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں مشرکین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی مطالبہ کرتے تھے۔

Marfat.com

قَالَ رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

"شعیب علیہ السلام نے کہا" میرا رب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو"۔ اور اس کے بعد پھر سیاق کلام میں جلد ہی فیصلہ چکا دیا جاتا ہے۔

فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۸۹﴾

"انہوں نے اسے جھٹلا دیا آخر کار چھتری والے دن کا عذاب ان پر آگیا' اور وہ بڑے ہی خوفناک دن کا عذاب تھا"۔

ان کے بعد عذاب کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ اس قدر گرمی ہوئی کہ دم گھٹ کر مرنے لگے۔ اس کے بعد انہیں ایک بادل سا نظر آیا۔ اس کی طرف لپکے کہ سایہ لیں۔ تو وہ اس قدر ٹھنڈا تھا جس طرح برف۔ پھر یہ بادل ایک کڑک کی شکل اختیار کر گیا اور ان کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔ اس حوالے سے ان کے عذاب کو بادل کے ٹکڑے کے دن سے تعبیر کیا گیا۔

اور اب وہی تبصرہ اور سبق آتا ہے جو تمام قصص کے بعد اس پوری سورت میں دہرایا گیا ہے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۹۱﴾ ع ۱۲

"یقیناً اس میں ایک نشانی ہے' مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی"۔

یہاں آکر اس سورت کے قصص ختم ہو جاتے ہیں اور اگلا سبق اس پوری سورت کے مضامین پر ایک تبصرہ ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

درس نمبر ۱۶۹ ایک نظر میں

یہاں آکر قصص کا اختتام ہو گیا۔ یہ تمام قصص رسولوں اور ان کی رسالت کی مختصر کہانی پر مشتمل تھے۔ قوموں کی طرف سے رسولوں کی تکذیب ہوتی رہی' اقوام منہ موڑتی رہیں۔ انہوں نے چیلنج کیا۔ معجزات بھی آئے اور جب تکذیب پر تل گئے تو پھر اللہ کا عذاب آگیا۔

اس سورت کا پہلا سبق ایک افتتاحیہ تھا' اس میں مشرکین مکہ کے حوالے سے حضور اکرمؐ کو کہا گیا تھا۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۳) اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (٤) وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ (٥) فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (٦) (۲۶: ۳ - ٦) ''اے محمدؐ شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل کر سکتے ہیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔ ان لوگوں کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو نئی نصیحت آتی ہے یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اب یہ جھٹلا چکے ہیں۔ عنقریب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کا یہ مذاق اڑاتے ہیں''۔ اس کے بعد قصص پیش کیے گئے۔ اور یہ نمونہ تھے ان خبروں کے جن کے بارے میں مکذبین ہمیشہ مذاق کرتے چلے آئے تھے۔

جب قصص ختم ہوئے تو سیاق کلام پھر اپنے موضوع کی طرف آگیا۔ یعنی سورت کے محور کی طرف۔ یہ آخری سبق گویا پوری سورت پر تبصرہ ہے اس میں تاکید کی جاتی ہے کہ یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے ہے۔ ان قصص پر تو مدتیں گزر گئیں لیکن قرآن کریم میں ان واقعات کو پیش کیا جا رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے علماء رسول اللہ کو بھی جانتے ہیں اور رسول اللہ پر نازل ہونے والے قرآن کو بھی جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ یہ وہی واقعات اور وہی رسول ہے جس کا ذکر پہلے نبیوں کی کتابوں میں مذکور ہے۔ لیکن مشرکین مکہ واضح دلائل دیکھتے ہوئے بھی ازروئے عناد تسلیم نہیں کرتے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سحر ہے یا یہ شعر ہے۔ اگر یہ قرآن کسی عجمی پر نازل ہوتا اور وہ ان کے سامنے ان کی زبان میں اسے پیش کرتا تو پھر بھی یہ ایمان نہ لاتے کیونکہ یہ انکار اس لیے نہیں کرتے کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے بلکہ محض عناد کی وجہ سے یہ ایمان سے محروم ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ اخبار کائنوں کی طرف

Marfat.com

Marfat.com

شیطانی القاء کی طرح نہیں ہیں - نہ یہ قرآن شعر کی کوئی قسم ہے کیونکہ اشعار کا ایک منہاج ہے جسے شعرا بھی طرح جانتے ہیں - اور شعرا تو ایک ایسا طبقہ ہے جو ہر وادی میں گھومتا ہے - یہ کسی خیال کسی جذب اور کسی بھی میلان کو موزوں کر دیتے ہیں - کبھی اچھا کبھی برا - رہا یہ کلام تو یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے - مشرکین عرب کی نصیحت کے لیے - اور یاد دہانی کے لیے کہ سنبھل جائیں قبل اس کے کہ کوئی عذاب ان کو آلے - اور قبل اس کے کہ وہ باتیں حقیقت ہو کر ان کے سامنے آجائیں جن کا یہ مذاق اڑاتے ہیں -

وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (۲۶: ۲۲۷) "اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں" -

---

Marfat.com

Marfat.com

درس نمبر ۱۶۹ تشریح آیات

۱۹۲--- تا--- ۲۲۷

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾

"یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے۔ اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہو' جو (خدا کی طرف سے خلق خدا کو) متنبہ کرنے والے ہیں' صاف صاف عربی زبان میں"۔

روح الامین سے مراد حضرت جبرئیل ہیں۔ حضرت جبرئیل نے قرآن مجید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل کیا۔ اور جبرئیل جو کلام اللہ کی طرف سے لاتے ہیں۔ اس میں وہ حفیظ اور امین ہیں۔ اس طرح حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام براہ راست عالم بالا سے پایا اور براہ راست اسے سمجھا۔ اور آپ کے دل میں اسے واضح عربی یعنی عربی مبین میں بٹھایا گیا تاکہ آپ لوگوں کو ان کی زبان میں ڈرائیں اور سمجھائیں اور یہ کلام ان پر پڑھیں۔ جبکہ عرب اچھی طرح جانتے تھے کہ انسان کی قدرت میں اچھے سے اچھا اسلوب کیا ہے اور انسان کسی حد تک عربی مبین میں بیان کر سکتا ہے اور وہ یہ بھی جانتے اور سمجھتے تھے کہ قرآن کریم نے جس معجز اسلوب کے اندر یہ کلام اور پیغام پیش کیا ہے وہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ قرآن عربی میں تھا' اپنے منہاج' اپنے معانی' اور اپنی بلاغت اور اپنی تناسق کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ اس کا منبع کوئی انسانی منبع اور مصدر نہیں ہے۔

پھر اس عربی مبین کی دلیل سے ذرا دوسری دلیل کی طرف قارئین کی توجہ کو مبذول کیا جاتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾

"اور اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی یہ موجود ہے۔ کیا ان (اہل مکہ) کے لیے یہ کوئی نشانی نہیں ہے کہ اسے علماء

Marfat.com

Marfat.com

بنی اسرائیل جانتے ہیں؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور ذکر اور جو عقیدۂ توحید اور نظریہ حیات آپ پیش فرماتے تھے۔ یہ دونوں امور کتاب سابقہ میں موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آخری رسالت کا انتظار علمائے بنی اسرائیل بڑی بے صبری سے کرتے تھے اور وہ "اس رسول" کا انتظار کرتے تھے۔ پھر ان میں سے اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ "اس رسول" کا زمانہ آ گیا ہے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس کے بارے میں بات کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت سلمان فارسی، عبداللہ ابن سلام اور دوسرے علماء بنی اسرائیل کی زبانی یہ باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔

یہ مشرکین مکہ تو محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے نہیں مانتے۔ یہ بات نہیں ہے کہ ان کے سامنے دلائل پیش کرنے میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ اگر کوئی عجمی یہ قرآن لے کر آتا اور ان پر عربی زبان میں پڑھتا تو بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے۔ نہ تصدیق کرتے اور نہ یہ تسلیم کرتے کہ یہ قرآن ان کی طرف اتارا گیا ہے۔ اس قدر معجزانہ دلیل کو بھی وہ مان کر نہ دیتے۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

"(لیکن ان کی ہٹ دھرمی کا حال تو یہ ہے کہ) اگر ہم اسے کسی عجمی پر بھی نازل کر دیتے اور یہ (فصیح عربی کلام) وہ ان کو پڑھ کر سناتا تب بھی یہ مان کر نہ دیتے"۔

ان الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک گونہ تسلی ہی کہ آپ کے کام میں اور ہمارے کلام میں کوئی کوتاہی نہیں ہے۔ درحقیقت یہ لوگ سخت عناد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں۔ اس لیے یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ نہیں مانیں گے اور یہ فیصلہ ان کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے کہ یہ اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہ مانیں گے۔ یہ قضا و قدر کا فیصلہ بن چکا ہے۔ یہ اس روش سے پھر نہیں سکتے۔ بس اب عذاب کا انتظار کریں کہ یہ غفلت میں ہوں اور مارے جائیں۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

"اسی طرح ہم نے اس (ذکر) کو مجرموں کے دلوں میں گزارا ہے۔ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں"۔

قرآن کریم ان کی جانب سے تکذیب کا نقشہ یوں کھینچتا ہے کہ یہ تکذیب ان کے ساتھ چپکی رہے گی اور یہ لوگ اسی طرح تکذیب کی حالت میں رہیں گے اور قرآن کریم کا انکار کرتے رہیں گے۔ ان کے دلوں کے اندر سے تکذیب کی روگزار دی گئی ہے۔ تکذیب ان کے دل ہی میں جاری ہے۔ یہ ایسے ہی حالات میں ہوں گے کہ ان کو عذاب الیم پکڑے گا۔ یہ عذاب اچانک آئے گا۔ ان کو اس کا کوئی احساس نہ ہو گا۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہی حالت میں رہے کہ واصل

جہنم ہوئے یا مارے گئے اور جب عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے۔

فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

"پھر جب وہ بے خبری میں ان پر آپڑتا ہے اس وقت وہ کہتے ہیں کہ "کیا اب ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے؟" یعنی کیا ہمیں دنیا میں ایک اور مہلت دے دی جائے گی تاکہ ہم اصلاح کر سکیں۔ اے کاش کہ ایسا ہو جائے۔

کفار مکہ بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ تم ہم پر عذاب الٰہی سے ڈراتے ہو اور اس کے قصے سناتے ہو' لاؤ وہ عذاب کہ دیکھیں۔ یہ مذہب کا مذاق اڑاتے تھے۔ کیا یہ لوگ اس قدر بے باک اور مغرور ہو گئے ہیں اس لیے کہ یہ خوشحال ہیں۔ عیاشیوں نے ان کو غبی بنا دیا ہے اور یہ خدا کے عذاب کو بعید الوقوع قرار دیتے ہیں۔ ان کی حالت ہمیشہ کے کھاتے پیتے لوگوں کی سی ہے۔ ایسے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔ یہ حالات کے بدلنے کا تصور بھی نہیں کرتے۔ یہاں ان کو ایسی غفلت سے جگایا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اس وقت ان کی حالت ایسی ہوگی کہ یہ دنیا کا سب ساز و سامان بے کار ہو جائے گا اور کوئی شے بھی ان کو فائدہ نہ دے سکے گی۔

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾ أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾

"تو کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں؟ تم نے کچھ غور کیا' اگر ہم انہیں برسوں تک عیش کرنے کی مہلت بھی دے دیں اور پھر وہی چیز ان پر آجائے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے تو وہ سامان زیست جو ان کو ملا ہوا ہے' ان کے کس کام آئے گا؟"

ایک طرف ان کی طرف سے عذاب کا مطالبہ اور اس میں شتابی ہے اور دوسری جانب عذاب کا نزول ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ یہ عیش و عشرت کی جو طویل زندگی وہ بسر کر رہے تھے وہ گویا تھی ہی نہیں۔ اس پوری زندگی میں ان کے لیے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور نہ اس میں کوئی ایسا عمل ہوگا جس کی وجہ سے ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہو۔

ایک صحیح حدیث میں ہے "کافر کو لایا جائے گا اور آگ میں اسے ایک غوطہ دیا جائے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی بھلائی (اور آرام) دیکھا بھی ہے؟ کیا تم نے کوئی خوشحالی دیکھی ہے؟ وہ کہے گا نہیں' خدا کی قسم' پروردگار میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اور پھر ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں بدترین حالات میں تھا اور اسے جنت کا ایک رنگ دکھایا جائے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا۔ کیا تو نے برے دن بھی کبھی دیکھے ہیں؟ تو وہ کہے گا خدا کی قسم اے رب ذوالجلال! مجھ پر تو برے دن کبھی آئے ہی نہیں۔ (ابن کثیر)

اس کے بعد ان کو ڈرایا جاتا ہے کہ یہ جو تمہیں خبردار کیا جا رہا ہے تو اس لیے کہ تم پر ہلاکت بڑی تیزی سے آ

Marfat.com
Marfat.com

رہتی ہے اور اللہ کی رحمت کا تو یہ تقاضا ہے کہ کسی بستی کو اس وقت تک ہلاک نہ کرے جب تک رسول نہ آئے۔ یہ اللہ کی سنت ہے۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝٢٠٨ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝٢٠٩

"(دیکھو) ہم نے کبھی کسی بستی کو اس کے بغیر ہلاک نہیں کیا کہ اس کے لیے خبردار کرنے والے حق نصیحت ادا کرنے کو موجود تھے اور ہم ظالم نہ تھے"۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے یہ فطری عہد لیا ہے کہ وہ صرف اس کی بندگی کریں گے اور اسے وحدہ لاشریک سمجھیں گے۔ انسان کی فطرت از خود ایک خالق کائنات کے وجود کو تسلیم کرتی ہے بشرطیکہ اس کے اندر فساد اور انحراف پیدا نہ ہو جائے۔ (پارہ ۹' ص ----) اور پھر اللہ نے اس کائنات میں دلائل کا ڈھیر لگا دیا۔ یہ تمام دلائل اس بات کی طرف راہنمائی کرتے ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق موجود ہے۔ اگر لوگ اس فطری عہد کو بھول جائیں اور دلائل ایمان پر غور نہ کریں تو پھر ان کے پاس ایک ڈرانے والا آتا ہے جو ان کو یہ فطری سبق یاد دلاتا ہے اور خواب غفلت سے ان کو جگاتا ہے۔ اس معنی میں رسالت ایک یاد دہانی اور سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے سے عبارت ہے۔ اور یہ اللہ کا رحم و کرم ہے کہ اللہ نے اپنے اوپر پیغمبر بھیجنا لازم کر دیا کہ ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک رسول نہ بھیجیں۔ جب رسول آتا ہے اور لوگ پھر بھی نہیں مانتے' نہیں یاد کرتے اور نہیں جاگتے تو یہ ان کی ناکامی ہوتی ہے۔ اور وہ راہ ہدایت ترک کر دیتے ہیں۔ لہٰذا عذاب حق ہو جاتا ہے۔

---()()()---

قرآن کریم کے بارے میں ایک جدید بحث :

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝٢١٠ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝٢١١ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝٢١٢

"اس (کتاب مبین) کو شیاطین لے کر نہیں اترے ہیں' نہ یہ کام ان کو سجتا ہے' اور نہ وہ ایسا کر ہی سکتے ہیں۔ وہ تو اس کی سماعت تک سے دور رکھے گئے ہیں"۔

اس سے قبل قرآن کریم کے بارے میں کہا گیا تھا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اور اسے روح الامین لے کر آتے ہیں۔ اور اس کے بعد بات آگے نکل گئی کہ یہ لوگ تکذیب پر تل گئے ہیں اور اپنی نادانی سے عذاب کے آنے میں شتابی کر رہے ہیں۔ لیکن قرآن کے بارے میں وہ یہ الزام بھی لگاتے تھے کہ یہ شیاطین کی طرف سے القاء ہوتا ہے۔ جس طرح کاہنوں پر شیاطین کچھ کلمات القا کرتے ہیں جن میں بعض خبریں غیب کی ہوتی ہیں اور جن کی وجہ سے وہ کہانت کی

Marfat.com
Marfat.com

دکان چمکاتے ہیں۔

لیکن یہاں اس کی تردید کی جاتی ہے کہ ہر مذہب و ملت جانتی ہے کہ شیطان کا کیا کام ہوتا ہے جبکہ قرآن تو اصلاح اور ہدایت کا کام کرتا ہے۔ اور شیطان ہر مذہب و ملت کے تصور کے مطابق برائی گمراہی اور ضلالت کی دعوت دیتا ہے۔

پھر شیطانی قوتوں کے اندر یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ قرآن نازل کر سکیں۔ اللہ کی جانب سے نزول وحی اور قرآن کا انتظام نہایت محفوظ ہے۔ اس کو تو روح الامین رب العالمین کے حکم سے نہایت حفاظت اور امانت و دیانت سے لاتے ہیں۔

---()()()---

اب روئے سخن حضور اکرم کی طرف پھر جاتا ہے۔ آپ کو شرک سے ڈرایا جاتا ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا وقوع ایک مستبعد امر ہے۔ دراصل حضورؐ کو کہہ کر امت کو ڈرایا جاتا ہے اور آپ کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ آپ اپنے قریبی لوگوں کو ڈرائیں۔ اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ ہمیشہ آپ کی نگرانی اور نگہبانی کرتا ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَ اَنْذِرْ
عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾
فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾
الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

"پس اے نبیؐ" اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو' ورنہ تم بھی سزا پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ' اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں۔ ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ' لیکن اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں' تو ان سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو' اس سے میں بری الذمہ ہوں اور اس زبردست اور رحیم پر توکل کرو جو تمہیں اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب تم اٹھتے ہو' اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے"۔

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے سوا کسی اور کو پکاریں تو وہ بھی معذبین میں سے ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ محال ہے اور اللہ نے سمجھانے کے لیے فرض کیا ہے۔ تو پھر اور لوگ کس باغ کی مولی ہیں۔ جو لوگ رات اور دن اللہ کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں وہ کس طرح عذاب الٰہی سے بچ سکتے ہیں۔ لہٰذا اس معاملے میں کوئی رو رعایت نہیں ہیں۔ رسول بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اگر اس نے اس عظیم جرم کا ارتکاب کیا تو.... بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب سے ڈرانے کے بعد اب یہاں آپ کے رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ دوسرے لوگ زیادہ ڈر جائیں' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار (مثلاً ابو طالب) ایمان نہ لائے اور شرک پر مرے تو معذبین میں سے ہو گا تو اور لوگوں کے لیے جاننا چاہیے کہ کوئی رعایت نہ ہو گی۔

بخاری اور مسلم شریف میں منقول ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ کوہ صفا پر چڑھے۔ اور پکارا "یاصباحاہ" تو

Marfat.com

سب لوگ جمع ہو گئے۔ ہر شخص دوڑ کر آپؐ کے پاس پہنچ گیا یا اس نے اپنا کوئی نمائندہ بھیج دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا بنی عبدالمطلب یا بنی مرہ' یا بنی لوئی دیکھو! اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ پہاڑ کی اس طرف سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو تم میری تصدیق کرو گے؟ تو انہوں نے کہا' ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ میں تمہارے لیے ڈرانے والا ہوں اور ایک شدید عذاب تمہارے انتظار میں ہے اس پر ابولہب نے کہا "تم پر ہلاکت ہو سارے دن کے لیے"۔ کیا تم نے صرف اس بات کے لیے ہمیں بلایا اور اسی موقعہ پر یہ سورت بھی نازل ہو گئی۔ تبت یدا ابی لهب وتب امام مسلم نے اپنی سند پت حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (۲۶: ۲۱۴) "اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ"۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور فرمایا "اے فاطمہؓ بنت محمد' اے صفیہ بنت عبدالمطلب' اے اولاد عبدالمطلب' میں تمہارے بارے میں اللہ کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ میرے مال کے بارے میں تم جو چاہتے ہو' مجھ سے لے سکتے ہو"۔

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ نقل فرمایا ہے۔ کہتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا تو آپؐ نے عام بات بھی کی اور خاص بات بھی کی۔ فرمایا اے اہل قریش' اپنے نفوس کو آگ سے بچاؤ' اے اولاد کعب اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ' اے فاطمہؓ بنت محمد اپنے نفس کو آگ سے بچاؤ' خدا کی قسم میرے پاس تمہارے لیے خدا کے ہاں کوئی اختیارات نہیں ہیں۔ میں تمہارا رشتہ دار ہوں۔

تو احادیث اور ان کے ساتھ دوسری احادیث ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو اس طرح لیا اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو کس طرح خبردار کیا اور آخرت کے معاملے میں ان کو اپنے رب کے حوالے کر دیا اور ان کے سامنے صاف صاف کہہ دیا کہ میری قرابت کسی کو وہاں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اگر تمہارے لیے تمہارا عمل نافع نہ ہوا۔ اور یہ کہ تمہارے لیے میرے پاس اللہ کے ہاں کوئی اختیارات نہیں ہیں۔ حالانکہ آپ اللہ کے رسول تھے۔ غرض یہ ہے اسلام اور اس کی صاف صاف تعلیم' بالکل واضح اور دو ٹوک بات اور اللہ اور بندے کے درمیان ہر قسم کے واسطوں کی نفی۔ یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی واسطہ اور وسیلہ نہیں ہیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ جن مومنین نے تمہاری دعوت کو قبول کر لیا ہے ان کے ساتھ تمہارا معاملہ کیسا ہو گا۔

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۶: ۲۱۵) "اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آؤ"۔ پروں کو ان کے لیے بچھانے سے مراد تواضع کرنا اور نرمی کرنا ہے۔ نہایت ہی مجسم اور حسی انداز میں بیان فرمایا کہ جب پرندہ اترتا ہے تو پروں کو پوری طرح بچھاتا ہے اور رفتار نرم کرتا ہے۔ حضور اکرم نے اپنی پوری زندگی میں اہل ایمان کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ کیونکہ آپ کے اخلاق بعینہٖ قرآن تھے آپ کی زندگی قرآن کریم کا عملی ترجمہ تھی۔

اور جو لوگ آپ کی نافرمانی کرتے ہیں ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں اور ان سے اپنی برات کا اعلان کر دیں۔

Marfat.com

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (۲۶:۲۱۶) "اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دیں کہ میں ان باتوں سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو"۔ یہ روش مکہ میں تھی' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی راہ میں لڑنے کی اجازت نہ تھی۔ اب قرآن کریم آپ کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور یہ تسلی دیتا ہے کہ اللہ بروقت آپ کا نگران ہے اور بہت قریب سے دیکھ رہا ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَي الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (۲۶:۲۱۷) الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (۲۶:۲۱۹) اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۲۶:۲۲۰) "اور اس زبردست اور رحیم پر توکل کر جو تمہیں اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اٹھتے ہو اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت پر وہ نگاہ رکھتا ہے' وہ سب کو سننے اور جاننے والا ہے"۔ ان کو' ان کی نافرمانیوں کے اندر چھوڑ دیں۔ اور ان کے اعمال سے اپنی برات کا اظہار کر دیں۔ اور اپنے رب پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوں اور ہر معاملے میں رب کریم سے استعانت طلب فرمائیں۔ یہاں اللہ کی دو صفات بیان کی گئی ہیں' جو اس سورت میں بار بار آتی ہیں یعنی صفت عزت اور صفت رحمت۔ اس کے بعد قلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انس اور محبت کا شعور دیا جاتا ہے کہ تمہارا رب تمہیں اس وقت بھی دیکھ رہا ہے جب تم اکیلے نماز میں ہوتے ہو اور اس وقت بھی دیکھ رہا ہے جب تم نمازیوں کے اندر ہوتے ہو۔ یعنی وحدت کی حالت میں بھی تمہیں دیکھ رہا ہے اور اجتماعی حالت میں بھی اس کی نظر تم پر ہے۔ یعنی جب تم ساجدین یعنی اہل ایمان کے اندر ہوتے ہو' ان کی تربیت کرتے ہو' ان کی امامت کرتے اور انہیں خطبہ دیتے ہو' اللہ آپ کی حرکات و سکنات کی نگرانی کر رہا ہے اور آپ کے دعوتی کام اور درپیش خطرات کو بھی دیکھ رہا ہے وہ سمیع و علیم ہے۔

اس انداز تعبیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ شعور پیدا کرنا مطلوب ہے کہ اللہ آپ کے قریب ہے' دیکھ رہا ہے اور عنایات کر رہا ہے۔ یوں رسول اللہ یہ یقین رکھتے تھے کہ آپ اللہ کی حفاظت میں ہیں۔ اللہ کے جوار رحمت میں ہیں۔ چنانچہ اس خوشگوار ماحول محبت میں آپ زندگی بسر کرتے تھے۔

اس سورت کا یہ آخری سبق زیادہ تر قرآن کے بارے میں ہے۔ اس کے بارے میں ایک تاکید تو یہ کی گئی کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ دوسری یہ کہ روح الامین اسے لے کر آئے تیسری یہ کہ اس کے نزول میں شیاطین کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں پھر تاکید کی جاتی ہے کہ شیاطین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے اتر سکتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو سچے' امین اور ایک پاک و صاف زندگی بسر کرنے والے ہیں۔ شیاطین تو جھوٹوں' کذابوں' بدکرداروں اور دھوکہ باز کاہنوں پر اترتے ہیں۔ اور یہ تو کاہن اور گمراہ مذہبی پیشوا ہیں جو شیطانی باتیں لے کر اور ان میں رنگ بھر کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾

Marfat.com

يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾

"لوگو' کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترا کرتے ہیں؟ وہ ہر جعل ساز' بدکار پر اترا کرتے ہیں۔ سنی سنائی باتیں کانوں میں پھونکتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں"۔

عربوں میں کاہن ہوا کرتے تھے' ان کا دعویٰ یہ تھا کہ جن انہیں غیب کی خبریں دیتے ہیں اور لوگ ان کے ہاں جاتے تھے۔ اور ان کی پیش گوئیاں سنتے تھے۔ ان کاہنوں میں سے اکثر جھوٹے ہوتے تھے۔ ان کاہنوں کی تصدیق وہ لوگ کرتے تھے جو ہر قسم کے اوہام اور ہر قسم کے افسانوں پر یقین کرنے کے لیے تیار ہوتے تھے لیکن یہ کاہن بہرحال لوگوں کو کسی بھلائی کی طرف نہ بلاتے تھے۔ اور نہ لوگوں کی قیادت راہ ایمان کی طرف کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ان سے بہت مختلف تھا۔ رسول اللہ تو قرآن کے ذریعہ ایک نہایت ہی ٹھوس نظام زندگی کی طرف بلاتے تھے۔

یہ کاہن قرآن کے بارے میں کبھی کہتے یہ شعر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے کہ آپ شاعر ہیں۔ لیکن وہ حیران تھے کہ یہ قرآن بہرحال ایک بے مثال کلام ہے' لوگوں کے دلوں تک اثر جاتا ہے۔ لوگوں کے اندر ایک نیا شعور پیدا کرتا ہے اور اس کے اس قدر گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں کہ عوام اسے رد نہیں کر سکتے۔

چنانچہ اس سورت میں اس نکتے کی وضاحت کر دی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو نظام پیش کر رہے ہیں اور قرآن کریم جو نظام پیش کر رہا ہے' یہ کوئی شاعرانہ کلام اور سوچ نہیں ہے۔ قرآن کریم ایک ہی نظریہ اور ایک ہی منہاج پر اول سے آخر تک چل رہا ہے۔ اس کے سامنے ایک ہی متعین مقصد اور نصب العین ہے۔ وہ اپنے نصب العین کی طرف سیدھا آگے بڑھ رہا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی وہی منہاج ہے۔ یہ نہیں ہے کہ آپ آج ایک بات کریں اور کل اس کے برعکس بات کریں۔ آپ کبھی بھی بدلتے ہوئے میلانات و رجحانات اور وقتی خواہشات کے پیچھے نہیں پھرتے۔ ایک ہی دعوت ہے جسے آپ لے کر آئے ہیں اور وہی دے رہے ہیں۔ ایک ہی عقیدہ ہے جو آپ پیش فرما رہے ہیں اور آپ ایک ایسے منہاج کے مطابق کام کر رہے ہیں جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے۔ جبکہ شعراء ایسے نہیں ہوتے۔ شعراء بدلتے ہوئے تاثرات اور وقتی جذبات کے اسیر ہوتے ہیں۔ ان پر ان کے شعور کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جس طرح شعور ہوتا ہے' اسی کا وہ اظہار کر دیتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں وہ ایک ہی حقیقت سیاہ دیکھتے ہیں تو اسے سیاہ کہہ دیتے ہیں۔ اسی بات کو وہ اگلے لمحے میں سفید دیکھتے ہیں تو اسے سفید کہہ دیتے ہیں۔ اگر کسی سے راضی ہوئے تو مدح کرتے ہیں اور اگر ناراض ہوئے تو مذمت کرتے ہیں۔ پھر ہر شاعر کا اپنا مزاج ہوتا ہے اور اس کی اپنی شاعری ہوتی ہے۔

پھر یہ شعراء اپنے لیے خود ایک جہاں پیدا کرتے ہیں اور اسی میں بہ گم گشتہ ہوتے ہیں۔ یہ بعض افعال اور بعض ذہنی نتائج تخلیق کرتے ہیں اور پھر ان کو حقائق مان کر خود ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ عملی لوگ نہیں ہوتے کیونکہ یہ اپنی خیالی دنیا میں گم رہتے ہیں۔

لیکن جو شخص ایک متعین دعوت لے کر اٹھتا ہے اس کا مزاج شاعرانہ نہیں ہوتا۔ متعین دعوت کا حامل تو اس دعوت کو عملاً دنیا میں قائم دیکھنا چاہتا ہے۔ کسی بھی داعی کا ایک متعین ہدف اور نصب العین ہوتا ہے۔ پھر ہر داعی نے اپنی دعوت کے قیام کے لیے ایک طریق کار متعین کر دیا ہوتا ہے۔ وہ اس متعین راہ پر' ایک متعین سمت کی طرف جاتا ہے۔

Marfat.com

ادھر ادھر نہیں بھٹکتا۔ اس کی نظریں تیز ہوتی ہیں۔ عقل زندہ ہوتی ہے۔ وہ اوہام اور تخیلات کی دنیا میں زندہ نہیں رہتا۔ نہ وہ محض خیالی نقشہ پیش کر کے خوش ہوتا ہے۔ وہ اپنے نقشے پر عملی دنیا تعمیر کرنا چاہتا ہے۔

لہٰذا رسولوں کے منہاج اور شعراء کے منہاج کے درمیان جوہری فرق اور دہے۔ ان دونوں کے اندر یقیناً کوئی اشتراک نہیں ہے۔ اور یہ بات کوئی زیادہ پیچیدہ بھی نہیں ہے۔ کہ اسے نہ سمجھا جا سکے۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾

"رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے تھے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں"۔

یہ لوگ چونکہ خواہشات نفس اور اپنے مزاج کے پیچھے چلتے ہیں لہٰذا اکثر بہکے ہوئے لوگ شعراء کے پیچھے چلتے ہیں کیونکہ اکثر بہکے ہوئے لوگ بھی ہوائے نفس کے بندے ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کا کوئی متعین نصب العین نہیں ہوتا۔

یہ ذہنی شعور اور تخیل کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ تخیلات، تصورات اور اوہام کی وادیاں بہت ہی وسیع ہوتی ہیں، یہ اپنے تاثرات کے مطابق ان میں سے کسی وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں، جس وقت ان کا دل جس وادی سے متاثر ہوئے، اس میں پھرنے لگتے ہیں۔

پھر یہ جو باتیں کرتے ہیں وہ غیر عملی ہوتی ہیں کیونکہ یہ ایسی دنیا میں زندہ ہوتے ہیں جو انہوں نے خود پیدا کی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ تخیلات کی دنیا ہوتی ہے اور ان کے شعور میں ہوتی ہے۔ اس دنیا کو یہ کرۂ ارض پر عملی دنیا سے دور رکھتے ہیں کیونکہ عملی حقائق چونکہ تلخ ہوتے ہیں اس لیے وہ ان کو پسند نہیں ہوتے۔ اس لیے وہ بہت سی باتیں بناتے ہیں لیکن ایسا کرتے نہیں۔ کیونکہ ان کی دنیا عمل کی نہیں بلکہ وہم و گمان کی دنیا ہوتی ہے۔ اب نظر آنے والی دنیا میں ان کی دنیا کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔

اب اسلام کو دیکھو کہ وہ تو ایک عملی نظام زندگی ہے اور اس کے ہر حکم کے لیے حکم یہ ہے کہ اسے عملاً قائم کیا جائے۔ اسلام گویا ایک عظیم تحریک ہے جو ضمیر و وجدان کی دنیا میں بھی ہے۔ عقائد و تصورات کی دنیا میں بھی ہے اور پھر یہ تحریک عملی دنیا میں بھی ہے۔ لہٰذا اسلام کی دنیا شعراء کی دنیا سے بالکل مختلف ہے کیونکہ شاعر اپنے ذہن میں ایک سوچ کی تخلیق کرتا ہے اور اس میں گم ہو جاتا ہے جبکہ اسلام جو عقیدہ اپناتا ہے اسے عملی شکل دیتا ہے۔ گویا اسلام اعلیٰ تصورات کو عملی شکل دیتا ہے۔ اور اعلیٰ تصورات کو عمل اور اخلاق میں ظاہر کرتا ہے۔

اسلام لوگوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ عملی حقائق سے فرار اختیار نہ کرو اور موہوم خیالات کی طرف نہ بھاگو۔ اگر کوئی عملی حقیقت تمہیں پسند نہیں ہے تو اس سے بھاگ کر تخیلات کے قلعوں میں پناہ نہ لو۔ بلکہ اس پر حملہ آور ہو جاؤ اور حالات اور واقعات کو اپنی منشا کے مطابق بدل کر رکھ دو لیکن شاعر صاحب کا یہ کام نہیں ہوتا۔

Marfat.com

اسلام انسانوں کی پوری قوت کو مجتمع کر کے اعلیٰ قدروں کی عملی دنیا تعمیر کرنے پر صرف کرتا ہے وہ اپنی کسی قوت کو بھی موہوم تخیلات کی دنیا میں رہ کر برباد نہیں کرتا۔ یہاں تک تو اسلام شعروفن کو رد کرتا ہے اگر وہ عملی نہ ہوں۔

لیکن اسلام شعروفن کا مطلقاً خلاف نہیں ہے۔ جو لوگ قرآن مجید کے ان الفاظ کو پڑھتے ہیں اور سرسری طور پر پڑھتے ہیں وہ شاید یہ سمجھیں کہ قرآن شعروسخن کے مطلقاً خلاف ہے۔ دراصل قرآن کریم اس منہاج کے خلاف ہے جس پر ہمیشہ شعراور فن چل رہتا ہے یعنی ایسا تخیلاتی اور وہمی منہاج جس کے اندر عمل کی کوئی صورت نہ ہو۔ تخیل اور مبالغہ ہی ہو۔ ظاہر ہے کہ وہم و خیال کی دنیا تو پھر بہت ہی وسیع ہے' انسان اس کے اندر غرق ہو جاتا ہے لیکن جب انسان کا شعور پختہ ہو جاتا ہے اور اس کے تاثرات شعروفن پختہ ہو جاتے ہیں تو وہ شعوری اور تخیلاتی دنیا میں بھی کام کرتے ہیں اور عملی دنیا میں بھی کام کرتے ہیں۔ ایسے عملی تخیلات پھر اخلاقی لحاظ سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی صاحب فن اسلامی رنگ میں رنگا جاتا ہے تو وہ محض اوہام و تخیلات کی دنیا میں قید نہیں ہوتا وہ عمل اور حکمت کی دنیا میں آتا ہے اور اس کے خیالات پھر بہت ہی قیمتی' صاف اور روایتی شعرا سے مختلف ہوتے ہیں۔

جب کسی کی روح میں ایک مستقل منہاج رچ بس جاتا ہے۔ اس کا ایک اسلامی نصب العین قرار پاتا ہے۔ پھر وہ دنیا کو اسلام نقطہ نظر سے دیکھتا ہے۔ اسلام کی روشنی میں دیکھتا ہے۔ اسلام کے زاویہ سے دیکھتا ہے تو اس کا فن شعرسخن بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ ایسے معیار پر اسلام شعروسخن اور فن کے خلاف نہیں رہتا جیسا کہ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ سے نظر آتا ہے۔

قرآن کریم نے تو خود انسانی عقل' سوچ اور خیال کو اس دنیا کے عجیب و غریب مظاہر اور حقائق کی طرف متوجہ کیا ہے۔ خود نفس انسانی کے اندر جو عجائبات ہیں' جن میں انسانی تخیلات اور تمام نفسیاتی افعال شامل ہیں' یہ غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ شعروسخن کا مواد تو انسان کے نفسیاتی افعال ہی سے بنتا ہے اور قرآن کے اندر جگہ جگہ اس کائنات کی عجیب تخلیق اور نفس انسانی کے عجیب افعال پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور قرآن نے یہ دعوت ایسے اسلوب میں دی ہے کہ آج تک کوئی شاعر اس کمال اور بلندی تک نہیں پہنچ سکا۔ اپنی خوبصورتی' اپنی فصاحت اور قدرت تصور کے اعتبار سے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم سابقہ عمومی تبصرے کے اندر استثناء پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن مطلقاً شعروسخن اور فن کے خلاف نہیں ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿٢٢٧﴾

"بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے' اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا---- اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں"۔

لہٰذا اہل ایمان ان لوگوں میں داخل نہیں ہیں۔ یہ لوگ ایمان لائے تو ان کے دل و دماغ اسلامی عقیدہ اور ایمان

Marfat.com

Marfat.com

ت بھر گئے۔ ان کی زندگی ایک منہاج پر رواں ہو گئی۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی میں نیک عمل کرنا شروع کر دیا اور ان کی قوتیں اعمال صالحہ اور خوبصورت بھلائی کی راہ پر صرف ہونے لگیں۔ وہ صرف اوہام و تخیلات کی دنیا سے باہر آ گئے۔ اور انہوں نے اپنے فن کو بھی اپنے نظریہ کے لیے استعمال کیا۔ یعنی کسی نے ان پر ظلم کیا تو انہوں نے بدلہ لے لیا۔ یعنی جس سچائی کو انہوں نے عملاً قبول کیا اس کی حمایت میں ان کا فن بھی میدان میں آ گیا۔

ایسے ہی اہل فن میں' معرکہ توحید شرک کے ابتدائی دور میں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت حسان ابن ثابت 'کعب ابن مالک' عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہم شعراء انصار میں سے تھے اور عبداللہ ابن الزبیری ابوسفیان ابن الحارث ابن عبدالمطلب تھے۔ یہ دونوں ایام جاہلیت میں حضور اکرمؐ کی ہجو بھی کرتے تھے۔ جب مسلمان ہوئے اور خوب ہوئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں بھی خوب کمالات دکھائے۔ اور اسلام کی مدافعت کی۔

صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان ابن ثابتؓ کو حکم دیا "ان کی ہجو کرو اور جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں"۔ عبدالرحمٰن ابن کعب نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شعراء پر اشعار میں بھی نازل کیا ہے جو کچھ نازل کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی جہاد کرتا ہے' اس خدا کی قسم 'جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جس چیز سے تم ان کو مارتے ہو وہ تیروں کی بارش ہے"۔ (امام احمد)

اسلامی شعر و فن کا تحقق مختلف اسالیب میں ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ ایک صورت جو ابتدائے اسلام میں وجود میں آئی اور اس وقت اس کی ضرورت بھی تھی لیکن اسلامی تصور حیات کے مطابق شعر و سخن کے اور دائرے بھی بے شمار ہیں جن کی اسلام اجازت دیتا ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ اسلامی فن وہی ہو گا جو اسلام کے دفاع میں ہو۔ یا براہ راست اس میں دعوت اسلامی موجود ہو۔ یا جس میں اسلام کی تعریف ہو 'پیغمبر اسلام کی تعریف ہو یا اکابر اسلام کی تعریف و تمجید ہو۔ یا اللہ کی حمد و ثنا؟ یہ ضروری نہیں ہے کہ شعر اگر ان موضوعات پر ہو تو اسلامی ہے اور اگر ان پر نہ ہو تو اسلامی نہیں ہے۔ گردش لیل و نہار پر ایک شاعرانہ نظر' اور مناظر کائنات پر ایک ایسی نظر جس کے ذریعے ایک مسلم کا شعور اور اس کا تخیل قدرت الٰہیہ کا احساس کرتا ہو' حقیقی اسلامی فن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک لمحہ جس میں انسان کے دل و دماغ پر اللہ کی حکمت روشن ہو جاتی ہے۔ اور جس کے اندر انسان اس کائنات کے عجائبات کا احساس کرتا ہے۔ ایسے لمحات ہی میں اسلامی ادب کی تخلیق ہوتی ہے۔

اسلامی فن اور غیر اسلامی فن کے درمیان امتیاز اس سے ہوتا ہے کہ اسلام کا اپنا ایک تصور حیات ہے۔ اسلامی سوسائٹی کے اندر روابط کی ایک مخصوص شکل پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی فن اسلامی تصورات' اسلامی روابط کے اور اسلامی اخلاق کی اساس پر تخلیق ہوتا ہے تو وہ اسلامی ہے اور اسے اسلام پسند کرتا ہے ورنہ نہیں ہے۔

اور سورت کا خاتمہ اس دھمکی اور مجمل تہدید پر ہوتا ہے۔

وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (۲۶:۲۲۷) "اور ظلم کرنے والوں کو

Marfat.com

عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں"۔ اس پوری سورت کا مضمون یہ رہا اور اس میں مشرکین کے عناد اور ہٹ دھرمی کی تصویر کشی کی گئی۔ یہ بتایا گیا کہ وہ اللہ کی وعید کے مقابلے میں سرکشی کرتے رہے بلکہ الٹا عالم غرور میں عذاب کے جلدی نزول کا مطالبہ کرتے رہے۔ نیز اس سورت میں ایسے تمام لوگوں پر نازل ہونے والے عذابوں کی تصویر کشی بھی کی گئی اور مختلف رسولوں کے انجام دکھائے گئے۔

اس لیے سورت کے آخر میں بجملا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالف قوتوں کو بھی سمجھا دیا گیا کہ تم بھی ذرا اپنی خبر مناؤ کہ تمہارا انجام کیا ہونے والا ہے۔ گویا کفار مکہ ذہنی دنیا پر یہ آخری ضرب ہے۔ اور ایسے الفاظ میں ہے کہ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست کے مطابق ہر شخص کا خیال اس کے معانی پہچان سکتا ہے۔ لہٰذا یہ مشرکین کے ایوان میں ایک زلزلہ ہے جو سورت کے آخر میں برپا کر دیا گیا۔

---ooo---

Marfat.com

فی ظلال القرآن

جلد ---- چہارم

پارہ ----- ۱۹

سورۃ النمل - ۲۷

۱ --- تا --- ۵۹

Marfat.com
Marfat.com

سورۃ النمل ایک نظر میں

یہ مکی سورت ہے اور یہ سورت شعرا کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی سورت شعراء کے انداز میں چلتی ہے۔ ایک مقدمہ ہے۔ ایک تعقیب و تبصرہ ہے۔ اس میں سورت کا بنیادی موضوع اور محور بنایا گیا ہے۔ اور مقدمہ اور آخری تبصرے کے درمیان قصص ہیں جن سے موضوع کو ثابت کیا جاتا ہے۔ جابجا اس طرف اشارہ ہے کہ سابق انبیاکی دعوتوں کے مقابلے میں ردعمل اور موجودہ دعوت کے مقابلے میں آنے والا ردعمل ایک ہی جیسا ہے۔ یہ مسلمانوں کو یہ سبق سکھانے کے لیے کہ اللہ کی سنت بھی ایک ہے اور تمام رسالتوں اور تمام دعوتوں کے نشیب و فراز بھی ایک جیسے ہیں۔

اب یہ کہ اس سورت کا موضوع کیا ہے؟ تو موضوع تمام مکی سورتوں کی طرح اسلامی نظریہ ہے یعنی عقیدۂ توحید' اللہ وحدہ پر ایمان' اللہ وحدہ کی بندگی' آخرت کی جوابدہی پر یقین' ثواب و عتاب پر یقین' وحی اور غیب پر ایمان اور یہ کہ علم غیب کا جاننے والا اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ اللہ پر یہ ایمان کہ تمام کے لیے وہی خالق' رازق اور نعمتوں کا داتا ہے۔ لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنا کہ وہ شکر نعمات ادا کریں۔ یہ ایمان کہ اللہ کے سوا کوئی نفع نقصان دینے والا نہیں۔ قوت کا سرچشمہ اللہ ہے اس لیے اس پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

ان معانی کے ثبوت کے لیے قصص آتے ہیں۔ سابقہ مومنین اور سابقہ مکذبین کے حالات اور انجام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کی وہ کڑی جب آپ کوہ طور پر آگ دیکھتے ہیں' وہاں جاتے ہیں۔ اور پھر عالم بالا سے پکار پاتے ہیں اور آگ کے بجائے رسالت ملتی ہے۔ اور یہ ڈیوٹی دی جاتی ہے کہ فرعون کے پاس جاؤ۔ سرداران فرعون کو دعوت دو' چنانچہ آپ جاتے ہیں۔ وہ آیات الہیہ کی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ ان کو اچھی طرح یقین ہے کہ آپ سچے ہیں' تو ان کا جو انجام ہوا' وہ معروف ہے۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (۲۷: ۱٤) "انہوں نے سراسر ظلم اور غرور کی راہ سے ان نشانیوں کا انکار کیا۔ حالانکہ دل ان کے قائل ہو چکے تھے۔ اب دیکھ لو کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا۔ اور یہی حال ہے مکہ کے کفار اور مکذبین کا۔ وہ بھی قرآن مبین کی آیات کے ساتھ یہی سلوک کر رہے ہیں۔

اس کے بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام پر ہونے والے انعامات کی طرف اشارہ ہے۔ پھر سلیمان اور چیونٹی کے قصے کی طرف اشارہ ہے۔ پھر ہدہد کا واقعہ ہے۔ ملکہ سبا اور اس کی قوم کے واقعات ہیں۔ پھر حضرت سلیمان اور حضرت داؤد پر انعامات اور ان کی جانب سے ان انعامات کا شکر نعمت علم' نعمت اقتدار و بادشاہت اور ان پر پھر نبوت

Marfat.com

کا مقام اور پھر روحانی طاقت کے ذریعے جنوں اور پرندوں کی تسخیر کی قوت اور تمام واقعات کے اندر وہ اصولی عقائد کی تعلیم ہے جس کو ہر رسول لے کر آتا ہے۔ ان واقعات میں اس نکتے کی بڑی وضاحت کی گئی ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام کا خط ملکہ سبا کے دربار میں پہنچتا ہے۔ وہ اس خط کو کس طرح لیتی ہے اور اس کے مقابلے میں اہل مکہ اللہ کی کتاب کو کس غیر سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ یہ لوگ اس کتاب کی تکذیب کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں جبکہ ملکہ سبا اور اس کی قوم ایمان لے آتے ہیں۔ یہ اللہ ہی تھا جس نے سلیمان علیہ السلام کو یہ کمالات بخشے۔ اور اس کے لیے چیزوں کو مسخر کیا۔ یہ اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا مالک ہے۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور حضرت سلیمان کو اللہ نے جو علوم سکھائے تھے وہ تو علوم الٰہیہ میں سے ایک قطرہ از دریا تھے۔

اس کے بعد حضرت صالح اور ان کی قوم ثمود کا قصہ آتا ہے۔ اس قصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم کے بعض مفسد ان پر اور ان کے اہل و عیال پر زیادتی کرتے تھے اور یہ لوگ حضرت صالح کو خفیہ طور پر قتل بھی کرنا چاہتے تھے لیکن اللہ نے ان کی تدابیر کو ناکام کر دیا اور حضرت صالح اور مومنین کو نجات دی اور سازش کرنے والوں کو ثمودیوں کے ساتھ تباہ کر کے رکھ دیا۔

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا (۲۷:۵۲) "وہ ہیں ان کے گھر خالی پڑے ہوئے، اس ظلم کی پاداش میں جو وہ کرتے تھے"۔ قریش بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے اور یہ بھی خفیہ طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ جس طرح ثمودی حضرت صالح اور آپ کے ساتھی اہل ایمان کے قتل کی تدابیر کر رہے تھے۔

یہاں قصص کا اختتام قصہ لوط اور قوم لوط پر ہوتا ہے۔ وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ حضرت لوط اور اہل ایمان کو اپنے گاؤں سے نکال دیں اور وہ دلیل یہ دیتے تھے کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ یہ ضرورت سے زیادہ اخلاقی تطہیر چاہتے ہیں۔ لیکن جب حضرت لوط اور اہل ایمان بستی سے نکل گئے۔ تو ان پر سخت تباہی آئی۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ (۲۷:۵۸) "پھر برسائی ان لوگوں پر ایک برسات بہت ہی بری برسات تھی وہ ان لوگوں کے حق میں جو ڈرائے جا چکے تھے"۔ قریش نے بھی یہ ارادہ کر لیا تھا کہ رسول اللہ کو شہر سے نکال دیں اور اس بارے میں انہوں نے آپ کی ہجرت سے قبل مشورہ بھی کر لیا تھا۔

جب قصص ختم ہوئے تو آخری تبصرہ اور اختتامیہ آیا اور اس کا آغاز یوں ہوا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ

(۲۷:۵۹) "اے نبیؐ کہو، حمد اللہ کے لیے اور سلام اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے برگزیدہ کیا۔ اللہ بہتر ہے یا وہ معبود جنہیں یہ لوگ اس کا شریک بنا رہے ہیں؟ بتاؤ"۔ اس کے بعد پھر قاری کو اس کائنات کی سیر کرائی جاتی ہے۔ اس کے نفس کی گہرائیوں تک پہنچایا جاتا ہے، اللہ خالق رازق اور صانع کائنات کے دست قدرت کی

Marfat.com

کاریگریاں بتائی جاتی ہیں جو وحدہ عالم الغیب ہے اور سب لوگوں نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر بعض علامات قیامت بتائی جاتی ہیں اور قیامت کے بعض مناظر بھی لائے جاتے ہیں اور یہ بتایا جاتا ہے کہ جو لوگ قیامت کے منکر ہیں۔ ان کے انتظار میں کتنا برا انجام ہے۔

اس سورت کا اختتام ایسے انداز میں ہوتا ہے جو اس سورت کی فضا سے ہم آہنگ ہے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (۲۷: ۹۱) وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (۲۷: ۹۲) وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۲۷: ۹۳) "اے نبی' ان سے کہو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی بندگی کروں جس نے اسے حرم بنایا ہے اور جو ہر چیز کا مالک ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلم بن کر رہوں۔ اور یہ قرآن پڑھ کر سناؤں اب جو ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی بھلے کے لیے ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہ ہو' اس سے کہہ دو کہ میں تو بس خبردار کرنے والا ہوں۔ ان سے کہو تعریف اللہ کے لیے ہے عنقریب وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دے گا اور تم انہیں پہچان لوگے اور میرا رب بے خبر نہیں ہے۔ ان اعمال سے جو تم لوگ کرتے ہو"۔

اس پوری سورت کا مرکزی مضمون علم ہے۔ اللہ عالم ہے' ظاہر باطن سب کا اور تمام غیب اسی کے علم میں تھا جو اللہ نے داؤد اور سلیمان علیہ السلام کو بخشا تھا۔ پھر سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی زبان سکھائی تھی۔ چنانچہ اس سورت کے آغاز ہی میں آتا ہے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ (۲۷: ۶) "بے شک تو قرآن پا رہا ہے حکیم علیم ذات کی طرف سے"۔ اور اس کی تعقیب میں ہے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (۲۷: ۶۵) بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ (۲۷: ۶۶) "ان سے کہو' اللہ کے سوا آسمانوں اور زمینوں میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور وہ تمہارے معبود تو نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے بلکہ آخرت کا تو علم ہی ان لوگوں سے گم ہو گیا ہے"۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (۲۷: ۷۴) وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۲۷: ۷۵) "بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ یہ

Marfat.com

Marfat.com

اپنے سینے کے اندر چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ آسمان و زمین کی کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جو ایک واضح کتاب میں لکھی ہوئی موجود نہ ہو"۔ اور آخر میں آتا ہے۔

سَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا (۲۷:۹۳) "عنقریب وہ اپنی نشانیاں تمہیں دکھا دے گا اور تم انہیں پہچان لوگے"۔ حضرت سلیمان کے قصے میں آتا ہے۔

ولقد اتينا داود و سليمان علمًا وقال الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰي كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۷:۱۵) "اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا تھا۔ انہوں نے کہا تعریف ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں اپنے مومن بندوں میں سے ایک کثیر تعداد پر فضیلت دی"۔ اور حضرت سلیمان کا یہ فرمان

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (۲۷:۱۶) "اے لوگو، ہمیں پرندوں کی باتیں سکھائی گئی ہیں"۔ اور ہدہد نے کہا:

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ (۲۷:۲۵) "وہ اس خدا کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو"۔ اور جب حضرت سلیمان ملکہ سبا کے تخت کو حاضر کرنا چاہتے ہیں تو اسے جنوں کا ایک عفریت بھی نہیں لا سکتا ہے۔ اور اسے جو شخص لانے کی حامی بھرتا ہے اسے بھی یہ قدرت یوں ملی۔

الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ (۲۷:۴۰) "جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا"۔ غرض پوری سورت کی فضا پر علم اور ٹیکنالوجی کی باتیں چھائی ہوئی ہیں۔ شروع سے آخر تک علم ہی علم ہے اور علم ہی کی دنیا میں بات چلتی ہے۔ اب ذرا اس کے مضامین پر تفصیلی بحث مناسب ہے۔

---ooo---

Marfat.com

درس نمبر ۱۷ تشریح آیات

۱--- تا--- ۶

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

"ط۔س۔یہ آیات ہیں قرآن اور کتاب مبین کی"۔

حروف مقطعات دراصل اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ یہ سورت اسی مواد پر مشتمل ہے جو ان حروف سے بنا ہے۔ پورا قرآن بھی اسی سے بنا ہے۔ یہ مواد عام عربی دانوں کے دسترس میں ہے لیکن وہ اس مواد سے ایسی کتاب تصنیف کرنے سے عاجز ہیں۔ باوجود بار بار کی تحدی اور چیلنج کے۔

یہاں کتاب سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ یہاں قرآن مجید پر کتاب (خط) کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کتاب اور قریش کی جانب سے اس کے حوالے سے ردعمل اور حضرت سلیمان کے خط اور ملکہ سبا کی جانب سے اس کے بارے میں ردعمل کے درمیان مقابلہ کیا جائے' حالانکہ سلیمان علیہ السلام اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھے۔

اس تمہید اور چیلنج کے بعد قرآن کریم کا ذکر اور اس کی تعریف یوں ہوتی ہے۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾

"ہدایت اور بشارت ان ایمان لانے والوں کے لیے"۔

یہ اسلوب اس سے زیادہ بلیغ ہے اگر کہا جاتا "اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت و بشارت ہے"۔ قرآن جو اسلوب اختیار کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کتاب کا مواد ہی بذات خود ہدایت و بشارت ہے۔ اس طرح

Marfat.com
Marfat.com

قرآن کریم اہل ایمان کو ان کی زندگی کے ہر نشیب و فراز میں ہدایت دیتا ہے۔ ہر پہلو سے ہدایت ہے اور انسان کی دنیاوی اور اخروی دونوں زندگیوں کے لیے یہ کتاب بشارت اور خوشخبری ہے۔

یہ کتاب صرف مومنین کے لیے ہدایت اور بشارت ہے؟ اس فقرے میں اللہ نے ایک عظیم اور گہری حقیقت کو سمو دیا ہے۔ یہ قرآن کوئی نظریاتی اور فلسفیانہ کتاب نہیں ہے کہ جو بھی اسے پڑھے اور اس کے مضامین کا انطباق کرے اور ان کو نافذ کر دے تو بس قرآن کا مقصد پورا ہو گیا۔ یہ کتاب سب سے پہلے انسان کے قلب و نظر کو مخاطب کرتی ہے تاکہ وہ اسے ایمان' احترام اور یقین کے ساتھ قبول کرے۔ کھلے دل سے قبول کرے۔ پھر یہ کتاب اپنا نور' اپنا عطر اور اپنی حکمت اس کے دل میں ڈال دیتی ہے۔ اور جس قدر قاری کا دل ایمان کی تراوٹ رکھتا ہو گا اسی قدر وہ اس کے مٹھاس کو پائے گا۔ اس کے معانی اس پر کھلتے جائیں گے۔ اور اس کی توجہات اور تاویلات اس کی سمجھ میں آئیں گی۔ کسی سنگدل اور خشک دل و دماغ رکھنے والے انسان پر اس کتاب کے راز نہیں کھلتے۔ اسی طرح ایک مومن صادق کو اس سے وہ ہدایات ملتی ہیں جو منکر حق اور سخت دل کو نہیں ملتیں اور اس کے نور سے وہ شخص ہدایت پاتا ہے جو مومن ہو اور وہ نہیں پاتا جس کا دل و دماغ مسخ ہو چکے ہوں۔

بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ ایک انسان کسی آیت اور کسی سورت کو بار بار پڑھتا ہے۔ وہ غفلت اور جلدی میں گزر جاتا ہے۔ اس کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ اچانک اس کے قلب میں روشنی کی ایک چمک اٹھتی ہے۔ اس کے ذہن میں معانی کے جہان روشن ہو کر آ جاتے ہیں جن کے بارے میں کبھی اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ یوں اشراق کے ان اوقات میں اس کی زندگی میں ایک انقلاب آ جاتا ہے۔ وہ ایک منہاج سے دوسرا منہاج اور ایک راستے سے دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

غرض قرآن کے اندر جس نظام' جس قانون اور جن اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اس کا دارومدار ایمان پر ہے۔ لہٰذا جس شخص کے دل میں ایمان نہیں ہے اور وہ اس قرآن کریم کو منجانب اللہ وحی نہیں سمجھتا ہے اور یہ یقین نہیں رکھتا کہ اس کے اندر جو کچھ آیا ہے وہ ایک نظام ہے جسے اللہ تعالیٰ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جو شخص قرآن کے بارے میں ایسا ایمان و یقین نہیں رکھتا وہ قرآن کریم سے کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ نہ اس میں پھر اس کے لیے کوئی خوشخبری ہے اور نہ کوئی فائدہ۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے اندر ہدایت و معرفت اور تحریک اور راہنمائی کے عظیم المقدار خزانے پڑے ہوئے ہیں لیکن ان خزانوں کے دروازے کھولنے کی چابی ایمان ہے۔ یہ خزانے اس چابی کے بغیر کھل نہیں سکتے۔ جو لوگ صحیح طرح ایمان لے آتے ہیں۔ ان ہاتھوں پر' اس قرآن کے ذریعے ایسے عظیم کارنامے صادر ہوتے ہیں جس طرح پیغمبروں کے معجزات لیکن اگر قرآن کی حیثیت یہ ہو جائے کہ اسے گانے والے ترنم سے گائیں تو اس صورت میں قرآن صرف کانوں کے پردوں سے ٹکراتا ہے' دلوں تک نہیں اترتا۔ اور اس صورت میں قرآن پھر کوئی تبدیلی نہیں لاتا۔ اور اس سے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہو گا اور اس کی حیثیت اس خزانے کی سی ہوئی' جس کی چابی نہ ہو۔

اس سورت میں ان مومنین کی تعریف بھی کی گئی جن کے ہاتھ میں قرآن کے خزانوں تک پہنچنے کی چابی ہوتی ہے' یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

Marfat.com
Marfat.com

"جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں' اور پھر وہ ایسے لوگ ہیں جو آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں"۔

وہ نماز قائم کرتے ہیں اور نماز کی ادائیگی اس طرح کرتے ہیں جس طرح اس کا حق ہے یوں کہ جب وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں تو ان کے دل جاگ رہے ہوں۔ اور اس وقت ان کو یہ شعور ہو کہ وہ ذوالجلال والاکرام کے دربار میں کھڑے ہیں۔ اس وقت ان کی توجہ اس بلند افق پر ہو' ان کے دل مناجات الٰہی میں مشغول ہوں' اسے پکار رہے ہوں اور اس کے عظیم دربار میں حاضر ہوں۔

وہ زکوٰۃ دیتے ہیں' اس طرح ان کے نفوس کنجوسی کی رذالت سے نجات پا جائیں۔ یوں ان کی روح مال کے فتنوں سے سربلند ہو جائے اور وہ بعض ان نادار بھائیوں کے ساتھ مربوط ہو جائیں اور ان تک رزق پہنچا دیں اور اس طرح اپنی اجتماعی ذمہ داریاں ادا کر دیں۔

وہ آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ ہر وقت ان کو احساس ہو کہ آخرت میں اللہ کے سامنے جواب دینا ہے۔ ان کا دل امور آخرت میں مشغول ہو' ان کا دل خدا کے خوف سے بھرا ہوا ہو اور انسانی خواہشات ان کے دل پر اثر نہ کرتی ہوں۔ اللہ کی خشیت اور قیامت کے حساب و کتاب کا غم ان کو کھائے جا رہا ہو۔

یہ مومن' اللہ کو یاد کرنے والے' اس کے فرائض ادا کرنے والے' اس سے ڈرنے والے اصحاب خشیت' اللہ کے اجر اور ثواب کے امیدوار' یہ ہیں وہ لوگ جن کے دل قرآن کے لیے کھل جاتے ہیں' تو ایسے لوگوں کے لیے قرآن ہدایت و بشارت بن جاتا ہے۔ وہ ان کی روح کا نور بن جاتا ہے' یہ ان کے خون کو گرم کر دیتا ہے اور ان کی زندگی کو متحرک بنا دیتا ہے اور یہ قرآن پھر ان کا زاد راہ بن جاتا ہے جس کے ذریعے وہ منزل مقصود کو پہنچتے ہیں اور اپنے رب سے مربوط ہو جاتے ہیں۔

ذکر آخرت کے حوالے سے مزید تاکید کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ جو آخرت پر پختہ یقین نہیں رکھتے وہ اپنی گمراہی میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اچانک وہ اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ﴿٤﴾

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے لیے ہم نے ان کے کرتوتوں کو خوشنما بنا دیا ہے' اس لیے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں"۔

حقیقت یہ ہے کہ آخرت پر ایمان وہ قوت ہے جو اس دنیا میں انسانی خواہشات' اس کے جذبات کو دباتی ہے اور ان کو اعتدال اور توازن بخشتی ہے۔ جو شخص ایمان نہیں رکھتا وہ اپنی کسی خواہش اور کسی میلان کو دبانے کی طاقت اور اخلاقی قوت ہی نہیں رکھتا وہ تو یہ سمجھتا ہے کہ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست اور اس عالم میں زندگی بھی مختصر ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ اگر ہم نے اس دنیا میں کوئی عیش اور کوئی لذت ترک کر دی یا ہم حاصل نہ کر سکے تو اس زندگی میں ایک منٹ کی توسیع ہو جائے۔ جب سوچ یہ ہو جائے تو کسی کو عیش و عشرت اور لذات و رغبات کے ہاتھوں کون چھڑا سکتا ہے۔ الا یہ کہ وہ اللہ کے سامنے کھڑا ہونے کا ایمان اپنے اندر پیدا کر دے۔ قیامت کے دن کے ثواب اور اجر کا امیدوار ہو اور آخرت کی سزا سے خائف ہو جہاں تمام لوگ کھڑے ہوں گے۔

Marfat.com

Marfat.com

لہٰذا جن لوگوں کا آخرت پر ایمان نہیں ہوتا ان کے لیے ہر قسم کی شہوات اور لذات کو خوبصورت بنا دیا جاتا ہے۔ وہ بغیر خوف خدا' بغیر خوف آخرت اور پھر بلا شرم و حیا ان کے پیچھے کتوں کی طرح بھاگتے ہیں۔ نفس کی فطرت اور پیدائش اس پر ہے کہ یہ لذت کا دلدادہ ہے۔ یہ حسن پرست اور جمال پر مٹنے والا ہے۔ الا یہ کہ اسے آیات الٰہیہ اور رسولان کریم کی راہنمائی نصیب ہو جائے اور وہ اسے دائرہ ایمان کے اندر لے آئیں اور وہ سمجھ لے کہ یہ جہاں تو فانی ہے۔ جب کوئی نفس یہاں تک پہنچ جائے تو اس کے اعمال کا رنگ بدل جاتا ہے۔ اس کا عالم اشواق بدل جاتا ہے۔ اسے پھر اچھے کاموں میں اسی طرح لذت آتی ہے جس طرح مادی لذت ہوتی ہے بلکہ پیٹ اور جسم کی لذت پھر اسے نہایت ہی حقیر و قلیل نظر آنے لگتی ہے۔

یہ اللہ ہی ہے جس نے انسان کو ایسا پیدا کیا ہے۔ اسے اس قابل بنایا ہے کہ اگر اس کا دل ہدایت کے لیے کھل جائے تو وہ راہ ہدایت پا سکے۔ اور اگر اس کا دل بجھ جائے اور شمع ایمان گل کر دی جائے تو پھر وہ گمراہی کی راہ پر سرپٹ دوڑتا ہے۔ پھر اس انسانیت کی ہدایت و ضلالت کے لیے اس نے ایک سنت بھی جاری کر دی ہے۔ اور اس کے مطابق وہ ہدایت پاتا ہے یا راہ ضلالت اختیار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم یہ صراحت کر دیتا ہے اور خدا اسے اپنا فعل بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔

زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ (۲۷: ٤) "ہم نے ان کے کرتوتوں کو ان کے لیے خوشنما بنا دیا ہے' اس لیے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں"۔ چونکہ وہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے' اس لیے اس پر اللہ کی سنت کا نفاذ ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح ان کے اعمال اور ان کی لذات اور خواہشات ان کے لیے خوشنما بنا دی جاتی ہیں۔ یہاں تزئین اعمال یعنی اعمال کو مزین بنانے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ اس طرح بھٹکتے ہیں کہ جس شر میں یہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں اسے شر نہیں سمجھتے۔ اس لیے یہ شر کے چکر میں رات دن پڑے ہوئے ہوتے ہیں لیکن ان کو اس کا شعور ہرگز نہیں ہوتا۔

اور جس شخص کے لیے شر کو مزین کر دیا گیا ہو اس کا انجام سب کو معلوم ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ۝

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے بری سزا ہے اور آخرت میں یہی سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے ہیں"۔

چاہے یہ برا عذاب ان کو دنیا میں ملے یا آخرت میں۔ لیکن مکمل خسارہ آخرت کا خسارہ ہے۔ وہ انسان کے اعمال کے عین مطابق ہوتا ہے۔ جتنا کوئی برائی کی طرف مائل ہوتا ہے اسی قدر وہاں اس کی سزا سخت ہوتی ہے۔

اب اس سورت کی اس تمہید کا خاتمہ اس پر ہوتا ہے کہ اے نبی' تم جس مصدر سے قرآن پا رہے ہو یہ تو علیم و حکیم کا سرچشمہ ہے۔

وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝

Marfat.com
Marfat.com

"اور (اے نبیؐ) بلاشبہ تم یہ قرآن ایک حکیم و علیم ہستی کی طرف سے پا رہے ہو"۔ تلقی کے لفظ میں یہ اشارہ ہے آپ کو علیم و حکیم ذات کی طرف سے براہ راست ہدایات دی جا رہی ہیں اور یہ ذات ہر چیز کو حکیمانہ انداز میں بنانے والی ہے۔ اور ہر معاملے کی تدبیر علم سے کرنے والی ہے۔ اور اس ذات کے علم و حکمت کا ایک نمونہ یہ قرآن ہے۔ اپنے منہاج کے اعتبار سے' اپنے احکام و فرائض کے لحاظ سے' اپنی ہدایات اور طریقہ کار کے لحاظ سے' اپنی آیات و احکام کے نزول کے اعتبار سے' اپنے اجزاء کے تسلسل اور اپنے مضامین و موضوعات کے توازن اور ہم آہنگی کے اعتبار سے۔

اب قرآن کریم قصص کو لیتا ہے اور ان قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا علم' اللہ کی حکمت اور اللہ کی نہایت ہی خفیہ تدابیر اس کائنات میں اور اس قرآن میں کس قدر موثر ہیں۔

---()()()---

Marfat.com

Marfat.com

درس نمبر ۱۷۱ تشریح آیات

۷ --- تا --- ۱۴

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کا یہ حلقہ نہایت اختصار اور تیزی سے اسکرین پر آتا ہے اور گزر جاتا ہے اور سیاق کلام میں یہ آیت

وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ (۲۷ : ۶) ''اے نبیؐ' بلاشبہ آپ یہ قرآن ایک حکیم و علیم کی طرف سے پا رہے ہیں'' کے بعد متصلاً آتا ہے۔ اب گویا بتایا جاتا ہے کہ نزول قرآن کا یہ عمل کوئی انوکھی بات نہیں ہے' تمام انبیاء اللہ سے ہدایات اور کتب پاتے رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ کا حال بطور نمونہ پیش کریں کہ یہ فریضہ ان کو بھی سونپا گیا۔ وہ فرعون اور اس کے سرداروں اور قوم کے پاس گئے اور قوم نے تکذیب کی۔ جس طرح آج قریش تکذیب کر رہے ہیں۔ جس طرح قوم موسیٰ کو یقین تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو آیات و معجزات پیش کرتے ہیں وہ حق ہیں اور پھر بھی انکار کرتے تھے اور یہ انکار ظلم اور تکبر کی وجہ سے تھا' یہی روش آج قریش کی ہے لیکن

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (۲۷ : ۱۴) ''دیکھ لیں کہ مفسدین کا انجام کیسا ہوا''۔ یہی انجام قریش کا بھی ہو گا۔ جو محض غرور کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝

''انہیں اس وقت کا قصہ سناؤ جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ ''مجھے ایک آگ سی نظر آئی ہے' میں ابھی یا تو وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا کوئی انگارا چن لاتا ہوں تاکہ تم لوگ گرم ہو سکو''۔

سورۃ طٰہٰ میں بھی اس قصے کی یہ کڑی لائی گئی تھی۔ جب آپ مدین سے مصر کی طرف لوٹ رہے تھے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی' حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر بھی رفیق تھیں۔ ایک اندھیری سیاہ اور سرد رات میں آپ سے راستہ گم ہو گیا تھا۔ حضرت کے الفاظ ''میں تو ابھی یا تو وہاں سے کوئی خبر لے آتا ہوں یا کوئی انگارا چن لاتا ہوں تاکہ تم گرم ہو سکو''۔ اس وقت حضرت موسیٰ کوہ طور کے ایک طرف تھے۔ اور اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ بلند ٹیلوں پر رات کے وقت آگ جلائی جاتی تھی۔ تاکہ اگر کوئی مسافر بھٹک جائے تو اس کی راہنمائی ہو۔ ایسی صورت میں جب کوئی مسافر آتا تو

Marfat.com

اسے مہمان نوازی بھی ملتی اور وہ سردی میں اپنے آپ کو گرم بھی کرتا اور صحراء میں راستے کی راہنمائی بھی ہوتی۔

اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا (۷:۲۷) "مجھے ایک آگ سی نظر آئی ہے"۔ دور سے انہوں نے آگ کو دیکھا تو ان کو ایک گونہ اطمینان حاصل ہو گیا اور یہ امید پیدا ہو گئی کہ اس آگ کے پاس جاکر انہیں کچھ نہ کچھ راہنمائی مل جائے گی یا وہ کوئی انگارا لے آئیں گے جس سے وہ آگ جلاکر اس صحراء میں اپنے آپ کو گرم کر سکیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کی طرف آگے بڑھے جسے انہوں نے دیکھا تھا کہ وہ وہاں سے کوئی خبر لائیں۔ اچانک یہاں انہیں ایک نہایت ہی معزز اور شاہانہ آواز آتی ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۸ یٰمُوْسٰٓی اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۹

"وہاں جو پہنچا تو ندا آئی کہ "مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے۔ پاک ہے اللہ، سب جہاں والوں کا پروردگار، اے موسیٰ، یہ میں ہوں اللہ، زبردست اور دانا"۔

یہ وہ پکار ہے جس کے ساتھ پوری کائنات ہمقدم ہے اور جس کے ساتھ تمام جہان اور تمام آسمان ہم آہنگ ہیں۔ تمام کائنات اس کے سامنے سہمی ہوئی ہے اور انسانی روح اور ضمیر اسے سن کر کانپ اٹھتا ہے۔ یہ وہ آواز ہے جس کے ساتھ زمین و آسمان کا اتصال ہے۔ اور انسان جو ایک چھوٹا سا ذرہ ہے وہ عظیم اور بلند ذات کی آواز کو پاتا ہے۔ اور ایک فانی اور ضعیف انسان ایک لافانی اور قوی ذات باری کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے اور یہ مقام اسے محض فضل رب تعالیٰ سے ملتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ (۸:۲۷) "جب وہ وہاں پہنچا تو ندا آئی"۔ پکارا گیا، یہاں قرآن پکارنے والے کا نام نہیں لیتا، لیکن وہ معلوم ہے۔ یہ نام نہ لینا اور ماضی مجہول کا صیغہ احترام، تعظیم اور جلالت شان کبریائی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

نُوْدِیَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا (۸:۲۷) "پکارا گیا کہ مبارک ہے وہ جو آگ میں ہے اور وہ جو اس کے ماحول میں ہے"۔ آگ میں کون تھا۔ اور آگ کے ماحول میں کون تھا؟ راجح تفسیر یہی ہے کہ یہ آگ ویسی آگ نہ تھی جسے ہم جلاتے ہیں بلکہ یہ ایک ایسی آگ تھی جس کا مصدر عالم بالا تھا۔ یہ وہ آگ تھی جسے پاک فرشتوں نے عظیم ہدایت کے لیے روشن کیا تھا اور یہ آگ کی طرح نظر آ رہی تھی اور یہ پاک روحیں اس میں تھیں لہٰذا یہ ندا کہ جو اس آگ میں ہے وہ مبارک ہے۔ یہ اعلان تھا کہ اس آگ اور اس کے اردگرد جو پاک روحیں ہیں وہ بابرکت ہیں۔ اور اس آگ کے ماحول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تھے اور پوری کائنات نے اس اعزاز کو ریکارڈ کر دیا کہ یہ خطہ زمین اس پوری کائنات میں بابرکت جگہ ہے، ایک مقدس مقام ہے اور اس میں اس پر اللہ ذوالجلال کی تجلیات اور برکات کا نزول ہوا ہے اور پھر اس جگہ کے تقدس اور برکت کا اعلان بھی کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کو بھی ریکارڈ کر دیا گیا "کہ پاک ہے، اللہ سب جہان والوں کا پروردگار، اے موسیٰ! میں اللہ زبردست اور دانا"۔

Marfat.com
Marfat.com

وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۷:۸) يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(۲۷:۹) اس آیت میں اللہ نے اپنی ذات کی پاکیزگی اور پورے جہان کے لیے اس کی ربوبیت کا اعلان کر دیا۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ جو آواز آ رہی ہے وہ میں ہوں۔ جو عزیز و حکیم ہوں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی ذات کے ذریعے پوری انسانیت کو یہ بلندی بخشی گئی اور وہ کائنات کے آسمان پر ایک چمکتا ہوا تارا بن گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس آگ کے پاس سے بہت بڑی خبر مل گئی جو انہوں نے دور سے دیکھی تھی لیکن یہ عظیم خبر ایک عظیم ذمہ داری تھی۔ آپ کو گرمانے والا انگارا بھی مل گیا مگر وہ عوام کو راہ ہدایت کی طرف لانے کی آگ تھی۔

یہ آواز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چننے کے لیے تھی۔ اور ان کے ذمہ فریضہ رسالت عائد کرنے کے لیے تھی اور پیغام بھی ان لوگوں تک پہنچانا تھا جو اس کرۂ ارض کے عظیم ترین سرکش تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو اس کام کے لیے تیار فرماتا ہے اور تربیت دیتا ہے اور دلائل و معجزات کے ساتھ مسلح کرتا ہے۔

وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ

"تو ذرا اپنی لاٹھی اٹھا اور پھینک"۔ یہاں بات اختصار سے کی جاتی ہے اور سورہ طٰہٰ کی طرح طویل مناجات نہیں ہے۔ یہاں مقصد آواز دینا اور فریضہ عائد کرنا ہے"۔

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ

"جونہی کہ موسیٰ نے دیکھا لاٹھی 'سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا"۔

حضرت موسیٰ نے حکم کے مطابق عصا پھینکا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک سانپ ہے اور زمین پر رینگ رہا ہے۔ جیسا کہ چھوٹے اور سریع الحرکت سانپ تیزی سے دوڑتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انفعالی طبیعت کے مالک تھے۔ یہ اچانک منظر ان کے لیے غیر متوقع تھا۔ حضرت اس سانپ سے دور بھاگ گئے اور واپس نہ دیکھا۔ یہ ایک ایسی حرکت تھی جو غیر متوقع اور اچانک پیش آ جانے کی صورت میں ہر انسان سے صادر ہوتی ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج بھی ایسا تھا کہ وہ جلد متاثر ہوتے تھے۔

اب پھر عالم بالا سے آواز دی جاتی ہے۔ اطمینان عطا کرنے والی آواز۔ اعلان کیا جاتا ہے آپ کا منصب منصب رسالت ہے اور کسی رسول کے لیے ڈرنا مناسب نہیں ہے۔

يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ

"اے موسیٰ ڈرو نہیں۔ میرے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے"۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ آپ کے اسرقہ رسالت کا منصب اور فرائض ہیں اور رسول اللہ کے دربار میں ہوتے ہیں اور وہاں 'ان کے ڈرنے کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔

Marfat.com

Marfat.com

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾

"الا یہ کہ کسی نے قصور کیا ہو۔ پھر اگر برائی کے بعد اس نے بھلائی سے (اپنے فعل کو) بدل لیا تو میں معاف کرنے ولا مہربان ہوں"۔

ہمارے ہاں تو وہ لوگ ڈرتے ہیں جو ظالم ہیں الا یہ کہ ظلم کے بعد وہ نیک ہو جائیں تو بھی معاف ہو جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے ظلم ترک کر کے عدل اپنا لیا ہے۔ شرک کو چھوڑ کر توحید کا عقیدہ اپنا لیا ہوتا ہے۔ شر کو چھوڑ کر خیر کی راہ لے لی ہے۔ میری رحمت وسیع ہے اور میری مغفرت بہت بڑی ہے۔

اب حضرت موسیٰ کو اطمینان اور قرار نصیب ہو گیا۔ اب اللہ آپ کو دوسرا معجزہ عطا فرماتا ہے لیکن ابھی تک ان کو رسالت کی مہم نہیں بتائی گئی کہ جانا کہاں ہے۔

وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫

"اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں تو ڈالو، چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے"۔

یہ عمل بھی ایسا ہی ہوا حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ اپنے گریباں میں ڈالا اور جب نکالا تو وہ بغیر بیماری کے چمک رہا تھا۔ یہ کوئی مرض نہ تھی بلکہ معجزہ تھا اور اللہ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ اس قسم کی نو نشانیاں اور معجزات تمہیں دیئے جائیں گے جن میں سے دو کا مشاہدہ اور مظاہرہ تم نے دیکھ لیا۔ اب حضرت موسیٰ کے سامنے اس مہم کا انکشاف کیا جاتا ہے جو انہوں نے سر کرنی ہے اور جس کے لیے ان کو یوں تیار کیا گیا۔

فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾

"یہ (دو نشانیاں) نو نشانیوں میں سے ہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف (لے جانے کے لیے) وہ بڑے بدکردار لوگ ہیں"۔

یہاں باقی نشانیاں نہیں گنوائی گئیں جبکہ سورہ اعراف میں تفصیلات دی گئی ہیں جو یہ ہیں، خشک سالی، پیداوار کی کمی، طوفان، ٹڈی دل کا حملہ، جوئیں اور مینڈک اور خون۔ کیوں کہ سورہ اعراف میں موضوع سخن یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑی قوی نشانیاں دی گئی تھیں لیکن پھر بھی فرعون نے انکار کیا۔ بہرحال ان نشانیوں کی وضاحت کافی اور شافی ہونے کے باوجود قوم نے انکار کر دیا۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا
وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴﴾ ع ۱۴

Marfat.com
Marfat.com

"مگر جب ہماری کھلی کھلی نشانیاں ان لوگوں کے سامنے آئیں تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ انہوں نے سراسر ظلم اور غرور کی راہ سے ان نشانیوں کا انکار کیا حالاں کہ دل اس کے قائل ہو چکے تھے۔ اب دیکھ لو کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا"۔

یہ بے شمار نشانیاں' حق کو باطل سے واضح کرنے والی نشانیاں' ایسی نشانیاں کہ جس کو اللہ نے دو آنکھیں دی ہیں وہ انہیں دیکھ سکتا ہے۔ جن کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نشانیاں مبصر ہیں یعنی وہ دیکھنے والی ہیں۔ دیکھ دیکھ کر لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف لانے والی ہیں۔ لیکن وہ لوگ ایسے ہٹ دھرم تھے کہ ان کو بھی انہوں نے کہا کہ سحر مبین ہے' کھلا جادو ہے۔ یہ نہیں کہ وہ دل سے کہتے تھے یا وہ فی الواقعہ ایسا سمجھتے تھے یہ تو انہوں نے محض ظلم اور علو کی وجہ سے کہا۔ ان کے دل و دماغ تو اس پر مطمئن تھے کہ یہ حق ہے۔ بالکل ان کو کوئی شبہ نہ تھا۔

و استیقنتھآ انفسھم (۲۷: ۱٤) "حالانکہ ان کے دل ان کے قائل ہو چکے تھے"۔ محض ہٹ دھرمی اور مکابرہ کی وجہ سے کیونکہ یہ ایمان لانا نہیں چاہتے تھے اور نہ کوئی دلیل وہ طلب کرنا چاہتے تھے۔ یہ اپنے آپ کو سچائی سے برتر سمجھتے تھے اور اپنے نفوس پر ظلم کر رہے تھے کیونکہ قبول حق میں خود ان کی بھلائی تھی۔

بعینہ یہی حال اکابرین قریش کا بھی تھا۔ یہ قرآن کریم کو سنتے تھے' ان کو اچھی طرح یقین تھا کہ یہ حق ہے لیکن محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کرتے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا انکار کرتے تھے حالانکہ یہ دعوت صرف اللہ وحدہ کی طرف تھی۔ وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ ہر حال میں اپنے دین اور عقائد پر قائم رہنا چاہتے تھے کیونکہ اس دین میں ایسے اصول تھے جن کی وجہ سے ان کو مسند حاصل تھی۔ کچھ مفادات حاصل تھے' اور یہ مسندیں اور مفادات ان عقائد باطلہ پر مبنی تھے۔ دعوت اسلامی سے ان کے لیے خطرہ ہی یہ تھا۔ اس کی کامیابی سے ان کے یہ مفادات ختم ہو جائیں گے اور ان کا مقام و مرتبہ جاتا رہے گا۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے قدموں کے نیچے سے زمین نکلی جا رہی ہے اور ان کے عقائد اور شعور کے اندر ایک زلزلہ برپا ہے اور قرآن کو "حق مبین" تھا اور اس کی کارگر ضربات ہر وقت ان پر لگتی رہتی ہیں۔

سچائی کا انکار ہمیشہ اس لیے نہیں ہوتا کہ لوگ اسے جانتے نہیں ہیں' بلکہ سچائی کا انکار اس لیے ہوتا ہے کہ لوگ جانتے ہیں کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ ان کے نفوس اچھی طرح جانتے ہیں۔ پھر ان منکرین کو اپنی جان کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے حالات اپنے مفادات اور اپنی مصلحتوں کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ حق کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں حالانکہ سچائی واضح اور بین ہوتی ہے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (۲۷: ۱٤) "اب دیکھو کہ مفسدوں کا انجام کیسا ہوا"۔ فرعون اور اس کی قوم کا انجام کیا ہوا۔ قرآن نے دوسری جگہ اس کی پوری تفصیلات دی ہیں۔ یہاں صرف اشارہ کر دیا۔ شاید کہ انکار کرنے والوں میں سے کچھ عقلمند مان جائیں۔ قبل اس کے کہ ان کا وہ انجام ہو جو فرعون کا ہوا۔

---()()()---

Marfat.com

درس نمبر ۱۷۲ ایک نظر میں

"یہاں حضرت داؤد کی طرف صرف ایک اشارہ ہے لیکن پورا قصہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہے۔ اور اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کی ایک مختصر کڑی دی گئی ہے۔ یہ سب حضرات انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے اور اس سورت کے آغاز ہی میں قرآن کریم پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ کہا گیا تھا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ

(۲۷: ۷۶) "یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے ان بیشتر باتوں کی تفصیلات بیان کرتا ہے جن میں وہ مختلف الرائے ہیں"۔ اس سورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے کی سب سورتوں کے مقابلے میں زیادہ تفصیلات دی گئی ہیں، یعنی جہاں جہاں حضرت سلیمان کا تذکرہ ہوا ہے۔ اگرچہ یہاں ان کے حالات زندگی میں سے قصہ ہدہد اور ملکہ سبا کی تفصیلات ہیں۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام یہ اعلان فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کو خصوصی طور پر پرندوں کی باتیں سکھائی ہیں اور ہر چیز عطا کی ہے اور اللہ نے ان پر جو فضل و کرم کیا ہے وہ اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایک منظر آتا ہے جس میں حضرت سلیمان اپنے لاؤ لشکر سمیت چلتے نظر آتے ہیں۔ اس عظیم لشکر میں جن، انس اور پرندے سب شامل ہیں۔ جب یہ لشکر چلتا ہے تو ایک چھوٹی سی چیونٹی اپنی قوم کو خبردار کرتی ہے کہ ایک عظیم لشکر جرار اس علاقے کا رخ کر رہا ہے۔ لہٰذا اپنے آپ کو بچاؤ۔ حضرت سلیمان یہ الفاظ سنتے ہیں اور اس پر بھی رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس بات کو پاتے ہیں کہ نعمت تو ابتلا ہے۔ اس لیے وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ تو اس ابتلا میں مجھے شکر اور کامیابی کی توفیق عطا فرما۔

یہ قصہ اس سورت میں کیوں لایا گیا ہے۔ سورت کے آغاز ہی میں بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے اور پھر اسی سورت میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ قرآن کریم بنی اسرائیل کے سامنے ان بیشتر موضوعات پر کلام کرتا ہے جن کے بارے میں ان کے اندر اختلاف رائے ہے جیسا کہ اس سے قبل ہم کہہ آئے ہیں اور حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے قصص تاریخ بنی اسرائیل کی اہم کڑیاں ہیں۔

یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے کی جو کڑی پیش کی گئی ہے اس کی اس سورت کے مضمون سے مناسبت کیا ہے۔ یہ کڑی کئی پہلوؤں کے اعتبار سے مناسبت رکھتی ہے۔

اس سورت کا مرکزی مضمون علم ہے جیسا کہ ہم نے اس سورت پر تبصرے میں کہا ہے۔ اور حضرت داؤد و سلیمان کے قصے میں سب سے پہلا اشارہ ہی اس طرف ہے۔

Marfat.com

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا (۲۷:۱۵) ”ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا“۔ اور پھر سلیمان علیہ السلام نے اس کڑی میں منطق الطیر کے علم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ کی نعمت کا اعتراف کیا ہے۔

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (۲۷:۱۶) ”لوگو، ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں“۔ اور اس قصے کے درمیان ہدہد اپنی غیر حاضری کا عذر بیان کرتے ہوئے ہوئے یہ کہتا ہے۔

اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ (۲۷:۲۲) ”میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو تیرے علم میں نہیں ہیں۔ میں سبا کے متعلق یقینی اطلاع لے کر آیا ہوں“۔ اور پھر اس قصے میں ہے کہ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا، اس نے کہا کہ میں ملکہ سبا کا تخت پلک جھپکتے لاتا ہوں۔

سورت کے افتتاح میں تھا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ایک کتاب مبین ہے۔ اور اس کو مشرکین مکہ کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ لیکن وہ اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ پھر اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک خط کا ذکر ہے جو ملکہ سبا کے نام لکھا گیا۔ لیکن وہ جب معلوم کر لیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سچائی کی دعوت دیتے ہیں تو وہ اور اس کی قوم اسے جلد ہی قبول کر کے مطیع فرمان ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ وہ دیکھتے ہیں کہ جن و انس اور پرندوں کی قوتیں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دی گئی ہیں اور یہ اللہ ہی ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ قوتیں عطا کی ہیں۔ وہی ہے اقتدار اعلیٰ کا مالک۔

پھر اس سورت میں انسانوں پر اللہ کے انعامات کا بھی ذکر ہے۔ اس کائنات میں اس کے جو نشانات ہیں ان کا بھی ذکر ہے۔ لیکن لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ پھر بھی اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ اور شکر نعمت بجا نہیں لاتے۔ اس قصے میں بھی ایک بندۂ شکر گزار کا ذکر ہے، جو اللہ کے سامنے دست بدعا ہوتے ہیں کہ اے اللہ مجھے یہ توفیق دے کہ میں تیری انعامات کا شکر بجا لاؤں۔ جو اللہ کی آیات پر غور کرتے ہیں اور ان سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتے اور نہ وہ اللہ کے انعامات کی وجہ سے سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ نہ قوت کی وجہ سے وہ گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس قصے کی مضمون سورت کے ساتھ کئی ربط اور مناسبتیں ہیں اور سورت کے موضوع اور قصے کے اندر جابجا واضح اشارات موجود ہیں۔

حضرت سلیمان اور ملکہ سبا کی کہانی کو جس طرح قرآن مجید نے بیان کیا ہے وہ اس بات کا نمونہ ہے کہ قرآن مجید قصص کو کس طرح لاتا ہے اور اس کا قصص کا فنی انداز بیان کیسا ہوتا ہے۔ اس قصے میں تگ و دو، جذبات و تاثرات، مختلف مناظر اور مشاہد پائے جاتے ہیں۔ پھر مختلف مناظر کے درمیان گیپ جن میں غیر ضروری حصوں کو کاٹ دیا گیا ہے۔ اور اس کے دوسرے فنی کمالات ہیں۔

اب ذرا آیات کی تفصیلات

Marfat.com

درس نمبر ۱۷۲ تشریح آیات

۱۵--- تا--- ۴۴

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾

"(دوسری طرف) ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطا کیا اور انہوں نے کہا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی"۔

یہ اشارہ ہے کہ اب قصے کا آغاز ہونے والا ہے اور یہ افتتاحی کلمات ہیں۔ اعلان کیا جاتا ہے کہ اس قصے کے ہیرو کرداروں کو ہم نے بڑے بڑے انعامات سے نوازا تھا اور سب سے بڑا اعزاز تو علم ہوتا ہے جو حضرت داؤد اور سلیمان علیہم السلام کو دیا گیا۔ حضرت داؤد کو جو علوم دیئے گئے تھے قرآن کریم کی دوسری سورتوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ یہ کہ زبور کی آیات کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا فن ان کو دیا گیا تھا' وہ اس فن میں اس قدر ماہر تھے کہ جب وہ زبور کی آیات پڑھتے تھے تو یہ پوری کائنات ان کے ساتھ گنگناتی تھی۔ پہاڑ کی گونج اور پرندوں کی چہچہاہٹ ان کے ساتھ زبور کو گاتے۔ کیونکہ آپ کی آواز بے حد میٹھی تھی۔ وہ سوز دل سے پڑھتے تھے اور اپنے رب کے ساتھ مناجات میں وہ غرق ہو جاتے تھے۔ پھر ان کو اللہ نے جنگی سازوسامان کی بنیادی ٹیکنالوجی دی تھی۔ وہ اچھی زرہیں بناتے تھے' دھاتوں کو پگھلانے میں مہارت رکھتے تھے اور ان سے ہر قسم کی چیزیں بناتے تھے۔ اور وہ ایک بہترین جج تھے اور اس کام میں حضرت سلیمان ان کے مشیر خاص تھے۔

رہے سلیمان علیہ السلام تو اس سورت میں وہ پوری تفصیلات دی گئی ہیں جو اللہ نے ان کو سکھائیں یعنی پرندوں کی بولیاں' اور جس طرح دوسری سورتوں میں ذکر ہے کہ وہ ایک بہترین جج تھے اور ان کے لیے ہواؤں کو بھی مسخر کر دیا گیا تھا۔ اور اس قصے کا آغاز بھی اسی اشارے سے ہوتا ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا (۲۷: ۱۵) "یہ واقعہ ہے کہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا تھا"۔ یعنی آیت ختم ہونے سے پہلے حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہم السلام کی جانب سے یہ بات آجاتی ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں اور علم کی نعمت کی ان کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے۔ وہ خدا کا شکر ادا کرتے

Marfat.com

ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ نے اس معاملے میں ان کو اپنے مومن بندوں کی ایک بڑی تعداد کے مقابلے میں ترجیح دی ہے۔ یوں وہ علم کی قدر و قیمت اور پھر اس عظیم احسان کا اعتراف کرتے ہیں۔

یہاں اس علم کی نوعیت اور تفصیلات نہیں دی گئیں کیونکہ اللہ کے ہاں مطلق علم ایک فضل الٰہی ہے۔ عام علم کو اللہ کی نعمت جانا مقصود ہے۔ ہر قسم کا اور ہر نوع علم مطلوب مومن ہے۔ پھر ہر عالم کا یہ فرض ہے کہ وہ اللہ کے اس فضل کا شکر ادا کرے۔ اور اللہ کا شکر اور اس کی حمد بیان کرتا رہے اور یہ دعا کرتا رہے کہ اے اللہ یہ علم میرے لیے نافع ہو۔ یہ نہ ہو کہ علم انسان کو اللہ سے دور کر دے' اللہ کو بھلانے کا سبب بنے حالانکہ علم دینے والا اللہ ہے۔

وہ علم جو قلب انسانی کو اللہ سے دور کرے' وہ فاسد علم ہے۔ وہ اپنے مقصد اور اپنے ہدف سے دور اور ایک طرف ہو گیا ہوتا ہے۔ ایسا علم صاحب علم کے لیے فلاح و نجات اور سعادت مندی کا باعث نہیں ہوتا۔ اور نہ ایسا علم انسانوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ ایسا علم انسانوں کے لیے مصیبت' بدبختی' خوف' قلق' بے چینی اور بالآخر ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ یہ علم اپنے مصدر و منبع سے کٹ گیا ہے' اس کی سمت غلط ہے اور اس نے اللہ تک پہنچنے کی راہ گم کر دی ہے۔

اس وقت انسانیت علم کے ایک اعلیٰ مرتبے تک پہنچ چکی ہے۔ خصوصاً ایٹم کے توڑنے کے بعد۔ اور پھر اسے مختلف مفید کاموں میں استعمال کرنے کے بعد۔ لیکن جن لوگوں کے ہاتھ یہ ایٹمی علم آیا اور جن کے دلوں میں خدا کا خوف نہ تھا۔ ان کے ہاتھوں انسانیت نے کس قدر کڑوا پھل چنا اور کھایا۔ یہ اس لیے کہ ان لوگوں کے دل میں خدا کا خوف' خدا کی تعریف' اور خدا کی طرف توجہ نہ تھی۔ چنانچہ اس علم نے اور ایسے علماء نے ہیروشیما کا کارنامہ سرانجام دیا۔ ناگاساکی کی تباہی مچائی اور ان واقعات کے بعد اب شرق و غرب کے تمام انسان رات دن اس کرۂ ارض اور تمام انسانیت کی تباہی کا انتظار کر رہے ہیں۔

اس تمہید کے بعد کہ حضرت داؤد اور سلیمان دونوں کو ہم نے علم سے نوازا اور انہوں نے اللہ کی حمد اور تعریف کی کہ اللہ نے ان پر احسان کیا اور علم کی قدر و قیمت کو محسوس کیا۔ اب صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝

"اور داؤد کا وارث سلیمان ہوا اور اس نے کہا "لوگو' ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں' بے شک یہ (اللہ کا) نمایاں فضل ہے"۔

حضرت داؤد کو نبوت اور علم کے ساتھ ساتھ حکومت بھی دی گئی تھی لیکن ان دونوں پر اللہ کے فضل و کرم کے بیان میں ان کے اقتدار کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف علم و حکمت کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ علم و حکمت کے مقابلے میں اقتدار ایک حقیر چیز ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (۲۷:۱۶) "اور سلیمان نے داؤد کی وراثت پائی"۔ یہاں وراثت سے مراد بھی

Marfat.com

علم کی وراثت ہے کیونکہ علم و حکمت ہی اس قابل ہے کہ اس میں کوئی پیغمبر دوسرے کا وارث بنے اور اس بات کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت سلیمان لوگوں میں یہ اعلان کرتے ہیں۔

وَ قَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (۲۷:۱۶) ''اے لوگو' ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں''۔ تو علم کا ذکر کر دیا گیا اور باقی نعمتوں کا ذکر اس کے ضمن میں کر دیا گیا۔ گویا داؤد نے یہ چیزیں نہیں دی ہیں بلکہ دینے والا اللہ ہے جہاں سے علم آیا۔

وَ قَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (۲۷:۱۶) ''لوگو ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں''۔ ان باتوں کا حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں میں اعلان کرتے ہیں۔ یہ اعلان وہ بطور تحدیث نعمت کرتے ہیں اور اللہ کے ہاں اپنے مقام فضیلت کے لیے کرتے ہیں' بطور فخر و مباہات نہیں کرتے۔ نہ یہ کہ آپ لوگوں پر رعب جماتے تھے اور ایسی باتوں کا ذکر کرتے تھے جو ان میں نہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ذکر ہوا۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ (۲۷:۱۶) ''بے شک یہ اللہ کا نمایاں فضل ہے''۔ یعنی اللہ کا فضل ہے اپنے بندے پر۔ کیونکہ پرندوں کی بولیوں کی تعلیم پر صرف اللہ ہی قادر ہے۔ اور اس طرح حضرت داؤد و سلیمان کو علی العموم تمام انعامات دیئے گئے تھے۔ یہ بھی اللہ ہی دے سکتا ہے۔

پرندوں' حیوانوں اور حشرات الارض کو اللہ نے ایک دوسرے کو سمجھانے کے لیے وسائل دیئے تھے اور یہ ان کی زبان اور منطق ہے۔ اللہ ان تمام جہانوں کے خالق ہیں۔ فرماتے ہیں۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (الانعام: ۳۸) ''زمین پر چلنے والے جتنے جانور ہیں اور اڑنے والے پرندے جو اپنے دو پروں کے ساتھ اڑتے ہیں وہ تمہاری طرح امتیں ہیں''۔ یہ چیزیں امت تب ہی بن سکتی ہیں جب ان کے درمیان اجتماعی روابط ہوں۔ جن کے مطابق وہ رہتے ہوں اور ایسے وسائل اور ذرائع ہوں' جن کے ذریعے وہ ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں۔ بے شمار حشرات حیوانات اور پرندوں کے اندر یہ چیز نظر آتی ہے۔ حشرات الارض کی اقسام کے ماہرین نے اپنے اندازوں اور مشاہدوں کے ذریعے ان انواع کے ذرائع تفاہم کی بعض علامات دریافت بھی کی ہیں جو اگرچہ ظنی ہیں۔ رہا وہ علم جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیا گیا تھا وہ ان کے ساتھ خاص تھا۔ اور وہ معجزانہ انداز میں ان کو دیا گیا تھا وہ عام انسانوں کا عام مشاہدہ نہ تھا۔ نہ وہ ایسا علم تھا جس طرح ہمارے دور میں مشاہدہ اور تتبع سے بعض لوگوں نے بعض انواع کے بارے میں معلوم کی ہیں۔ یہ انسانی علوم ظن و تخمین ہیں۔ ان کی نوعیت اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم کی نوعیت مختلف ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ بطور تاکید مزید اس بات کی وضاحت کر دوں کیونکہ بعض جدید مفسرین کو سائنس کی علمی کامیابیوں نے اس قدر متاثر کر دیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تفسیر جدید علمی انکشافات کی روشنی میں کرتے ہیں۔ ان مفسرین نے حضرت

Marfat.com
Marfat.com

سلیمان علیہ السلام کے علم منطق الطیر کی ایسی ہی تشریح کی ہے کہ یہ ایسا ہی علم تھا جیسا کہ دور جدید کے بعض ماہرین نے حشرات الارض اور حیوانات کی بعض انواع و اجناس کے بارے میں معلوم کیا ہے۔ ایسی کوششیں دراصل قرآنی معجزات کو اپنی حقیقی ماہیت سے نکال دیتی ہیں۔ یہ دراصل ایک شکست خوردہ انداز فکر ہے اور جدید سائنس کے سامنے غیر ضروری طور پر بچھ جانا ہے۔ حالانکہ سائنس کی اکتشافات بہت ہی حقیر و قلیل ہیں جبکہ اللہ کے لیے یہ بات کوئی مشکل امر نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کو حیوانات، حشرات اور طیور و وحوش کے وہ تمام طریقہ اظہار اور مکالمہ سمجھا دے اور معجزانہ انداز میں سمجھا دے۔ بغیر سائنسی ریسرچ اور جہد کے اللہ کے لیے یہ اس طرح آسان ہے کہ اس نے انسانوں اور حیوانوں کے درمیان جو پردہ حائل کر دیا ہے بس صرف اسے ہٹانا ہے وہ تو تمام انواع کا خالق ہے۔

پھر یہ بات اس عظیم معجزے کا ایک پہلو تھا جو سلیمان علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ اس کا دوسرا مصدر یہ تھا کہ حضرت کے لیے جنوں اور پرندوں کی ایک بڑی تعداد کو مسخر کر دیا گیا تھا تاکہ وہ آپ کی حکومت کے ماتحت ہوں اور آپ کے لیے پوری طرح مطیع فرمان ہوں، جس طرح انسانوں کی جو افواج آپ نے بھرتی کر رکھی تھیں اور پرندوں میں سے جو گروہ آپ کے زیر نگیں کر دیا گیا تھا اسے اللہ نے ایک خاص قوت مدرکہ دی تھی۔ اور وہ قوت ان جیسے عام پرندوں میں نہ تھی۔

یہ بات ہدہد کے قصے سے معلوم ہوتی ہے جس نے ملکہ سبا کی مملکت کے حالات معلوم کیے اور اس نے ان کے حالات کو اس طرح سمجھا جس طرح کہ اعلیٰ درجے کا عقلمند اور متقی شخص سمجھ سکتا ہے۔ اور یہ بھی اس معجزے کا ایک حصہ تھا جو حضرت سلیمان کو دیا گیا تھا۔

اللہ کی یہ سنت ہے کہ اللہ کی مخلوق میں جو حیوانات پائے جاتے ہیں ان کے درمیان عقلمندی کی سطح اونچی اور نیچی تو ہو سکتی ہے لیکن کسی حیوان کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا ہے کہ اس کی قوت مدرکہ انسان سے بڑھ جائے یا اس کے برابر ہو جائے۔ یہ حیوانات اور طیور کی خاصیت میں سنت الٰہیہ نہیں ہے۔ اور نہ یہ سنت اس پوری کائنات کے نظام کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور سنت الٰہیہ کے تابع ہے۔ یہ سنت اول روز سے ایسی ہی چل رہی ہے۔

آج ہمارے ہاں جو ہدہد پایا جاتا ہے، ہزارہا ملین سال پہلے بھی ہدہد اسی نہج پر پیدا ہو رہا تھا۔ جب سے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے۔ کیونکہ اللہ نے ہر حیوان کے اندر ایسے جینز پیدا کیے ہیں کہ آج کا ہدہد ہزارہا ملین سال پہلے پیدا کیے جانے والے ہدہد کی پوری کاپی ہے۔ اس کے اندر جو اور جس قدر تبدیلی بھی ہو وہ اپنی نوعیت کے دائرے سے نہیں نکل سکتا۔ یہ بھی سنت الٰہیہ کا ایک پہلو ہے اور اس کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔

لیکن ان دونوں حقائق کے باوجود یہ نوامیس فطرت اور یہ سنت الٰہیہ اس بات سے مانع نہیں ہیں کہ اللہ اپنی قدرت کے اصولوں کے اندر استثنائی صورت پیدا کر دے۔ بعض اوقات یہ استثنائی حالت بھی دراصل ناموس عام اور سنت جاریہ ہی کا ایک حصہ ہوتی ہے لیکن ہم اس مخصوص پہلو سے خبردار نہیں ہوتے۔ اس جزئی ناموس اور استثنائی حالت کا علم دراصل صرف اللہ کو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بظاہر چلتے ہوئے اصول کو روک دیتا ہے۔ اس طرح سنت الٰہیہ میں بظاہر جو تبدیلی ہوتی ہے وہ بھی ایک برتر سنت ہوتی ہے۔ یہی تھی کہانی ہدہد اور سلیمان کی اور اللہ نے ان قوتوں کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا۔

اب ہم اس نکتے سے سلیمان علیہ السلام کے قصے کی طرف آتے ہیں کہ حضرت داؤد کی وراثت پاکر انہوں نے اللہ کی

Marfat.com

طرف سے کیا کیا انعامات پائے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

"سلیمان کے لیے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے"۔

یہ تھا حضرت سلیمان کا لشکر۔ بہت بڑی تعداد میں ہر طرف سے اٹھایا ہوا۔ جن' انس اور پرندوں پر مشتمل۔ انسان تو معلوم ہیں' جن وہ مخلوق ہے جس کے بارے میں خود قرآن نے معلومات دی ہیں اور ان کی حقیقت کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ وہ آگ کے شعلے سے پیدا شدہ ہیں۔ یعنی ایسے شعلے جو موجوں کی شکل میں اٹھتے ہیں۔ بشر ان کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ بشر کو دیکھ سکتے ہیں۔

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ "وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے مگر تم اسے نہیں دیکھتے"۔ یہ آیت اگرچہ ابلیس کے بارے میں ہے لیکن وہ جنوں میں سے تھا۔ پھر ان جنوں کے اندر یہ قوت ہے کہ یہ انسانوں کے دلوں میں برائی کے وسوسے ڈالتے ہیں اور پھر یہ انسانوں کو اللہ کی معصیت پر آمادہ کرتے ہیں۔ لیکن اس کی تفصیلی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اور جنوں کا ایک طائفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی لایا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہیں دیکھا۔ نہ آپ نے ان کے ایمان کو سنا' یا دیکھا۔ البتہ اللہ نے اس بات کی اطلاع حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا (۱) يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا (۲) (۷۲: ۱ - ۲) "اے پیغمبر کہہ دے' میری طرف یہ وحی کی گئی ہے۔ ایک گروہ جس نے کان لگا کر سنا اور پھر کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے' جو راہنمائی کرتا ہے عقلمندی کی راہ کی طرف تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے والے نہیں ہیں"۔ ہمیں اس کا علم ہے کہ جنوں کا ایک گروہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر نگیں تھا۔ جو آپ کے لیے محرابی عمارات' تصویریں اور بڑے بڑے حوضوں جیسے کھانے کے لگن بناتا تھا اور یہ جن آپ کے لیے سمندر میں غوطے بھی لگاتے تھے۔ اور آپ کے دوسرے احکام بجالاتے تھے۔ اور یہ سب آپ کے لشکر میں انسانوں اور پرندوں کے ساتھ موجود تھے۔

اور یہ جو ہم کہتے ہیں کہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنوں اور انسانوں کا ایک گروہ مسخر کر دیا تھا تو اس لیے کہ تمام روئے زمین کے جن و انس حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل نہ تھے کیونکہ حضرت سلیمان کی حکومت کی حدود فلسطین' شام' عراق تک محدود تھیں۔ اسی طرح تمام جن اور تمام پرندے بھی آپ کے لیے مسخر نہ تھے۔ ان میں سے ایک گروہ آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

جن سب کے سب مسخر نہ تھے۔اس لیے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا' اس کی ذریت بھی جن تھی جس طرح قرآن مجید میں ہے۔

كَانَ مِنَ الْجِنِّ اور سورت الناس میں ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور حضرت سلیمان کے زمانے میں بھی شیطان جنات لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے تھے' لوگوں کو گمراہ کرتے تھے اور تمام شر کے کاموں پر آمادہ کرتے تھے۔ لہٰذا تمام جن حضرت سلیمان کے لیے مسخر نہ تھے ورنہ ان کی تسخیر میں ہوتے ہوئے وہ کسی طرح فسادی کام کرتے۔کیونکہ حضرت سلیمان ایک نبی تھے اور لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتے تھے لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ جنات کا ایک گروہ ان کے تابع تھا۔

پرندوں کے سلسلے میں بھی یہی استدلال ہے کہ جب پرندہ حاضر نہ پایا گیا' تو معلوم ہوا کہ تمام پرندے مسخر نہ تھے ورنہ ہزارہا پرندوں میں سے ایک کا ہونا نہ ہونا محسوس نہ ہوتا۔جب ہدہد نہ پایا گیا تو آپ نے فرمایا

مَالِيَ لَآ اَرَي الْهُدْهُدَ (۲۷: ۲۰) ''یہ ہدہد کہاں گیا میں اسے نہیں دیکھ رہا ہوں''۔معلوم ہوا کہ یہ ایک مخصوص ہدہد تھا۔ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ہی ہدہد ہو۔یا یہ کہ جو ہدہد ڈیوٹی پر تھا وہ موجود نہ تھا۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس ہدہد یا مسخر ہدہدوں کو اللہ نے ادراک کی ذرا زیادہ قوت دے رکھی تھی جو اور ہدہدوں میں نہ تھی۔ اور یہ قوت مدرکہ صرف ان کے پرندوں کے لیے تھی جو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کئے گئے تھے۔کیونکہ ان آیات سے ہدہد کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ذہین اور نیک پرندہ تھا۔

غرض حضرت سلیمان کے لیے جن وانس اور وحوش وطیور کی ایک عظیم فوج اٹھائی گئی تھی۔یہ ایک عظیم فوج تھی اور یہ سب کے سب بے حد منظم تھے۔یہ غیر منظم بھیڑ کی شکل میں نہ تھی۔اس لیے ان کو افواج کہا گیا ہے اور جنود کے لفظ سے دونوں مفہوم ظاہر ہوتے ہیں یعنی کثرت تعداد اور تنظیم۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

''(ایک مرتبہ وہ ان کے ساتھ کوچ کر رہا تھا) یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا ''اے چیونٹیو' اپنے بلوں میں گھس جاؤ' کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی

Marfat.com

نہ ہو"۔ سلیمان اس کی بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑا اور بولا "اے میرے رب' مجھے قابو میں رکھیں کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور ایسا عمل صالح کروں جو تجھے پسند آئے اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل کر"۔

یہ لشکر جب نکلا' جس میں انسان' جن اور طیور شامل تھے۔ نہایت تنظیم اور ترتیب کے ساتھ۔ اس کا اول اس کے آخری حصہ سے مربوط تھا۔ اس کی صفیں منظم تھیں۔ اور اس کی حرکت بھی منظم تھی۔ یہ لشکر ایک ایسی وادی میں پہنچا جہاں چیونٹیاں بڑی تعداد میں تھیں۔ اس کثرت سے کہ اس وادی کا نام ہی وادی نمل تھا۔ تو ایک ایسی چیونٹی نے جو ان کی سربراہ تھی' چیونٹیوں سے کہا

ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ (۲۷: ۱۸) "اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ"۔ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ چیونٹیاں بھی شہد کی مکھیوں کی طرح بہت منظم ہوتی ہیں۔ ان کے اندر ڈیوٹیاں تقسیم ہوتی ہیں اور یہ ایک عجیب نظام کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہیں۔ ایسے نظام کے ساتھ کہ خود انسانوں کے لیے اس قدر منظم زندگی بسر کرنا مشکل ہے۔ ان کو بڑی ترقی یافتہ عقل اور بلند قوت مدرکہ دی گئی ہے تو اس چیونٹی نے اپنی زبان میں کہا

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (۲۷: ۱۸) "کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو"۔ حضرت سلیمان نے چیونٹی کی بات کو سمجھ لیا۔ ان کا دل بہت خوش ہوا کہ چیونٹی کیا احکام دے رہی ہے۔ انہوں نے اس پر تعجب کیا کہ ایک چیونٹی حضرت سلیمان کی شان کو جانتی ہے۔ خطرہ محسوس کرتی ہے' جبکہ ان کے دل میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ ان کو اذیت دیں جس طرح ایک چھوٹا بڑے کی اذیت سے ڈرتا ہے۔ حضرت سلیمان کو خوشی اس پر ہوئی کہ اس قدر چھوٹی مخلوق بھی ان کے بارے میں ادراک رکھتی ہے۔ اور پھر تعجب بھی ہوا کہ ایک چیونٹی کی اطاعت اس کے ماتحت سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں۔ ان کو اللہ کی مخلوقات اور عجائبات پر بڑا تعجب ہوا۔

جب حضرت سلیمان کو یہ سب باتیں معلوم ہوئیں تو

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا (۲۷: ۱۹) "سلیمان اس کی بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑا"۔ لیکن اس مشاہدے نے ان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ان کے دل کو رب تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دیا۔ جس نے انہیں یہ خارق عادت علم سے نوازا۔ یوں انسانوں اور دوسری مخلوقات کے درمیان راز کے جو پردے حائل تھے وہ ہٹا دیئے گئے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نہایت عاجزی کے ساتھ رب کی طرف متوجہ ہوئے۔

وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ (۲۷: ۱۹) اور کہا اے میرے رب' مجھے قابو میں رکھ کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے"۔

Marfat.com

رب لے رب یہ براہ راست ایک خدا رسیدہ شخص کی دعا ہے۔ اَوْزِعْنِيْ یعنی مجھے جمع رکھ میرے شعور اور میرے اعضا جمع رکھ' میرے دل اور میری زبان کو قابو میں رکھ۔ میرے خیالات اور خلجانات کو منضبط کر دے اور میرے کلمات اور میری عبادات کو مجتمع کر دے۔ میرے اعمال اور میری سرگرمیوں کو منضبط کر دے۔ میری تمام طاقتوں کو مجتمع اور منضبط کر دے۔ میرے وجود کو اول سے آخر تک ایک کر دے۔ یہ سب مفہومات "اوزعنی" میں شامل ہیں۔ تاکہ میں پورے کا پورا مجسمہ شکر بن جاؤں۔ ان انعامات کے عوض جو مجھ پر اور میرے والدین پر کیے گئے۔

اس انداز تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قلب پر ان انعامات کا اثر تھا۔ ان پر جو اثر تھا اس کی نوعیت بھی اس سے ظاہر ہوتی ہے اور ان کا وجود اور ان کا وجدان اللہ کے فضل وکرم کی اس بارش سے سرشار تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان پر اور ان کے والدین پر اللہ کا دست شفقت ہر وقت نعمت' رحمت اور فضل وکرم کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔

"لے میرے رب' مجھے قابو میں رکھ کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا"۔

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ (۲۷: ۱۹) "اور میں ایسا عمل کرتا رہوں جو تجھے پسند آئے"۔ عمل صالح بھی دراصل اللہ کا فضل وکرم ہوتا ہے اور یہ اس شخص پر ہوتا ہے۔ جو اللہ کا شکرگزار ہو اور سلیمان علیہ السلام ایسے شکرگزار ہیں کہ اس معاملے میں وہ اللہ کی استعانت طلب کرتے ہیں کہ شکر بھی اللہ کی امداد کے بغیر ممکن نہیں ہے اور توفیق عمل بھی اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ سلیمان علیہ السلام کو اس نکتے کا اچھا شعور تھا۔

وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ (۲۷: ۱۹) "اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل کر"۔ حضرت جانتے ہیں کہ اللہ کے بندوں میں داخل ہو جانا اور ان کے ساتھ ہو لینا بھی اللہ کی رحمت ہے۔ اس سے بھی انسان کی مدد ہوتی ہے۔ اور انسان کو اچھے کام کی توفیق ہو جاتی ہے۔ پھر وہ صالحین کے ساتھ چلتا ہے' اللہ سے دعا کرتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں میں ہو جن پر تیرا رحم ہوتا ہے' جو تیری راہ کے سالک ہیں اور اس گروہ میں ہیں۔ حضرت سلیمان اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہیں حالانکہ وہ نبی ہیں انس' جن اور طیور ان کے لیے مسخر ہیں لیکن وہ پھر بھی اپنے آپ کو اللہ کی رحمت کا محتاج تصور کرتے ہیں' وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں ان سے عمل صالح کی شکر نعمت میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ غرض تیز احساس' ایسا ہی شعور' اللہ کا خوف و خشیت' اللہ کی رضا اور رحمت کی طلبگاری کے پختہ شعور کے لمحات ہی ہوتے جن میں اللہ کی نعمتیں اپنے خاص بندوں پر کھلی نازل ہوتی ہیں' جس طرح حضرت سلیمان پر نازل ہوئیں۔

اب یہاں ہمارے سامنے ایک نہیں' دو معجزات ہیں۔ ایک معجزہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم ہو گیا ہے اور دوسرا یہ کہ چیونٹی کو یہ علم ہو گیا ہے کہ یہ لشکر سلیمان علیہ السلام کا ہے۔ پہلا معجزہ تو یوں ہے کہ حضرت سلیمان کو اللہ نے تعلیم دی۔ وہ نبی تھے' انسان تھے اور انسان کے بارے میں ایک انسان بسہولت سمجھ سکتا ہے کہ اسے چیونٹی کے احکامات کا علم ہو گیا۔ لیکن دوسرا معجزہ جو چیونٹی کے قول میں ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چیونٹیوں کو معلوم ہو گیا کہ انسان ایک بڑی مخلوق ہے اور یہ ان کو روند ڈالیں گے۔ ہر زندہ مخلوق کے اندر زندگی بچانے کا داعیہ ہوتا ہے۔ اسی طرح چیونٹیوں میں بھی یہ شعور ہو گا۔ رہی یہ بات کہ ایک چیونٹی کو یہ علم کیسے ہو گیا کہ بڑی مخلوق کا یہ لاؤ لشکر سلیمان علیہ السلام

Marfat.com

کا ہے - یہ بہرحال ایک معجزہ ہے - اور اسے معجزہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ نے اسے معجزانہ طور پر یہ بات سکھا دی تھی -

اب آیئے سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کے واقعہ اور ملکہ سبا کے ساتھ معاملات کی طرف - اس قصے میں چھ اہم مناظر ہیں - ان مناظر کے درمیان خلا ہے - غیر ضروری واقعات کو چھوڑ دیا گیا ہے - درمیانی واقعات و مناظر دیکھنے کے بعد خود ذہن میں آجاتے ہیں - اس طرح قصے بیان کرنے میں ایک اعلیٰ فنی مظاہرہ ہوتا ہے اور ان مناظر کے درمیان بعض سبق آموز تبصرے بھی ہوتے ہیں جن میں انسانی شعور کو اس مقصد اور ہدف کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے - جس کے لیے یہ قصہ لایا گیا ہے - اس طرح قصہ لانے کا حقیقی مقصد پورا ہو جاتا ہے - یوں قصے کا فنی اسلوب اظہار کی خوبصورتی اور اخلاقی سبق اور دینی تعلیم دونوں مقاصد پورے ہو جاتے ہیں -

سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بات شروع کرتے وقت ہی انس ' جن اور طیور کا ذکر ہو گیا تھا - جس میں سلیمان علیہ السلام پر اللہ کی نعمتوں میں سے نعمت علم کا اشارہ بھی تھا - لہٰذا اس قصے میں انسانوں ' جنوں اور طیور کا اہم رول ہر جگہ موجود ہے - اور ان کے سب کردار کا تعلق پھر علم کے ساتھ ہے - اور اس سورت کے مقدمہ میں بھی ان اہم کرداروں کی طرف اشارہ تھا - اور یہ قرآنی قصوں کی اہم خصوصیت ہے -

پھر اس قصے میں جو کردار ہیں ان کی شخصیت ان کی ممتاز صفات اور خصوصیات بھی قصے میں موجود ہیں - حضرت سلیمان کی شخصیت ' ملکہ سبا کی شخصیت ' ہدہد کی شخصیت ' ملکہ سبا کی حاشیہ نشینوں کی شخصیات اور ان شخصیات اور کرداروں کی نفسیات ' سوچ اور میلانات سب کے سب قصے میں موجود ہیں -

---

پہلا منظر حضرت سلیمان علیہ السلام کی لشکر کشی کا ہے یا یہ سامان حرب کی سالانہ پریڈ ہے - یہ لشکر نکلتا ہے جس میں جن ' انس اور طیور ہیں اور یہ وادی نملہ سے گزرتا ہے - سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی گفتگو سنتے ہیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر شکر بجالاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللّٰھم زدفزد -

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾
لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٢١﴾

"(ایک اور موقعہ پر) سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا اور کہا "کیا بات ہے کہ میں فلاں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟ میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر دوں گا' ورنہ اسے میرے سامنے معقول وجہ پیش کرنی ہو گی" -

اس منظر میں حضرت سلیمان ' ایک نبی اپنے ایک عظیم و کثیر لشکر میں نظر آتے ہیں - جب وہ پرندوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہدہد کو غائب پاتے ہیں - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص ہدہد تھا جسے اس لشکر میں ہونا چاہئے تھا - یہ کوئی عام ہدہد نہ تھا کہ جس طرح لاکھوں میں سے ایک غائب ہو - یا کرۂ ارض کے تمام ہدہدوں میں سے صرف ایک کم تھا - نیز اس سے

Marfat.com

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخصوص ہدہد ایک خاص کردار رکھتا تھا اور مخصوص خصوصیات رکھتا تھا۔ یہ نہایت ہی بیدار مغز' باریک بیں اور عقلمند ہدہد تھا۔ اور سلیمان علیہ السلام کی شخصیت بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اپنی اس عظیم الشان فوج پر بھی پوری نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ فوج کو اول و آخر تک جانتے ہیں۔

وہ اس کے بارے میں ایک اعلیٰ کمانڈر انچیف کے نچلے تلے جامع الفاظ میں پوچھتے ہیں۔

مَالِيَ لَآ اَرَي الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ (۲۷: ۲۰) "کیا بات ہے میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا۔ کیا وہ غائب ہو گیا ہے"۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہدہد غائب ہے اور سب کو معلوم ہوتا ہے کہ جب بادشاہ اس کے بارے میں پوچھتے ہیں تو وہ بغیر اجازت کے غائب ہے۔ لہٰذا اس معاملے کو اب سنجیدگی سے لیا جاتا ہے۔ تاکہ فوج کے اندر افراتفری نہ ہو اور دوسرے لوگ بھی ادھر ادھر کھسکنا شروع نہ کر دیں۔ کیونکہ بادشاہ کی جانب سے اس انکوائری کے بعد بات تو راز نہ رہی تھی۔ اگر اس پر سنجیدگی سے غور نہ کیا گیا تو یہ دوسرے فوجیوں کے لیے ایک بری مثال ہو گی۔ چنانچہ حضرت سلیمان اپنی فوج کے اس سپاہی کی غیر حاضری کو بڑی سنجیدگی سے لیتے ہیں۔

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗ (۲۷: ۲۱) "میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر دوں گا"۔ لیکن بہرحال آپ نبی تھے' ۔۔۔۔۔ جبار نہ تھے۔ ابھی تو آپ نے ہدہد کے عذرات نہیں سنے' اسے نوٹس نہیں دیا گیا' لہٰذا فیصلہ عذرات سننے کے بعد ہو گا۔ بغیر سنے فیصلہ اسلامی اصول عدل کے خلاف ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔

اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ (۲۷: ۲۱) "یا اسے میرے سامنے معقول وجہ پیش کرنی ہو گی"۔ یعنی ایسی دلیل اور ایسا عذر جس کی وجہ سے وہ مواخذے سے بچ جائے اور عذر معقول ہو۔

اب پردہ گرتا ہے اس قصے کا یہ پہلا منظر ہے۔ سلیمان علیہ السلام دوسرے کاموں میں مشغول ہیں یا ہدہد ہی کی تلاش میں ہیں۔ بہرحال ہدہد آ جاتا ہے۔ اس کے پاس ایک چونکا دینے والی خبر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی حیران کن اور ہمارے لیے بھی حیران کن جو ہم آج اس منظر کو دیکھ رہے ہیں۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

Marfat.com

"کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس نے آکر کہا "میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو آپ کے علم میں نہیں ہیں۔ میں سبا کے متعلق یقینی اطلاع لے کر آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک عورت دیکھی جو اس قوم کی حکمران ہے۔ اس کو ہر طرح کا سروسامان بخشا گیا ہے اور اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کی بجائے سورج کے آگے سجدہ کرتی ہے"۔ شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیئے اور انہیں شاہراہ سے روک دیا' اس وجہ سے وہ یہ سیدھا راستہ نہیں پاتے کہ اس خدا کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے۔ اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم لوگ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔ اللہ کہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں' جو عرش عظیم کا مالک ہے"۔

یہ ہدہد بادشاہ کی دانشمندی اور بہترین تنظیمی صلاحیتوں سے باخبر تھا۔ اس لیے ہدہد نے پہلے ہی فقرے میں چونکا دینے والی خبر سے اپنی بات کا آغاز کیا تاکہ اس خبر کے بعد اس سے جواب طلبی کا موقعہ نہ رہے اور بادشاہ اس کی بات کو غور سے سنیں۔

اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ (۲۷:۲۲) "میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو آپ کے علم میں نہیں ہیں۔ میں سبا کے بارے میں یقینی معلومات لے کر آیا ہوں"۔ کون بادشاہ ایسا ہو گا اپنے کسی ملازم سے وہ باتیں نہ سنے جن کے بارے میں اسے علم نہیں۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے سننا شروع کیا تو اس نے تفصیلات بتانا شروع کر دیں۔ مملکت سبا جنوب یمن میں واقعہ تھی۔ ہدہد کہتا ہے کہ اس قوم پر عورت حکمرانی کرتی ہے۔

وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (۲۷:۲۳) "اسے ہر طرح کا سروسامان بخشا گیا ہے"۔ یعنی اس کی مملکت عظیم اور مالدار ہے اور اس کے اندر خوشحالی اور تہذیب کے تمام اسباب موجود ہیں۔ قوت اور پیداوار

وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ (۲۷:۲۳) "اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے"۔ یعنی جہاں ملکہ جلوس فرماتی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی مملکت بڑی ہے' مالدار ہے' خوشحال ہے اور اس کے اندر صنعت و حرفت کی ترقیات ہیں اور ان لوگوں کی نظریاتی حالت یہ ہے کہ

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۲۷:۲۴) "میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کے آگے سجدہ کرتی ہے"۔ یہاں ہدہد یہ تفصیل بھی بتاتا ہے کہ شیطان نے ان کے لیے ان کے ان برے اعمال کو مزین کر دیا ہے۔ لہٰذا ان کو گمراہ کر دیا ہے اور یہ لوگ اللہ وحدہ کی عبادت اور راہ ہدایت نہیں پاتے۔

اَلَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۷:۲۵) "وہ اللہ جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے"۔ خبٔ کا مفہوم وہ چیز ہے جو چھپی ہوئی ہو۔ یہ پوشیدہ چیز خواہ آسمانوں کی بارش ہو' زمین کے اندر سے نباتات ہوں یا زمین و آسمان کے دوسرے اسرار و رموز ہوں۔ یعنی پردۂ غیب کے پیچھے پائے جانے والے عجائب و غرائب جو اللہ نے پیدا کیا' نفس انسانی کے اندر پائے جانے والے عجائب غرض وہ سب چیزیں جو ظاہر ہیں یا باطن ہیں۔

یہاں تک تو ہدہد ایک ملزم کی حیثیت میں کھڑا ہے۔ ابھی تک شاہ سلیمان علیہ السلام نے ان کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا۔ چنانچہ انتظامی لحاظ سے سخت گیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے وہ اپنی بات کے آخر میں ایک اشارہ کرتا ہے

Marfat.com
Marfat.com

کہ اللہ جو جبار و قہار ہے اور سب کا رب ہے' صاحب عرش عظیم ہے۔اس کے اقتدار اور انسانوں کے اقتدار کے درمیان کوئی مماثلت نہیں ہے تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کی اس برتری کے سامنے انسان کی بادشاہت کی کم مائیگی کے بارے میں سوچ لیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (۲۷: ۲۶) السجدۃ "اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے"۔یوں ہدہد ملکہ سبا کی قوم پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ اشارہ کرتا ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ہدہد بھی بڑا عجیب پرندہ ہے۔یہ نہایت ذہین سمجھدار اور مومن پرندہ ہے۔اور اس نے نہایت ہی خوبصورت' جامع اور مانع رپورٹ بھی پیش کر دی ہے۔یہ حالات کو خوب جانتا ہے۔اور حالات پر ماہرانہ رائے بھی دیتا ہے۔اسے معلوم ہے کہ یہ ملکہ ہے' یہ اس کی رعایا ہے۔اسے معلوم ہے کہ یہ سورج پرست قوم ہے۔اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا جائز نہیں ہے۔وہ اللہ جس نے زمین و آسمان کی تمام ظاہری اور خفیہ چیزوں کو پیدا کیا ہے۔وہ رب عرش عظیم ہے۔ہرہدہد تو ایسا علم نہیں رکھتا لہٰذا یہ کوئی مخصوص معجزاتی ہدہد ہے۔عام ہدہد سے علیحدہ۔

اب حضرت سلیمان یوں نہیں کرتے کہ ہدہد کی رپورٹ کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیں۔وہ اس عظیم خبر پر اچھل نہیں پڑتے۔چنانچہ وہ ایک تجربہ کار حکمران کی طرح اس کو تصدیق کے لیے لیتے ہیں۔بادشاہ کے ساتھ ساتھ ایک عادل نبی اور رسول بھی ہیں۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

سلیمان نے کہا "ابھی ہم دیکھے لیتے ہیں کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔میرا یہ خط لے جا اور اسے ان لوگوں کی طرف ڈال دے' پھر الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں"۔

اس منظر میں خط کا مضمون نہیں دکھایا جاتا۔گویا یہ بند پیغام ہے تاکہ یہ مکتوب الیہ تک پہنچ جائے اور وہاں کھولا جائے تاکہ ہر نئی بات ناظرین کے سامنے اپنے صحیح وقت پر آئے۔

پردہ گرتا ہے۔اب ہم ملکہ سبا کے دربار میں ہیں اور خط وہاں پہنچ گیا ہے اور کھولا جاتا ہے۔ملکہ اب اپنی شوریٰ کے سامنے مضمون پیش کر کے مشورہ لیتی ہے۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ
سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

Marfat.com

ملکہ بولی "اے اہل دربار' میری طرف ایک بڑا اہم خط پھینکا گیا ہے۔ وہ سلیمان کی جانب سے ہے اور اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ مضمون یہ ہے کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ"۔

وہ اپنی شوریٰ کو بتاتی ہے کہ اس کے دربار میں یہ خط پھینکا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے معلوم نہیں ہے کہ یہ خط پھینکا کس نے ہے۔ اور کس طرح پھینکا ہے۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ اسے ہدہد نے پھینکا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے تو وہ اس کا اعلان کر دیتی۔ کیونکہ یہ ایک اور عجیب بات ہوتی اور یہ بات روزانہ کے معجزات تو تھے نہیں کہ ہدہد خط پھینکتا تھا۔ چونکہ اس نے صیغہ مجہول استعمال کیا ہے اور اللہ نے نقل کیا ہے لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ اسے معلوم نہ تھا کہ خط پھینکنے والا کون ہے۔

ملکہ اسے ایک معزز خط "کتاب کریم" کہتی ہے۔ شاید اس خط کے انداز تحریر' اس کی مہر اور اس کے طریقہ تلفیف کی وجہ سے اس نے معلوم کیا ہو کہ یہ کوئی غیر معمولی خط ہے۔ نیز جب اس کے مضمون سے اپنے مشیروں کو آگاہ کیا تو اس سے بھی اس کے دل میں اس خط کی مزید اہمیت بیٹھ گئی۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

اَنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۲۷: ۳۰) اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ (۲۷: ۳۱) "یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا گیا ہے اور مضمون یہ ہے "میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ"۔ یہ مسلمان تو نہ تھی لیکن سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا شہرہ اس علاقے میں عام تھا۔ قرآن کریم نے اس خط کے الفاظ کو جس طرح نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو ٹوک اور نہایت ہی رعب دار اور خوفناک مضمون کا خط تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اسے کتاب کریم کہا۔

خط کا مضمون نہایت ہی سادہ ہے اور نہایت ہی پر تاثیر۔ آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہے اور مضمون صرف یہ ہے کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور میرے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے حاضر ہو جاؤ۔ میرے سامنے نہیں بلکہ اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اور مسلمان بن کر آ جاؤ۔

ملکہ نے یہ کتاب اور یہ خط اپنے اہل حل و عقد کے سامنے رکھا اور ان سے اس کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ وہ کہتی ہے کہ میں کسی معاملے میں بھی تمہارے مشورے سے قبل فیصلہ نہیں کرتی۔ تمہاری رضامندی سے اور تمہارے اتفاق رائے سے سب کچھ ہوتا ہے۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾

"(خط سنا کر) ملکہ نے کہا "اے سرداران قوم' میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو' میں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی ہوں"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ سباکس قدر ہوشیار عورت ہے اس نے اس خط کو لیا جبکہ اس کے پھینکنے والے کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو ٹوک ہے اور جس نے لکھا ہے وہ کوئی پر طاقت ہے۔ یہ تاثر اس نے

Marfat.com
Marfat.com

اپنے اہل حل وعقد کے ذہنوں میں یوں منتقل کیا کہ اس نے اسے ایک اہم خط اور کتاب کریم کہا۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ملکہ مقابلہ کرنا نہیں چاہتی لیکن وہ بصراحت اس کا اظہار بھی نہیں کرتی۔ بطور تمہید کہہ دیتی ہے۔ پھر رائے طلب کرتی ہے اور حاشیہ نشینوں کا جواب آتا ہے۔ وہ حسب عادت یہی کہتے ہیں کہ حکم کیجئے ہم تیار ہیں۔ طاقتور ہیں لیکن بہرحال فیصلہ بدست حضور ہے!

قَالُوا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَا ذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

"انہوں نے جواب دیا "ہم طاقت ور اور لڑنے والے لوگ ہیں۔ آگے فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کو کیا حکم دینا ہے"۔

اب یہاں اس عورت کی اصل شخصیت سامنے آئی ہے۔ یہ ملکہ سبا کی صورت میں ہے۔ ہر عورت تباہی اور بربادی کو فطرتاً ناپسند کرتی ہے۔ چنانچہ وہ سیاست اور تدبیر کے ہتھیار کو جنگی ساز وسامان سے پہلے آزمانا چاہتی ہے۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

ملکہ نے کہا کہ "بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں' یہی کچھ وہ کیا کرتے ہیں۔ میں ان لوگوں کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں' پھر دیکھتی ہوں کہ میرے ایلچی کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں"۔

وہ جانتی ہے کہ بادشاہ جب کسی بستی پر قابض ہوتے ہیں تو وہ اسے برباد کر دیتے ہیں۔ (لفظ قریہ عربی میں بڑے شہر پر بھی بولا جاتا ہے)۔ لوگوں کی عزت و آبرو کو خراب کر دیتے ہیں' خونریزی کرتے ہیں اور مقامی لوگوں کی قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دیتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے موجود رؤساء اور بااثر طبقات کو ختم کرتے ہیں۔ کیونکہ یہی لوگ ہوتے ہیں جو مقابلہ اور مدافعت کرتے ہیں۔ یہ ان کا تاریخی طرز عمل ہے۔

ہدیہ انسان کے دل کو نرم کر دیتا ہے اور محبت پیدا کرتا ہے۔ بسا اوقات معمولی ہدیہ سے ایک بہت بڑی جنگ ٹل جاتی ہے۔ یہ ایک تجربہ ہے۔ اگر حضرت سلیمان ہدیہ قبول کر لیں تو یہ ایک دنیاوی معاملہ ہو گا اور دنیا میں ایسے ہی وسائل کارگر ہوتے ہیں اور فائدہ دیتے ہیں۔ اور اگر وہ قبول نہیں کرتے تو یہ ایک نظریاتی معاملہ ہو گا اور نظریاتی تحریکوں کو پیسے کے

Marfat.com

ذریعے نہیں روکا جاسکتا۔ نہ اس دنیا کے کوئی ہتھکنڈے انہیں روک سکتے ہیں۔

اب یہاں پھر پردہ گرتا ہے۔ اب اگلے منظر میں ملکہ سبا کے کارندے حضرت سلیمان کے دربار میں ہدایا پیش کرتے ہیں اور حضرت سلیمان ان کی اس حرکت کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ انہیں مال و دولت کے ذریعہ خریدنا چاہتے ہیں اور دعوت اسلامی کو چند ٹکوں کے عوض خریدنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلیمان ان کو سخت تنبیہ کرتے ہیں اور سخت دھمکی دیتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

"جب وہ (ملکہ کا سفیر) سلیمان کے ہاں پہنچا تو اس نے کہا "کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو تمہیں دیا ہے۔ تمہارا ہدیہ تم ہی کو مبارک رہے (اے سفیر) واپس جا اپنے بھیجنے والوں کی طرف۔ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا مقابلہ وہ نہ کر سکیں گے اور ہم انہیں ایسی ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ خوار ہو کر رہ جائیں گے"۔

ان لوگوں کے ہدایا کو رد کرتے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے دولت کی حقارت کا اظہار بھی کیا۔ ان کو بتایا گیا کہ دولت کی اہمیت اپنی جگہ ہے لیکن نظریات اور ایمانیات کے مقابلہ میں دولت ایک حقیر چیز ہوتی ہے۔

اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ (۲۷: ۳۶) "کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو"۔ کیا تم یہ حقیر چیز میرے سامنے پیش کرتے ہو اور میری اس قدر کم قیمت لگاتے ہو۔

فَمَآ اٰتٰىنِ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ (۲۷: ۳۶) "جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو تمہیں دیا ہے"۔ مجھے مال بھی تم سے زیادہ دیا ہے اور منصب نبوت بھی دیا ہے جو جنس مال سے خیر ہے۔ علم نبوت جو بڑی دولت ہے۔ انسانوں، جنوں اور طیور کی تسخیر جو روپے کے ذریعے نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا اس زمین کی کوئی چیز مجھے خوش نہیں کر سکتی۔

بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ (۲۷: ۳۶) "تمہارا یہ ہدیہ تمہیں مبارک ہو"۔ تم دنیا پرست لوگ ایسی چیزوں پر خوش ہوتے ہو، لیکن ہمارے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ ہم تو اللہ سے لو لگائے ہوئے ہیں اور اللہ کے ہدایا قبول کرتے ہیں۔

اس کے بعد انہیں سخت تہدید آمیز جواب دیا جاتا ہے۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ (۲۷: ۳۷) "واپس جا اپنے بھیجنے والے کی طرف"۔ یہ ہدایا ان کو دو اور عبرت آمیز

Marfat.com

انجام کا انتظار کرو۔

فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا (۲۷:۳۷) "ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا مقابلہ وہ نہ کر سکیں گے"۔ یہ ایسی افواج ہیں جو دنیا کے کسی انسان کے پاس نہیں ہیں۔ اور ملکہ سبا اور اس کی قوم ہماری افواج کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (۲۷:۳۷) "اور ہم انہیں ایسی ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ خوار ہو کر رہ جائیں گے"۔ اب یہاں پر وہ کرتا ہے اور یہ چیلنج اور تہدید کا منظر ختم ہو جاتا ہے۔ سفارت واپس ہو جاتی ہے۔ اب سیاق کلام یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ اگلے اقدام کے بارے میں یہاں ایک لفظ بھی نہیں کہا جاتا۔

حضرت سلیمان یہ جانتے ہیں کہ ملکہ کے ساتھ معاملہ ختم ہو گیا' وہ نہ مقابلہ کر سکتی ہے۔ نہ دشمنی چاہتی ہے۔ کیونکہ ہدایا کے ساتھ سفارت بھیجنے کا مقصد ہی یہ تھا۔ حضرت سلیمان جان گئے کہ یہ ملکہ مطابق حکم سلیمان دعوت قبول کرے گی اور اطاعت کر لے گی جیسا کہ بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔

لیکن سیاق کلام میں یہ بات نہیں ہے کہ یہ سفارت واپس ہوئی۔ اس نے ملکہ کے سامنے یہ رپورٹ پیش کی۔ نہ سیاق کلام میں ملکہ کے اگلے ارادے کا ذکر ہے۔ یہ سب خود بخود معلوم ہو جائیں گے جب ملکہ کا دورۂ دارالخلافہ معلوم ہو گا اب حضرت سلیمان علیہ السلام یہ حکم دیتے ہیں کہ کون ہے جو ملکہ کے پہنچنے سے قبل ہی اس کے عرش کو لے کر آ جائے اور پھر اس عرش اور تخت کو اس کے سامنے ذرا انجان ہو کر پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ عرش وہ اپنے علاقے میں چھوڑ کر آئی ہے اور یہ وہاں اس کے دارالخلافہ میں محفوظ و مامون ہے۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾
قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ

سلیمان نے کہا "اے اہل دربار' تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاتا ہے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں؟ جنوں میں سے ایک قوی ہیکل نے عرض کیا "میں اسے حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار ہوں۔ جس شخص کے پاس کتاب کا ایک علم تھا وہ بولا "میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں"۔

آپ کو معلوم ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس کے تخت کو اس کی جانب سے اطاعت قبول کرنے سے قبل کس غرض کے لیے منگوایا؟ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام اس لیے کیا کہ وہ ملکہ سبا کو دکھائیں کہ کائنات کی معجزانہ قوتیں ان کی تائید کر رہی ہیں تاکہ ملکہ سبا ان سے متاثر ہو جائے اور ظاہری انتیاد کے ساتھ ساتھ اس

Marfat.com
Marfat.com

کے ایمان لانے کی راہ بھی ہموار ہو جائے۔

جنوں میں سے ایک دیوہیکل جن نے یہ پیش کش کی کہ وہ یہ تخت اس وقت تک حاضر کر دے گا جب تک یہ اجلاس جاری ہے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام انتظامی اور عدالتی فیصلے کرنے کے لیے صبح سے ظہر تک بیٹھتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس عرصے کو طویل سمجھے۔ یہ کہا کہ اس وقت تک تو بہت دیر ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک شخص جس کے پاس علم کتاب تھا۔

الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ (۲۷: ۴۰) "جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا"۔ اس نے کہا کہ پلک جھپکنے سے پہلے میں اسے لائے دیتا ہوں۔ یہاں اس شخص کا نام نہیں لیا گیا کہ وہ کون تھا۔ اور نہ اس کتاب کا ذکر ہے جس کا علم اس کے پاس تھا۔ ہم سمجھے ہیں کہ یہ ایک مومن شخص تھا' اللہ کے ساتھ اس کا اتصال تھا' خدا رسیدہ شخص تھا۔ اور وہ اللہ کی جانب سے ایسی قوتوں کے مالک تھے جن کے لیے غیب کے پردے اور دوریاں ختم ہو جاتی ہیں اور ایسے امور اور کرامات ہیں جن کا صدور بعض اوقات خدا رسیدہ لوگوں سے ہوتا ہے اور جس کے اسرار و رموز سے عام لوگ واقف نہیں ہوتے۔ کیونکہ عام انسان جس دنیا میں رہتے ہیں اور جن اسباب کے تحت وہ زندگی بسر کرتے ہیں اس سے یہ مختلف زندگی ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قصے کہانیوں اور داستانوں اور خرافات سے نکلنے کے لیے بس اس مقام پر یہی کہا جا سکتا ہے۔

بعض مفسرین' اس شخص کے پیچھے پڑے ہیں کہ یہ شخص کون تھا؟ اور کتاب کون سی تھی۔ کتاب کے بارے میں کہا کہ وہ تورات تھی۔ اور بعض نے کہا کہ یہ شخص اسم اعظم کو جانتا تھا اور بعض مفسرین نے اور اقوال اختیار کیے ہیں۔ تمام اقوال کی پشت پر کوئی مستند دلیل نہیں ہے۔ اگر واقعیت پسندی سے کام لیا جائے تو یہ معاملہ بہت آسان ہے۔ اس کائنات کے ہزارہا ایسے راز ہیں جن کو ہم نہیں جانتے۔ بے شمار ایسی قوتیں ہیں جن کو ابھی تک ہم کام میں نہیں لا سکے۔ خود نفس انسانی کے اندر ایسے راز موجود ہیں جن تک ابھی ہماری رسائی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ جب کسی ایک انسان کو ان اسرار سے واقف کر دیتا ہے تو پھر دوسروں کے لیے ایک معجزہ صادر ہو جاتا ہے کیونکہ یہ معجزہ عام انسانوں کی طبیعی زندگی کے خلاف ہوتا ہے جبکہ یہ خارق عادت معجزہ بھی اللہ ہی کی قوتوں میں سے کسی قوت کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اللہ اس خارق عادت بات کو جس کے ہاتھ پر چاہتا ہے چلا دیتا ہے۔ (اس طرح وہ معجزہ اور کرامت ہوتی ہے)

یہ شخص جس کے پاس علم کتاب تھا' اس علم کی وجہ سے اس کا نفس اس کام کے لیے تیار تھا۔ اللہ نے بعض کائناتی راز اس شخص پر منکشف کر دیئے تھے اور یوں یہ کرامت اس کے ہاتھ سے ظاہر ہو گئی کیونکہ علم کتاب کی وجہ سے یہ شخص خدا رسیدہ شخص تھا۔ اور وہ روحانی طور پر اس کے لیے تیار تھا کہ اس پر بعض اسرار کھول دیئے جائیں۔

بعض مفسرین نے کہا یہ شخص خود سلیمان علیہ السلام تھے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ شخص حضرت سلیمان نہ تھے۔ ورنہ پھر اپنے آپ کو چھپانے کی ضرورت کیا تھی۔ قصہ خود ان کا چل رہا تھا اور قصہ بھی ایسا کوئی نہ تھا کہ حضرت کا نام مخفی رکھا جائے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس کا نام آصف ابن برقیا تھا۔ اس پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ

Marfat.com

اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝

"جونہی کہ سلیمان علیہ السلام نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا' وہ پکار اٹھا "یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کافر نعمت بن جاتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے اس کا شکر اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے' ورنہ کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے"۔

تخت کی اچانک اور برق رفتار حاضری کا سلیمان علیہ اسلام پر بے حد اثر ہوا۔ وہ ڈر گئے کہ اللہ نے کس طرح معجزاتی انداز میں ان کا مقصد پورا کر دیا۔ انہوں نے سوچ لیا کہ یہ ایک عظیم نعمت خداوندی ہے اور اس کا فضل وکرم ہے۔ اور اس قدر عظیم کرم دراصل ایک عظیم ابتلا ہے۔ ایک خوفناک ابتلا ہے۔ اس لیے اس ابتلا سے وہ کامیابی کے ساتھ تب ہی گزر سکتے ہیں جب وہ ہر وقت بیدار رہیں۔ اور اس آزمائش میں بھی کامیابی کے لیے اللہ کی مدد درکار ہے۔ اے خدا خوفی کی ضرورت ہے' نعمت خداوندی کا احساس کرنا ضروری ہے۔ اور اللہ کے اس فضل پر شکر بجالانا ضروری ہے۔ تاکہ اللہ پر ثابت ہو جائے کہ میں شکرگزار ہوں جبکہ اللہ کو کسی کی جانب سے کسی شکر کی ضرورت نہیں ہے جو کوئی شکر کرتا ہے۔ وہ خود اپنے لیے کرتا ہے اور شکر سے زیادہ نعمت حاصل ہوتی ہے اور ابتلائے نعمت میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی شکر نہیں کرتا' ناشکری کرتا ہے تو اللہ تو عالم اور عالم والوں سے مستغنی ہے۔ وہ تو کریم ہے۔ بغیر کسی احتیاج کے شکر کرنے والوں کو بخشتا ہے۔

شکر نعمت اور شکر کو ایک آزمائش تصور کرنے کے بعد حضرت سلیمان ملکہ کو حیران کن صورت حال سے دوچار کرنے کے لیے تیار کرتے ہیں۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝

سلیمان نے کہا "انجان طریقے سے اس کا تخت اس کے سامنے رکھ دو' دیکھیں وہ صحیح بات تک پہنچتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو راہ راست نہیں پاتے"۔ یعنی اس تخت کی امتیازی خصوصیات کو ختم کر دو تاکہ دیکھا جائے کہ وہ اس تخت کو اپنی فراست اور ذہانت سے پہچانتی ہے یا نہیں۔ یا اس معمولی تبدیلی سے اس کے لیے اس کا پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔

شاید یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے اس کی ذہانت اور فراست کا امتحان تھا۔ تخت کے بارے میں اس اچانک اور ناقابل توقع صورت حال سے دوچار ہونے کے بعد اب حضرت سلیمان اور ملکہ کی ملاقات ہوتی ہے۔

فَلَمَّا جَاۗءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ

"ملکہ جب حاضر ہوئی تو اس سے کہا گیا کہ تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ کہنے لگی "یہ تو گویا وہی ہے"۔

یہ اس لیے ایک انوکھی اور غیر متوقع بات تھی۔ اس کی مملکت کہاں اور تخت کہاں۔ اور وہ دیکھ رہی ہے۔ آخر محفوظ مقامات کے اندر زیر حراست تخت یہاں کس طرح آگیا۔ جنوب یمن اور بیت القدس کا فاصلہ یہ کیسے آگیا اور

Marfat.com
Marfat.com

کون ات لایا ہے۔

لیکن تھوڑی سی تبدیلی کے باوجود تخت تو اسی کا ہے لیکن وہ غیر متوقع ہونے' حالاتی شہادت خلاف ہونے کی وجہ ست اور زیادہ تر علامات اصلی باقی رہنے کی وجہ سے وہ یوں کہتی ہے کہ "گویا یہ وہی ہے"۔ اس نے نہایت فراست اور عقلمندی سے یہ جواب دیا۔ جس میں نہ اس تخت کا اقرار ہے اور نہ انکار ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان غیر متوقع حالات میں بھی دھوکہ نہیں کھاتی اور اعلیٰ درجے کی سفارتی زبان استعمال کرتی ہے۔

اب یہاں سیاق کلام میں ایک خلا ہے۔ گویا اسے حضرت سلیمان نے اطلاع کر دی کہ یہ قوت ہے جس کے ذریعے ہم تمہارا تخت تم سے بھی پہلے لے آئے۔ تو اس کا جواب وہ دیتی ہے کہ ہم نے خود اپنے ہاں حالات کا جائزہ لے لیا تھا اور یہ عزم کر لیا تھا کہ ہم سلیمان کی اطاعت قبول کریں گے جب ہمارے ہدایا رد کر دیئے گئے تھے۔

وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾

"ہم تو پہلے ہی جان گئے تھے اور ہم نے سر اطاعت جھکا دیا تھا"۔ اب قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ ملکہ سبا اپنی اس دانشمندی کے باوجود پھر حضرت سلیمان کے پہلے خط پر ایمان کیوں نہیں لائی۔ یہ اس لیے کہ یہ ایک کافر سوسائٹی میں پیدا ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ بھی عام رواج کے مطابق اللہ کی بندگی کے بجائے سورج کی بندگی کرتی رہی۔ جیسا کہ ہدہد کی رپورٹ سے ظاہر ہے۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

"اس کو (ایمان لانے سے) جس چیز نے روک رکھا تھا وہ ان معبودوں کی عبادت تھی جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی' کیوں کہ وہ ایک کافر قوم سے تھی"۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کو مرعوب کرنے کے لیے ایک دوسری غیر متوقع امتحان گاہ بھی اس کے لیے تیار تھی۔ یہ امتحان اس قدر اچانک ہے کہ یہاں بھی بیان قصہ کے وقت بھی اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ پہلے تخت کے سلسلے میں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو بتا دیا کہ یہ تخت یوں معجزانہ انداز میں لایا گیا ہے۔ یہاں قرآن کریم کی طرز ادا بھی نہایت ہی بلیغانہ ہے۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

"اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو۔ اس نے جو دیکھا تو سمجھی کہ پانی کا حوض ہے اور اترنے کے لیے اس نے

Marfat.com

اپنے پائنچے اٹھا لیے۔ سلیمان نے کہا "یہ شیشے کا چکنا فرش ہے"۔ اس پر وہ پکار اٹھی "اے میرے رب (آج تک) میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کرتی رہی' اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کر لی"۔

یہ غیر متوقع امتحان یوں تھا کہ حضرت سلیمان نے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا تھا۔ یہ شیش محل تھا۔ اس کے فرش کے نیچے سے پانی گزارا گیا تھا۔ اور فرش شیشے کا بھی۔ اب فرش یوں نظر آ رہا تھا کہ گویا پانی کی لہر ہے۔ جب ملکہ کو کہا گیا کہ آپ اس محل میں داخل ہوں تو اس نے سمجھا کہ اسے پانی سے چل کر گزرنا ہے۔ اس پر اس نے شلوار کے پائنچے اٹھا دیئے۔ اس کی ٹانگیں کھل گئیں۔ اس واقعہ کے بعد حضرت سلیمان نے اسے بتایا۔

قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ (۲۷: ۴۴) "انہوں نے کہا کہ یہ شیشے کا چکنا فرش ہے"۔ یہاں ملکہ حیران رہ گئی کہ حضرت سلیمان کے پاس تو حیران کن عجائبات ہیں اور یقیناً یہ قوتیں فوق الفطرت ہیں۔ یوں اس نے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اور اللہ کو پکار اٹھی کہ اس نے اس سے قبل جو غیر اللہ کی عبادت کی ہے وہ اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔ چنانچہ اس نے سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا کہ میں اب سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کرتی ہوں۔

اس نے سوچ لیا کہ اسلامی نظام زندگی کیا چیز ہے۔ یہ کہ اس میں کوئی انسان کسی انسان کے آگے نہیں جھکتا۔ بلکہ سب انسان اللہ کے آگے جھکتے ہیں۔ سلیمان اگرچہ نبی ہیں لیکن وہ کہتی ہے کہ میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین کی طاعت قبول کرتی ہوں یعنی سلیمان کی معیت تو ہے جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کا ساتھی ہوتا ہے لیکن اطاعت رب العالمین کی ہوتی ہے۔

اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۷: ۴۴) قرآن کریم نے یہاں اس بات کو خصوصی طور پر ریکارڈ کیا ہوا ہے کہ اسلام اللہ کے لیے ہوتا ہے اور اسلام قبول کرنے سے ایک انسان ایک ایسی صف میں جا کر کھڑا ہو جاتا ہے جو مقتدر اعلیٰ ہوتی ہے بلکہ اسلام میں آ کر غالب اور مغلوب اور محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دونوں بھائی ہوتے ہیں کوئی غالب و مغلوب نہیں ہوتا۔ سب مساوی طور پر رب العالمین کے آگے جھکتے ہیں۔

اہل قریش اسلام کے مقابلے میں سرکشی اختیار کرتے تھے حالانکہ رسول اللہ انہیں اسلام اور رب العالمین کی اطاعت کی طرف بلاتے تھے۔ محمد ابن عبداللہ کی اطاعت کی ضرورت نہیں کہ وہ ایک سربراہ مملکت بن جائیں۔ قریش کو ملکہ سبا یہ تعلیم دیتی ہے کہ کسی نبی کی دعوت قبول کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان اس نبی کی معیت میں اللہ رب العالمین کا مطیع ہو جاتا ہے۔ داعی اور مدعو برابر ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ اسلام قبول کریں تو رسول اللہ کے ساتھ وہ رب العالمین کے مطیع ہوں گے۔

Marfat.com

Marfat.com

درس نمبر ۱۷۳ تشریح آیات

۴۵ --- تا --- ۵۳

قرآن کریم میں حضرت صالح اور قوم ثمود کا قصہ بالعموم حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے قصص کے ساتھ آتا ہے۔ ان قصص کے ساتھ حضرت ابراہیم کا قصہ کبھی آتا ہے اور کبھی نہیں آتا۔ اس سورہ میں بھی بنی اسرائیل کے قصص آئے ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے قصے گزر گئے ہیں۔ یہاں بھی حضرت ہود اور حضرت شعیب کا قصہ مختصراً آیا ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ نہیں آیا۔

حضرت صالح کے قصے میں ناقہ والی کڑی نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے ۹ مفسدین کا ذکر ہے جو حضرت صالح کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ حضرت صالح کو ان کی مکاریوں کا علم نہ تھا۔ ان کی ان سازشوں کے جواب میں اللہ نے ان کے خلاف ایسی تدبیر اختیار کی جس کا وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ وہ یہ کہ ان سب مفسدوں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اور حضرت صالح اور اہل ایمان کو نجات دے دی۔ مشرکین مکہ کو کہا جاتا ہے کہ تم اپنی آنکھوں سے ان کے مکانات کو دیکھتے ہو مگر عبرت نہیں پکڑتے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

"اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو (یہ پیغام دے کر) بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو' تو یکایک وہ دو متخاصم فریق بن گئے"۔

حضرت صالح کی رسالت کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ "صرف اللہ کی بندگی کرو"۔ ہر دور میں انسانوں کو جو سماوی ہدایت دی گئی ہے اس کا خلاصہ یہی رہا ہے کہ صرف اللہ وحدہ کی بندگی کرو' ہر رسول اور ہر قوم کو یہی تعلیم دی گئی جبکہ اس کائنات میں انسانوں کے اردگرد پائی جانے والی کائنات میں اور خود انسانوں کے نفوس کے اندر بھی وجدانی دلائل موجود ہیں جو یہی حقیقت بتاتے ہیں کہ اس کائنات کا معبود ایک ہی ہے۔ لیکن انسان ہے کہ وہ اس سادہ حقیقت کا انکار کرتا ہے۔ نہ صرف انکار بلکہ وہ اس دعوت کے ساتھ مذاق بھی کرتا ہے۔ اور حقارت آمیز انداز میں اسے ٹھکراتا ہے۔ اور آج تک انسان بھٹک رہا ہے۔ مختلف راستوں پہ چلتا ہے' ٹھوکریں کھاتا ہے لیکن صراط مستقیم کی طرف نہیں آتا۔

Marfat.com
Marfat.com

یہاں قرآن کریم نے حضرت صالح کی دعوت کا صرف یہ اثر بتایا ہے کہ قوم دو ٹکڑے ہوگئی اور ان کے درمیان خاصمت شروع ہوگئی۔ ایک فریق نے دعوت قبول کر لی اور دوسرا مخالف ہوگیا۔ فریق مخالف، تعداد میں بہت زیادہ تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری سورتوں سے ظاہر ہے۔

یہاں قصے کے اختصار کی وجہ سے خلا ہے۔ اس میں قوم نے حضرت صالح سے مطالبہ کیا ہے کہ تم ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہو، اسے لے آؤ۔ منکرین کا ہمیشہ یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ ہدایت و رحمت طلب کرنے کی بجائے اللہ کا عذاب طلب کرتے ہیں جس طرح مشرکین قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے۔ حضرت صالح نے انہیں تنبیہہ کی کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم رحمت و ہدایت طلب کرنے کی بجائے خدا کا عذاب طلب کرتے ہو۔ وہ ان کو مشورہ دیتے ہیں اللہ سے مغفرت طلب کرو وہ تم پر رحم کر دے گا۔

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

صالح نے کہا "اے میری قوم کے لوگو، بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی مچاتے ہو؟ کیوں نہیں اللہ سے مغفرت طلب کرتے؟ شاید کہ تم پر رحم فرمایا جائے"۔

لوگوں کے دماغ اس قدر بگڑ گئے تھے کہ سچائی کو جھٹلانے والے کہنے لگے تھے۔ اے اللہ، اگر یہ شخص تیری طرف سے رسول ہے اور سچائی پر ہے تو، تو ہم پر پتھروں کی بارش کر دے اور دردناک عذاب نازل کر دے"۔ حالانکہ ان کو کہنا یوں چاہئے تھا "اے اللہ، اگر یہ شخص تیری طرف سے آیا ہوا ہے اور سچا ہے تو، تو ہمیں توفیق دے کہ ہم ایمان لے آئیں اور اس کی تصدیق کر دیں"۔

یہی حال قوم صالح کا ہوگیا تھا۔ ان کا رسول ان کو رحمت، توبہ اور استغفار کی راہ کی طرف بلاتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ اس دعوت کو قبول کریں، یہ لوگ اس بات کا اظہار کرتے ہیں ہم تو صالح اور ان لوگوں سے تنگ آگئے ہیں جو اس کے ساتھ ہوگئے تھے کیونکہ یہ لوگ ہمارے لیے مصیبت بن گئے ہیں۔ اور ہمیں خطرہ ہے کہ یہ لوگ ہم پر کوئی بڑی مصیبت لے آئیں گے۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ

انہوں نے کہا "ہم نے تو تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو بدشگونی کا نشان پایا ہے"۔

تطیر کے معنی بدشگونی کے ہیں۔ یہ لفظ اقوام جاہلہ کی وہم پرستیوں اور خرافات سے نکلا ہے۔ وہ اوہام جن سے کوئی شخص صرف سیدھے اور صاف ایمان کے ذریعے نکل سکتا ہے۔ ایام جاہلیت میں اگر کوئی کسی کام کے لیے نکلنے کا ارادہ کرتا

Marfat.com

تو وہ نیک شگون یا بدشگون معلوم کرنے کے لیے کسی پرندے سے فال گیری کرتا۔ وہ کسی جگہ بیٹھے ہوئے پرندے کو اڑاتا۔ اگر یہ پرندہ اس کے دائیں جانب سے بائیں جانب جاتا تو یہ خوش ہوتا اور وہ کام کر گزرتا۔ اور اگر یہ پرندہ بائیں جانب سے دائیں جان کی طرف جاتا تو یہ شخص بدشگونی کرتے ہوئے یہ سمجھتا کہ یہ معاملہ خطرناک ہے۔ سوال یہ ہے کہ کسی پرندے کو کیا معلوم ہے کہ وہ کدھر جائے اور کدھر نہ جائے۔ نیز کسی پرندے کی اتفاقی حرکت سے غیبی باتیں کس طرح معلوم ہو سکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس انسانی اپنے معاملات ہمیشہ کسی غیبی قوت کے حوالے کرتا ہے۔ اگر کوئی اپنا غیب اور مستقبل اللہ علام الغیوب کے حوالے نہیں کرتا۔ اور اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا تو پھر وہ ایسے ہی اوہام و خرافات کا شکار ہوتا ہے۔ پھر وہ اوہام و خرافات کسی حد پر جاکر رکتے نہیں۔ نہ عقل کی حدود میں رہتے ہیں۔ نہ ان سے کوئی یقین و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

آج صورت حال ایسی ہے جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور عالم غیب کے پوشیدہ امور کو اللہ کے سپرد کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور جن کا زعم یہ ہے کہ انہوں نے اس قدر علمی ترقی حاصل کر لی ہے کہ دین و مذاہب کے خرافات پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ یہ لوگ نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں' نہ دین اسلام پر ایمان لاتے ہیں اور نہ غیب پر ایمان لاتے ہیں' لیکن ایسے تعلیم یافتہ لوگوں کی وہم پرستی کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ بھی عدد ۱۳ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اور جب یہ لوگ جا رہے ہوں اور کوئی سیاہ بلی ان کے راستے سے گزر جائے تو اس کو بھی نہایت ہی اہم واقعہ سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیا سلائی کی ایک تیلی سے دو سے زیادہ سگرٹ جلانا اور اس قسم کے دوسرے خرافات پر یہ لوگ بڑا یقین رکھتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ اس قسم کے لوگ دراصل فطرت سے عناد کرتے ہیں حالانکہ فطرت سلیمہ کے اندر ایمان باللہ کی پیاس ہوتی ہے۔ وہ اللہ سے کبھی بھی مستغنی نہیں ہوتی۔

اس دنیا کے حقائق میں سے عالم غیب کا سہارا لینا پڑتا ہے' جن تک انسانی علم و معرفت کی رسائی نہیں ہوتی۔ اور بعض حقائق تو ایسے ہیں کہ ان تک انسانی علم کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ یہ حقائق انسان کی قوت مدرکہ کی حدود طاقت ہی سے ماوراء ہیں۔ اور جو انسان کے مخصوص مقصد پیدائش اور خلافت فی الارض کے منصب کے ساتھ متعلق ہی نہیں ہیں۔ اس لیے انسان کو ان کے علم کی طاقت ہی نہیں دی گئی۔ انسانی قوتیں اس کے منصب تک محدود ہیں۔

جب قوم صالح نے اپنی وہی بدویانہ اور گمراہانہ بات کہی' جو اوہام و خرافات کے اندر ڈوبی ہوئی تھی تو حضرت صالح نے ان کو یقین کی روشنی کی طرف موڑ دیا اور ایک واضح حقیقت کی دعوت دی جس کے اندر کوئی پیچیدگی اور کوئی تاریک گوشہ نہ تھا۔

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

صالح نے جواب دیا "تمہارے نیک و بدشگون کا سررشتہ تو اللہ کے پاس ہے"۔ تمہارا نیک و بد اور تمہارا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ نے اس کائنات کے لیے ایک سنت جاری کی ہے اور پھر لوگوں کو کچھ احکام دیئے ہیں۔ اور لوگوں کے لیے ایک نہایت ہی سیدھی راہ تجویز کی ہے۔ پس جس نے سنن الٰہیہ کا اتباع کیا' اللہ کی ہدایات پر چلا تو اس کا انجام اچھا ہو گا اور اسے پرندے اڑانے کی کوئی ضرورت نہ ہو گی۔ اور جو شخص سنن الٰہیہ سے سرتابی کرے گا اور صحیح راستے سے ادھر ادھر ہو

Marfat.com

جائے گا وہ ایک عظیم شرت دو چار ہو گا۔ اسے پھر پرندوں سے نیک شگون اور بد شگون لینے کی ضرورت نہ ہو گی۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

"اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں کی آزمائش ہو رہی ہے"۔ اللہ نے تم پر جو انعامات کیے ہوئے ہیں۔ یہ تمہارے لیے ایک فتنہ ہے اور جو خیر و شر تمہیں پیش آ رہا ہے۔ وہ تمہارے لیے آزمائش ہے۔ لہٰذا بیداری' اللہ کے قوانین فطرت کے مطابق تدبیر اور واقعات و حادثات کو سمجھنا اور ان کے اندر جو آزمائش اور ابتلا ہوتی ہے' اس کا ادراک کرنا اور شعور رکھنا ہی اچھے انجام کا ضامن ہے۔ یہ جو تم پرندوں کو اڑا کر شگون یا بد شگون معلوم کرتے ہو' اس کا واقعات کے انجام پر کوئی اثر نہیں ہوتا' یہ محض تمہارے اوہام ہیں۔

ایک صحیح نظریہ اور عقیدہ لوگوں کو ذہنی روشنی اور استقامت عطا کرتا ہے اور انسان معاملات کی صحیح قدر معلوم کر لیتا ہے۔ انسان کا دل بیدار ہوتا ہے اور وہ اپنے ماحول پر اچھی نظر رکھتا ہے اور غور و فکر کرتا ہے۔ انسان کو یہ شعور ہوتا ہے کہ اس کے اردگرد جو کچھ ہو رہا ہے دست قدرت اس میں موثر ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں یہ واقعات یونہی اتفاقاً واقع نہیں ہوتے' نہ یہ زندگی ایک عبث عمل ہے بلکہ انسان کی زندگی بامقصد ہوتی ہے' وہ ایک قیمت رکھتی ہے۔ لوگوں کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ اور یوں یہ چھوٹا سا انسان اس کرۂ ارض پر ایک بامقصد سفر کرتا ہے۔ وہ اللہ سے بھی مربوط ہوتا ہے اور اللہ کی اس کائنات کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہوتا ہے اور ان قوانین کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہوتا ہے۔ جو خالق نے اس کائنات کے لیے وضع کیے ہیں۔ اور جن کے مطابق یہ کائنات بحفاظت چل رہی ہے۔

لیکن یہ سادہ سا استدلال ان لوگوں پر کیا اثر کرتا جن کے قلوب بگڑ چکے ہوں۔ ان کے دل اس قدر فساد میں مبتلا ہوئے ہوں جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو۔ اصلاح کا کوئی امکان نہ رہا ہو۔ قوم صالح بگاڑ کے اس مرحلے پر پہنچ گئی تھی جہاں سے واپسی ممکن نہ تھی۔ ان میں ۹ افراد ایسے تھے جو پوری بگاڑ کے ذمہ دار تھے۔ یہ لوگ فساد کی آخری سرحدوں کو چھو رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس تحریک کو ختم کرنے کے لیے ایسی سازش تیار کی جس پر رات کے اندھیروں میں عمل کیا جانا تھا۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

"اس شہر میں نو جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے اور کوئی اصلاح کا کام نہ کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا "خدا کی قسم کھا کر عہد کر لو کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے اور پھر اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے' ہم بالکل سچ کہتے ہیں"۔

Marfat.com

یہ نو افراد ایسے تھے جن کی اصلاح ناممکن ہو گئی تھی' یہ ہر وقت فساد اور سرکشی پر آمادہ رہتے تھے۔ یہ لوگ حضرت صالح کی دعوت سے اس قدر تنگ آ گئے کہ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ رات کو ایک خفیہ معاہدہ کیا اور اس عہد پر اللہ کے نام سے قسم بھی اٹھائی کہ اس پر عمل کریں گے' حضرت صالح کو قتل کر دیں گے۔ حالانکہ حضرت صالح تو ان کو صرف اللہ ہی کی طرف بلاتے تھے۔

یہاں عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے اس سازش پر بھی اللہ ہی کو گواہ ٹھہرایا۔

تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ (۲۷ : ۴۹)

"خدا کی قسم کھا کر عہد کر لو کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے اور پھر اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے"۔ نہ ہم نے قتل کیا ہے نہ موجود تھے۔

وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (۲۷ : ۴۹) "اور ہم بالکل سچے ہیں"۔ اس لیے کہ یہ قتل رات کے اندھیرے میں ہو گا کوئی دیکھنے والا نہ ہو گا۔

ان لوگوں کی یہ تدبیر بھی نہایت سطحی اور سادہ تدبیر تھی لیکن بہرحال یہ تدبیر کر کے وہ اپنے آپ کو مطمئن کر رہے تھے۔ اور ان لوگوں کے نزدیک خدا کے نام پر یہ جھوٹ بالکل جائز تھا۔ اور پھر یہ اپنی اس اسکیم کے مطابق اپنے آپ کو بالکل سچا بھی ثابت کرتے ہیں۔ انسانی سوچ بھی عجیب پیچیدہ اور سطحی ہوتی ہے۔ خصوصاً جبکہ انسان کا دل نور ایمان سے خالی ہو' کیونکہ سیدھا راستہ تو ایمان ہی بتاتا ہے۔

یہ تھی ان کی تدبیر اور ان کی سوچ۔ لیکن اللہ بزرگ و برتر تو سب کچھ دیکھ رہا ہے اور یہ لوگ اللہ کو نہیں دیکھ رہے۔ اللہ کے علم میں ان کی پوری سازش ہے' لیکن اپنے خیال میں یہ سازش بھی اندھیرے میں کر رہے ہیں اور عمل بھی اندھیرے میں ہو گا۔ لیکن ہیں خود اندھیرے میں۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

"اور پھر ایک چال ہم نے چلی جس کی انہیں خبر نہ تھی"۔ دیکھئے ان کی تدبیر کیا ہے۔ ان کی سازش بمقابلہ امر الٰہی۔ اللہ کی قوت کے مقابلے میں یہ شرپسند کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دنیا میں جھوٹے جبار و قہار جو تھوڑی بہت قوت کے مالک بن جاتے ہیں وہ اپنی اس قوت میں اس قدر مست ہو جاتے ہیں کہ اوپر دیکھنے والی آنکھ سے غافل ہو جاتے ہیں۔ وہ اس قوت سے بالکل غافل ہوتے ہیں کہ جو اچانک ان کو پکڑ لے گی اور ان کو توقع ہی نہ ہو گی۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾
فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا ؕ

"اب دیکھ لو کہ ان کی چال کا انجام کیا ہوا۔ ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا ان کو اور ان کی پوری قوم کو۔ وہ ان کے گھر

Marfat.com
Marfat.com

خالی پڑے ہیں اس ظلم کی پاداش میں جو وہ کرتے تھے"۔

ایک لمحے کے اندر ان کو برباد کر کے رکھ دیا گیا۔ اگلے لمحے میں ان کے محلات ان پر الٹ دیئے گئے۔ گھر خالی رہ گئے۔ ایک لمحہ پہلے وہ تو اہل ایمان کے خلاف سازشیں کر رہے تھے اور ان کو پورا یقین تھا کہ وہ اپنی سازشوں پر عمل کر سکیں گے۔

سیاق کلام میں یہ شنابی 'کہ ادھر سازش ہوئی' ادھر وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ اس اچانک اور فیصلہ کن گرفت سے ذرا نا مقصود ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں قوت آجاتی ہے۔ وہ مغرور نہ ہوں اور غرے میں نہ آجائیں۔ اللہ ایسے لوگوں کو اسی طرح اچانک گرفت میں لے سکتا ہے اور ان کو ان کی مکاریوں اور تدابیر کے ساتھ ہلاک کر سکتا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾

"اس میں ایک نشان عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں"۔ اور اس پوری سورت میں علم اور ٹیکنالوجی مرکزی مضمون ہے۔ اس کے حادثات 'واقعات اور قصص علم کے محور کے گرد گھومتے ہیں۔

وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾

"اور بچا لیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے"۔ کفار کی اچانک ہلاکت کے بعد اب بتا دیا جاتا ہے کہ اہل ایمان کو نجات دے دی گئی۔ اس لیے کہ وہ دنیا کی قوتوں کی بجائے صرف اللہ سے ڈرتے تھے۔ اور کسی مومن کے دل میں اللہ کے ڈر کے ساتھ دوسرا کوئی ڈر جمع نہیں ہو سکتا۔

---ooo---

درس نمبر ۴۷ ایک نظر میں

حضرت لوط علیہ السلام کے قصے کا یہ مختصر ترین حلقہ مختصر اور شوٹنگ کے انداز میں ہے۔ قوم لوط حضرت لوط کو ملک بدر کرنا چاہتی ہے اور جرم کیا ہے؟ صرف یہ کہ وہ اخلاقی تطہیر اور پاکیزگی کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کو اس اخلاقی گندگی سے نکالنا چاہتے تھے جس میں یہ لوگ علانیہ اور اجتماعی طور پر مبتلا تھے۔ ہم جنس پرستی یعنی مردوں کا مردوں کے ساتھ جنسی ملاپ اور عورتوں کے قریب نہ آنا' یہ انتہائی گندگی' غلاظت اور خلاف فطرت عمل تھا۔

انسانی تاریخ میں یہ جنسی بے راہ روی کبھی کبھی اجتماعی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ بعض اوقات بعض افراد تو اس میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور ان کے لیے ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں مثلاً فوجی چھاؤنیوں میں لوگ خلاف فطرت جنسی عمل میں مبتلا ہو جاتے ہیں' جہاں انہیں فوجی کیمپوں میں عورتیں نہیں ملتیں۔ پھر قید خانوں اور جیلوں میں بھی یہ بیماری پھیل سکتی ہے۔ جہاں ایک طویل عرصے تک قیدیوں کو جنسی ملاپ سے محروم رکھا جاتا ہے اور ان پر جنسی ملاپ کا سخت دباؤ ہوتا ہے۔ اور عورتوں سے وہ دور ہوتے ہیں۔ رہی یہ صورت حال کہ کس بستی میں یہ جنسی بے راہ روی اور ایک عام مسلمہ قاعدہ بن جائے' عورتیں موجود ہوں' نکاح ہو سکتے ہوں تو حقیقت یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں فی الواقعہ' یہ ایک عجیب واقعہ ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی فطرت ایسی بنائی ہے اس میں نر اور مادہ ہیں اور فطرتاً نر اور مادہ کے درمیان ملاپ کا داعیہ رکھا ہے۔ تمام زندہ مخلوقات کی یہ فطرت ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۶ : ۳۶) "پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں"۔ تو اللہ نے تمام زندہ اشیاء کو جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا۔ خواہ زمین کی نباتات ہوں یا انسان ہوں یا دوسرے حیوان ہوں' خواہ ان کو انسان جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ اللہ کی مخلوقات میں سے بے شمار ایسی مخلوق اب بھی ہے جسے ہم نہیں جانتے۔ لہٰذا نر و مادہ یا مخالف جوڑا اس پوری کائنات کی تخلیق میں اصل الاصول ہے۔ زندہ چیزوں کے علاوہ دوسری نامعلوم مخلوقات میں بھی۔ ایٹم' کائنات کا صغیر ترین ٹکڑا بھی الیکٹرون سے پیدا شدہ ہے' جس میں مثبت اور منفی چارج ہوتے ہیں' گویا کائنات کے ہر ایٹم کے اندر جوڑا موجود ہے۔

---

(۱) مصنف جس وقت لکھ رہے تھے اس وقت یورپ کے ملکوں نے اس فعل کو قانوناً جائز نہ کیا تھا (مترجم)۔

Marfat.com

جہاں تک زندہ مخلوقات کا تعلق ہے ان کے اندر نر و مادہ کا ہونا تو ایک لازمی امر ہے اور معلوم ہے یہاں تک کہ جن زندہ چیزوں میں نر اور مادہ نہیں ہوتے خود ان کے اندر نر اور مادہ کے خلیے ہوتے ہیں اور ان خلیوں کے اجتماع کی وجہ سے ان کے اندر پیداواری عمل جاری رہتا ہے۔

چونکہ نر اور مادہ کا ہونا اور تمام زندہ مخلوقات کا جوڑا جوڑا ہونا ناموس فطرت ہے۔ اس لیے اللہ نے فطرتاً نر اور مادہ کے درمیان ایک کشش رکھی ہے۔ ایسی کشش جسے کسی خارجی تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ کسی غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ نے زندگی کو اس کی صحیح راہ پر چلانا تھا۔ اور اس راستے پر چلنے کا داعیہ بھی فطرتاً رکھا گیا اور اس کے لیے تعلیم و ترغیب کی ضرورت ہی نہ رکھی گئی۔ لوگوں کے لیے دواعی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا باعث لذت بنایا۔ اس طرح دست قدرت بغیر تعلیم اور ترغیب کے لوگوں سے یہ فطری کام لیتی ہے۔ اللہ نے نر اور مادہ کے مقامات نہانی کے اندر اس فطری ملاپ کا میلان رکھ دیا ہے اور یہ میلان اور لذت اللہ نے دو مردوں کے اعضاء کے اندر نہیں رکھا۔

یہی وجہ ہے کہ فطرت کا یہ اجتماعی بگاڑ' جو قوم لوط کے اندر ہوا' عجیب لگتا ہے کیونکہ یہ تقاضائے فطرت کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت لوط ان لوگوں کے اس فطری بگاڑ کی اصلاح کرنے لگے۔

---ooo---

Marfat.com
Marfat.com

درس نمبر ۱۷۴ تشریح آیات

۵۴ --- تا --- ۵۹

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿۵۴﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۵۵﴾

''اور لوط کو ہم نے بھیجا۔ یاد کرو وہ وقت جب اس نے اپنی قوم سے کہا ''کیا تم آنکھوں دیکھتے بدکاری کرتے ہو؟ کیا تمہارا یہی چلن ہے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے جاتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ سخت جہالت کا کام کرتے ہو''۔

پہلے فقرے میں اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ تم جس بگاڑ میں مبتلا ہو یہ نہایت ہی عجیب و غریب ہے' تم دیکھتے نہیں ہو کہ تمام زندہ مخلوقات کی فطرت کیا ہے۔ تم تو اچھی طرح دیکھتے ہو کہ حیات انسانی و حیوانی کے اندر قانون فطرت کیا ہے۔ تمام زندہ مخلوق میں سے صرف تم ایسے ہو کہ خلاف فطرت روش میں مبتلا ہو۔ اور دوسرے فقرے میں اس بات کی وضاحت کر دی کہ تمہارا یہ فعل انسانیت کے خلاف ہے کہ تم اپنی جنسی ضرورت عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے پوری کرتے ہو۔ محض یہ بیان کہ وہ ایسا کرتے تھے' اس بات کے لیے کافی ہے کہ یہ فعل غیر فطری اور عجیب ہے۔ اور پوری حیوانی نباتاتی بلکہ کائناتی فطرت کے خلاف ہے۔

اس کے بعد ان پر تنقید کی کہ تم بہت ہی جاہل ہو۔ اس مفہوم میں بھی جاہل ہو کہ تمہیں فطرت کائنات اور ناموس کائنات کا علم نہیں ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی جاہل اور احمق ہو کہ تم ایسے برے افعال کا ارتکاب کرتے ہو کیونکہ جو شخص فطرت کے تقاضوں سے نابلد ہو' وہ جاہل ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بے وقوف اور احمق بھی ہوتا ہے۔

اب آپ کی قوم کا جواب کیا تھا؟ ان سے یہ کہا جا رہا تھا کہ اس جہالت اور حماقت کو چھوڑ کر اصل راہ فطرت کی طرف آجاؤ جس کے مطابق تم پیدا ہوئے ہو' تو ان کا جواب یہی تھا جو ہر جاہل کا ہوتا ہے یعنی یہ کہ تم بہت پاک لوگ ہو' ہمارے گاؤں سے''۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿۵۶﴾

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

"مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا "نکال دو لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے، یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں"۔

انہوں نے بطور مزاح حضرت لوط اور مومنین کو "پاکباز" کہا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا یہ فعل گندہ ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ الٹا ان پاکبازوں کو گندے لوگ سمجھتے ہیں اور ان کو یہ بات بری لگتی ہو کہ مسلمان اپنے آپ کو پاک سمجھتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کی فطرت کے اندر اس قدر انحراف پیدا ہو گیا تھا کہ اس فعل کو گندگی نہ سمجھ رہے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس فعل کو چھوڑنا وہ اپنے لیے گندہ فعل سمجھ رہے ہوں۔

بہرحال ان لوگوں نے فیصلہ کر لیا اور پختہ ارادہ کر لیا کہ حضرت لوط کو ملکہ بدر کر دیں لیکن اللہ کا ارادہ کچھ اور تھا۔ اللہ نے ان کو دنیا بدر کر دیا۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا
۴
۱۴ ع عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾
۱۹

"آخر کار ہم نے بچا لیا اس کو اور اس کے گھر والوں کو، بجز اس کی بیوی کے جس کا پیچھے رہ جانا ہم نے طے کر دیا تھا، اور برسائی ان لوگوں پر ایک برسات، بہت ہی بری برسات تھی۔ وہ ان لوگوں کے حق میں جو متنبہ کیے جا چکے تھے"۔

یہاں اس بارش کی تفصیلات نہیں دی گئیں جس طرح دوسری سورتوں میں دی گئی ہیں۔ لہٰذا ہم بھی سیاق کلام کے مطابق بس اس آیت کو اسی طرح مجمل چھوڑتے ہیں لیکن اس قوم کو پانی سے ہلاک کیا گیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ لوگ ماء حیات کو غلط جگہ گراتے تھے، جو فعل خلاف فطرت تھا۔ اس سے کوئی انسانی فعل مطلوب نہ تھا، اس لیے اللہ نے بھی ان کو پانی کے ذریعے ہلاک کیا حالانکہ پانی سے اللہ نے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا ہے۔ یہ ان کے ساتھ ایک لطیف مذاق بھی تھا۔ واللہ اعلم! یہ میری رائے ہے ورنہ اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کی سنت کس طرح اور کیوں کام کرتی ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ
اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

"کہہ دو، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور سلامتی ہے اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا: کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں؟"

---ooo---

Marfat.com

فی ظلال القرآن

لسید قطب الشہید

ترجمہ

محمد یوسف حسین خان تسنیم الزمی

جلد چہارم

ادارہ منشورات اسلامی

بالمقابل منصورہ ملتان روڈ، لاہور

Marfat.com